

Posted On Kitab Nagri



کتاب نگری

www.kitabnagri.com

Posted On Kitab Nagri

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

www.kitabnagri.com آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، اسٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی ای میل کریں۔

samiyach02@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

samiyach02@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

Posted On Kitab Nagri

محرم عشق

سندس عثمان خان

“یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ملک فضل دین ولد ملک لال دین کہ بیٹے ملک عمار دین اور کمہار ذات کہ بخشو کی بیٹی صفیہ بی بی نے خفیہ نکاح کر رکھا ہے۔ اور دونوں پچھلے دن سے ہی گاؤں سے غائب ہیں۔ کیونکہ کمی ذات کی عورت نے اونچی ذات کہ مرد کو بہلایا پھسلا یا اور اپنے جال میں پھنسا کر نکاح کیا، جس سے ملکوں کی جگ بھر میں توہین ہوئی، لہذا اپنچائیت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کمہار بخشو اپنی چھوٹی بیٹی سکینہ بی بی ملک فضل دین کو باندی کہ طور پہ دے گا، جب تک کہ اس کی بڑی بیٹی صفیہ بی بی ملک عمار کو لیکر واپس گاؤں نہیں پہنچ جاتی۔ جوں ہی صفیہ گاؤں کی حدود میں قدم رکھے گی اسے سب کہ سامنے سنگسار کر دیا جائے گا۔ اور تبھی اسکی نو سالہ چھوٹی بہن سکینہ بی بی کو باپ کہ پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔” گاؤں کہ سربراہ اعلیٰ اور سائیں سرکار دلاور شاہ نے فیصلہ سنایا تھا۔ ان کہ فیصلے کہ بعد کسی کی مجال نہیں تھی کہ ایک لفظ بھی کہتا۔ انھوں نے اپنے سامنے زمیں پہ بیٹھے گاؤں والوں پہ سر سری نگاہ دوڑائی تھی۔ گہری خاموشی میں چھپا ہوا اعتراض، کمہار بخشو کہ دبی دبی سسکی کہ طور پر سامنے آیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی سسکیاں گلے میں گھٹ کر دم توڑنے کہ بجائے فضا میں سنائی دیتیں، سائیں سرکار نے ازلی تحکمانہ انداز میں ہاتھ میں اٹھائی مخصوص چھڑی، جو دراصل بڑا سا خنجر تھا، کو لہراتے کہا: “اگر کسی کو فیصلہ پہ اعتراض ہے

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

جوں ہی، ”کابل بجا یا گیا، زرشہ اور زرینہ صفِ اول کہ جنگجوؤ کی طرح فوج کہ دستہ کو چیرتی پھاڑتی
“مطلوبہ ہدف ”تک جا پہنچیں، اور اسلحہ و دیگر ہتھیاروں کی مدد سے وہ“ کارکردگی ”دکھائی کہ ان کی اپنی اماں
بھی حیران رہ جاتیں۔ کھانے پینے سے ٹھیک ٹھاک فراغت حاصل کرنے کہ بعد، زرشہ اب اسٹیج کہ دائیں جانب
لگے قد آور آئینے کہ سامنے کھڑی ہو کر ہر زاویہ سے اپنی تصاویر اتارتی لڑکی کو گھور رہی تھی۔ اس نے سبز اور
گلابی کہ امتزاج کا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ یہ سبز گھٹنوں سے نیچے تک آتی قمیض، اور گلابی شرارہ تھا۔ بالوں کو
کرل کر کہ کندھوں پہ ڈال رکھا تھا، جبکہ ماتھے پہ بائیں جانب جھومر سجایا ہوا تھا۔ بڑی سیاہ آنکھیں کا جل سے لبریز
تھیں اور سیاہ ہی لائنز کہ بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں۔ ہونٹ گلابی رنگ میں رنگے تھے۔ اس کا رنگ دودھیا سفید
نہیں تھا بلکہ گندمی اور سفید کا حسین امتزاج تھا۔ وہ تیکھے نقوش والی لڑکی تھی۔ اس کا نام حوریہ تھا۔ اسی کہ بلانے پہ
زرشہ چھوٹی بہن زرینہ کہ ہمراہ موجود تھی۔ حوریہ زرشہ کہ ساتھ کالج میں پڑھتی تھی۔ دونوں کی دوستی نہیں
بلکہ دشمنی کالج بھر میں مشہور تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں
دیتی تھیں۔ حوریہ کو منہ ٹیڑھا میڑھا کر کہ تصویریں اتارتے دیکھ کر زرشہ جیسی آفت کی پرکالہ بھلا کہاں آرام
سے بیٹھی رہ سکتی تھی۔ اس نے جھٹ سے جینز کی پچھلی جیب سے اپنا موبائل نکالا اور ایسے اینگل پہ بیٹھی جہاں
سے حوریہ کی تصاویر اتار سکے۔ اس نے ہر زاویہ سے حوریہ کی تصاویر اتار لیں۔ اب جبکہ حوریہ اسٹیج پہ اپنے بھائی
اور بھابھی کہ ہمراہ براجمان تصاویر کو مختلف خوبصورتی کہ فلٹر لگا کر حسین بنانے کی تگ و دو میں جُتی ہوئی تھی،
اُدھر اس کہ وہم و گماں میں بھی نہیں تھا کہ اس کی جانی دشمن زرشہ نے اسی کی تصاویر عجیب و غریب کتے بلیوں
والے فلٹر لگا کر ذیشان کو بھیج بھی دی ہیں۔ گو کہ اس نے ذیشان کو بلا کر رکھا تھا، مگر فقط اس کام کہ لیے اپنی
عزت نفس پہ قدم رکھ کر اس نے ذیشان کو نہ فقط ان بلا کر کیا بلکہ حوریہ کی تصاویر بھی ایک پیغام کہ ساتھ بھیج

Posted On Kitab Nagri

دیں: ”تم نے“ ”سڈریلا“ ”پہ“ ”چڑیل“ ”کو فوقیت دی۔ اب بھگتو۔۔۔!!!!!!“ ”سیج سینڈ کرنے کہ تھوڑی ہی دیر بعد“ ”سین“ ”ہو گیا تھا۔ سین کا نیلا ٹک دیکھتے ہی زرشہ نے ذیشان کو پھر سے بلا کر دیا۔“ ”اچھا بھلا اس ذیشان کہ بچے سے میں پیکیج کروالیا کرتی تھی، اس شکار کو بھی اس حوریہ نے اپنی طرف کر لیا۔ اب دونوں کو زرشہ سے ٹکر لینے کا مطلب سمجھ آئے گا۔۔۔ ہو نہ۔۔۔!!“ ”زرشہ نے گردن پہ گرتی پونی ٹیل کو دائیں بائیں جھولا دیا۔ اور پھر بالوں کو دائیں کندھے پہ گرا کر شان سے قدم قدم اٹھاتی حوریہ کی جانب بڑھنے لگی۔ جو اس وقت سفید ساڑھی میں“ ”پھنسی“ ”اپنی ماں سے کسی بات پہ بحث کر رہی تھی۔ اس کی اماں نے بڑا سیاہ بیگ بازوؤں کہ نیچے دبا رکھا تھا۔ جس میں وہ مہمانوں سے ملنے والی سلامی کہ پیسے ٹھونس رہی تھیں۔ زرشہ نے ان کہ قریب سے گزرتے ہی مصنوعی مسکراہٹ چہرے پہ سجا کر انھیں لفافہ پیش کیا۔“ ”جینز اور جو گرز پہن کر بھلا شادی میں کون آتا ہے؟ مجھے تو تمھیں دیکھ کر شادی ہال کا نہیں پلے گراؤنڈ کا گمان ہو رہا ہے۔۔۔!!“ ”حوریہ کی اماں نے زرشہ کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے عادتاً پتلی ناک سکیرٹی پھر ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے نزاکت سے قہقہہ فضا میں بلند کیا۔ زرشہ بھی بھلا کہاں پیچھے رہنے والوں میں تھی۔“ ”اوہ سچ کہا آپ نے۔۔۔ یہ پلے گراؤنڈ ہی تو ہے۔ (زرشہ نے ارد گرد نگاہ دوڑائی جہاں ہر عمر کی خواتین شوخ و رنگیں کپڑے پہنے چہروں پہ مصنوعی میک اپ کی تہہ چڑھائے خوش گپیوں میں مشغول تھیں۔) جہاں مختلف خواتین“ ”جو کرز“ ”طرح طرح طرح کہ کرتب دکھا کر لوگوں کو“ ”انٹرٹین“ ”کرنے میں مصروف ہیں۔“ ”اور ہاں پلے گراؤنڈ میں آنے والوں کو تو سلامی نہیں دینا پڑتی نا۔۔۔!!“ ”کہتے ہوئے زرشہ نے حوریہ کی اماں کہ ہاتھ سے سلامی والا لفافہ اچک کر جینز کی جیب میں اڑسا اور خود تیز تیز قدموں سے چلتی ہو حوریہ کی جانب بڑھ گئی۔“ ”بد تمیز، منہ پھٹ کہیں کی، اچھا بھلا ہزار نکلوایا تھا اس سے وہ بھی لے اڑی۔۔۔ بد بخت۔۔۔!!“ ”حوریہ کی اماں اب زرشہ کی پشت کی جانب دیکھتے ہوئے اسے

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

خوف سے کہا تھا۔“پورے دو ہزار ہیں میرے پاس۔“زرشہ نے فضا میں ہزار ہزار کہ دونوٹ لہراتے ہوئے کہا تھا۔“دودودودو ہزار۔۔۔!!!“زرینہ غش غش کھاتے کھاتے بچی،“تو کیا سمجھتی ہے، میں مفت میں سغراں آنٹی کہ میز پہ بیٹھی رہی۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ دو ہزار لفافہ میں ڈال رہی ہیں۔ پھر کیا تھا جوں ہی انھوں نے موٹی یا سمین آنٹی کو لفافہ تھمایا، میں نے بھی اپنا خالی لفافہ انھیں تبھی تھمایا۔ اور جب انھوں نے حسبِ عادت و حسبِ توقع مجھ سے منہ ماری کی تو میں نے بڑی مہارت سے سغراں آنٹی والا پنک لفافہ ان کہ ہاتھ سے جھپٹ لیا۔۔۔!!!“زرشہ باواز بلند اپنی چوری کا قصہ بہن کہ گوشت گزار کر رہی تھی۔ جبکہ زرینہ اسکی عقل اور حاضر دماغی کی داد دیے بنانہ رہ سکی۔“معاف کیجیے گا محترمہ! آج ہوٹل میں بکنگ فل ہے۔ بزنس پارٹی چل رہی ہے۔“انھیں ہوٹل کی انٹرنس پہ ٹوپیس سوٹ پہنے ہوٹل مینیجر نے روک لیا تھا۔ ہوٹل میں ضرورت سے زیادہ چہل پہل دکھائی دیتی تھی۔ کسی بزنس مین کی جانب سے پورا ہوٹل ہی بک کر دیا گیا تھا۔ تبھی انتظامات بھی شاہانہ کیے گئے تھے۔ زرشہ اپنے ارد گرد متحیر سی نگاہیں دوڑا رہی تھی۔“کیا یہاں کیسٹس سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ ہم بھی عالم انڈسٹریز کی جانب سے دی جانے والی پارٹی میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔۔۔!!!“جو اباز زرشہ نے بلا کی خود اعتمادی سے کہا تھا۔“میم اگر آپ انویٹیشن کارڈ دکھا دیتیں تو۔۔۔!!!“مینیجر نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ کیونکہ باہر مہنگی گاڑیوں کی پارکنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ جو اس کی عکاسی کر رہا تھا کہ معزز مہمانانِ گرامی کی آمد کی شروعات ہو چکی ہے۔ وہ زرشہ اور زرینہ کو وہیں چھوڑ کر باہر لپکا تھا۔ زرشہ اسی موقع کی تاک میں تھی۔ وہ زرینہ کو بازو سے تھام کر آگے بڑھ گئی۔ آگے جا کر بھی انھوں نے کونے والا میز لے لیا۔“واہ آج تو خوب مقنا لگ رہا ہے۔ دو ہزار بھی بچ جائیں گے اور چائے خانہ سے دعوت بھی اڑالیں گے۔۔۔۔۔ مینا! پہلے مجھے فیس بک پہ چیک ان کرنے دے پھر ذرا میری تصویریں اتارنا تاکہ دوستوں کہ دل جلا سکوں۔۔۔!!!“زرشہ کا دھیان

Posted On Kitab Nagri

اب موبائل کی جانب تھا۔ وہ نیلا گھٹنوں تک آتے کرتے اور نیلی جینز کہ ساتھ سفید جو گر ز پہنے ہوئے تھی۔
چاہے شادی ہو یا غمی، یہی اسکا حلیہ تھا۔ دوپٹہ سے دور دور اسکا واسطہ نہیں تھا۔ وہ ایسی ہی تھی، من موبجی، منہ
پھٹ اور ہر کام کو دو نمبر طریقے سے انجام دینے والی۔ دوسروں سے فائدہ اٹھانا اور مطلب نکالنا اسے خوب آتا تھا۔
یایوں کہہ لیا جائے کہ وہ اس فن میں طاق تھی۔ پیسہ اس کی کمزوری تھا۔ اور وہ ایک دن بہت بہت سے پیسوں
میں کھیلنا چاہتی تھی۔ “آپی ویسے آپکو کیسے پتہ چلا کہ یہ عالم انڈسٹریز کی طرف سے دی جانے والی دعوت
ہے۔۔۔؟؟؟” زر مینہ نے پانی کی بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلتے بہن سے سوال کیا تھا۔ جو ابھی تک سیلفیز لینے
میں مشغول تھی۔ “اوہ سیانی دیوار پہ اتنا بڑا بڑا لکھا ہوا ہے تھا : Very warm welcome to
our guests. Aalim Industries وہیں سے دیکھا۔” زر شہ نے کندھے اچکائے۔ اسے اب
سب سے پیاری سیلفی سیلیکٹ کر کہ طاہر کو بھیجی تھی۔ آجکل اس کی “سلام دعا” طاہر سے ہی چل رہی تھی۔
----- ہوٹل میں کھلبلی اس وقت مچی جب سیکیورٹی کی دو گاڑیوں کی معیت میں سفید لینڈ کروزر
باہر آ کر رکی۔ ہوٹل منیجر وہ دیگر عملہ دروازے کہ پاس قطار بنا کر کھڑا ہو چکا تھا۔ زر شہ اور زر مینہ نے قصد آمنہ
چھپا لیے تھے مبادا، کوئی انھیں دیکھ کر پہچان نہ لے۔ “لگتا ہے عالم انڈسٹریز کا مالک آ گیا ہے۔” زر مینہ نے زر شہ
کو گویا اطلاع دی تھی۔ جو طاہر کی جانب سے موصول ہونے والے تعریفی پیغامات کہ جوابات دینے میں مصروف
تھی۔ “ٹھر کی کہیں کا۔۔۔!!!” زر شہ نے منہ بھر کہ تبصرہ کیا اور خود زر مینہ کی جانب متوجہ ہوئی۔ کچھ ہی وقت
بعد ہر میز پر ویٹرز کی جانب سے ڈرنکس سرو کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ہوٹل مہمانوں سے بھر چکا تھا۔
ویٹرز ہر ٹیبل پر انویٹیشن کارڈز بھی چیک کر رہے تھے۔ تبھی زر شہ اور زر مینہ کو لگا تھا کہ ان کی سانسیں بند
ہونے لگی ہیں۔ کیونکہ ان کی باری بھی جلد ہی آنے والی تھی۔ زر شہ کا دماغ تیزی سے جمع تفریق کر رہا تھا۔ وہ

Posted On Kitab Nagri

پانی کا تیسرا گلا حلق میں انڈیل رہی تھی۔ وہ لوگ جہاں بیٹھی ہوئی تھیں وہ میز و اشروم کہ تقریباً قریب ہی تھا۔ زرشہ کا رخ و اشروم کی جانب تھا۔ ”مینا! مجھے بتا کہ کیا پیچھے سے کوئی آرہا ہے۔“ زرشہ نے زربینہ سے سوالیہ انداز میں کہا تھا۔ ”ہاں ہاں وہ وہ شاید بابا باس س س س۔۔۔!!!!“ ”مینا کی آواز حلق میں آکر ہی دم توڑ گئی تھی۔ جبکہ زرشہ نے جوں ہی اپنی پشت پر قدموں کی چاپ سنی تو جان بوجھ کر ٹانگ باہر نکالی تاکہ پیچھے سے آنے والا لڑکھڑائے پھر پانی کا بھرا ہوا گلاس یوں الٹا کہ آدھا اس پر گر اور باقی لڑکھڑانے والے پر۔۔۔ چند لمحوں کا کھیل تھا۔ زرشہ نے جان بوجھ کر چیخ ماری۔ ویٹرز و مینجرز وہاں اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ زرشہ عجیب ڈھٹائی سے سیدھی ہوئی اور گیلے شرٹ کو پونچھتے ہوئے لڑکھڑانے کر سیدھا ہونے والے کہ مد مقابل کھڑی ہو گئی۔ اسکی آنکھیں مصنوعی آگ برسا رہی تھیں۔“ ”تت ت تم ہوش میں تو ہو۔۔۔!!!!“ ”مد مقابل کی شخصیت دیکھ کر اس کہ الفاظ پہلی دفعہ حلق میں اٹکے تھے۔ سفید لٹھے کی شلوار قمیض میں ملبوس طلسماتی اور شاہانہ شخصیت والا وہ کوئی خاص بہت خاص انسان تھا۔ اس نے سیاہ پشاوری چہل پہن رکھی تھی۔ کندھوں پہ سیاہ شال تھی۔ چہرے پہ باریک دھاڑی اور تھوڑی گھنی مونچھیں تھیں۔ وہ مد مقابل کو مسحور کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کہ مہنگے ترین پرفیوم کی مہک چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ یکدم وہاں مرد و زن کا ہجوم سالگ چکا تھا۔ زرشہ پل بھر میں حال میں واپس پہنچی تھی۔“ ”آپ“ ”کو معذرت کرنی چاہیے۔۔۔!!!!“ ”اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ سندھی اور ولایتی کا امتزاج تھا۔ آواز بھاری تھی۔ وہ دھیمبا بولتا تھا۔ اس نے“ ”آپ“ ”پر زور دیا تھا۔ ویٹرز اب سوری سوری کی گردان الاپ رہے تھے۔“ ”مم مم مجھے یا آپ کو۔۔۔۔۔ میرا اتنا مہنگا ڈریس خراب کر دیا۔۔۔!!!!“ ”زرشہ اب اتوار بازار سے گیارہ سو روپے میں لیے گئے کرتے کو پونچھتے ہوئے ناراضگی اور غصے کہ ملے جلے جذبات سے کہہ رہی تھی۔“ ”آپ کہ باس کو شکایت کرتی ہوں۔ بھلا کوئی مہمانوں کو بلا کر ایسا سلوک کرتا ہے؟؟؟؟؟“ ”مد

Posted On Kitab Nagri

مقابل جب بنا جواب دیے وہاں سے واشروم کی جانب جانے لگا تو زرشہ نے پیچھے سے آواز لگا کر کہا۔ اس کی بات سنکر دور جاتا شخص اپنی جگہ رکا، پھر اپنے قدموں پہ پورا گھوما، اور قدم قدم چلتے اس کہ قریب آیا: ”شوق سے کیجیے۔۔۔!!!!“ دھیمے سا مسکراتے ہوئے تین لفظ ادا کیے پھر چند افراد کہ جھر مٹ میں واشروم کی جانب بڑھ گیا۔ ”کک کہاں ہیں باس۔۔۔ کہاں ہیں عالم انڈسٹریز کہ مالک۔۔۔“ نجانے کس گاؤں سے بلوالیے ہیں ایسے لوگ جو بات کرنا نہیں جانتے۔ شہر میں آکر لوگ اپنی اوقات بھول جاتے ہیں۔ اوپر سے شہری لڑکیوں کو دیکھکر تو ان گاؤں کہ لوگوں کی رال ہی ٹپکنے لگ جاتی ہے۔ ”زرشہ آنکھیں بند کیے اپنی مستی میں ہاتھ ہلا ہلا کر تقریر کرنے والے انداز میں نجانے کیا بولتی جا رہی تھی۔ اسکا مقصد ویٹرز کی توجہ اس کہ انویٹیشن کارڈ سے ہٹا کر کسی دوسری جانب لگانا تھی۔ ہوٹل کا عملہ اس کہ گرد اکٹھا ہو چکا تھا۔ وہ سب اسے چُپ کروانے میں جتے ہوئے تھے۔“ نہیں آپ بتائیں مجھے مالک کا۔ میں خود اس ملازم کو برخواست کرواتی ہوں۔۔۔!!!!!!“ زرشہ کو کچھ زیادہ ہی جوش چڑھا ہوا تھا۔ زرمینہ کی اسے چپ کروانے کی کوششیں بھی بے سود جا رہی تھیں۔ please meet

our boss and owner of Aalim Industries Mr. Aalim shah”

”برائے مہربانی ہمارے باس اور عالم انڈسٹریز کہ مالک مسٹر عالم شاہ سے ملیے۔“ مہنگا ترین گرے کلر کا ٹوپس سوٹ پہنے ایک لڑکے نے زرشہ کہ پیچھے کسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ زرشہ اسی جوش سے اپنے پاؤں پہ الٹا گھومی تھا۔ اور جو منظر اس نے دیکھا تھا وہ دیکھنے سے پہلے وہ مر جانا بہتر سمجھتی تھی۔ کیونکہ عالم شاہ وہی تھا جس کی ابھی اس نے ٹھیک ٹھاک کلاس لی تھی۔

Posted On Kitab Nagri

(عالم شاہ نے قصد آزرشہ کو نظر انداز کیا تھا، اور اس کہ پہلو سے گزر کر آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ ایک نہیں تین انڈسٹریز کا بلاشرکت غیر مالک تھا۔ یہی نہیں اس کا تعلق معروف سیاسی خاندان سے تھا۔ اس کہ دادا، تایا اور پھر تایا زاد دلاور شاہ جو سائیں سرکار کہ نام سے مشہور تھے، وہ ممبر نیشنل اسمبلی بھی تھے۔ اس کہ دادا، ”شاہ سائیں“ معروف مذہبی شخصیت تھے۔ اور ان کہ پیروکاروں کہ تعداد سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں تھی۔ ان کی وفات کہ بعد ان کی گدی اس کہ تایا سائیں شمشیر شاہ نے سنبھالی، اور ان کہ بعد وہ گدی عالم شاہ کہ تایا زاد بھائی دلاور شاہ کہ حصہ میں آئی۔ عالم شاہ نے اپنا مقام اپنے بل بوتے پر بنایا تھا۔ اس نے کبھی خاندانی اثر و رسوخ استعمال میں لا کر فائدہ حاصل کرنے کہ بارے میں سوچا تک نہیں۔ اس کا زیادہ وقت شہر میں ہی گزرتا تھا۔ آج بھی اس کی انڈسٹری کی نئی برانچ کی افتتاحی تقریب تھی۔ وہ ایک کامیاب بنگ بزنس مین کہ طور پر سامنے آیا تھا اور آتے ہی چھا گیا تھا۔ گر حال کی بات کی جائے تو، عالم شاہ تو زرشہ کہ پہلو سے انجان بن کر گزر گیا، لیکن زرشہ کہ تومانو تن بدن میں انگارے سلگنے لگے۔ سب لوگ عالم شاہ کہ تعاقب میں اس کہ پیچھے ہو لیے۔ وہ دونوں وہاں تنہا رہ گئیں۔ مارے ہتک کہ زرشہ کا بدن پسینے سے شرابور جبکہ چہرہ لال ہو رہا تھا۔ مینا، الگ سرہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔ زرشہ منہ سجا کر اپنی سیٹ پہ بیٹھی ہی تھی کہ ایک ویٹر، کھسیانی سی ہنسی ہونٹوں تلے دبائے ان کہ میز پہ بن بلائے مہمان کی طرح وارد ہوا۔“ میم! آپ کو اگر آج کامینیو نہیں پسند تو اس کہ علاوہ جو بھی منگوانا ہے آپ نے، آپ آرڈر کر سکتی ہیں۔ آپ کا بل ایڈوانس میں پے ہو چکا ہے۔“ ویٹر جتنی نگاہوں سے اب دونوں کو گھور رہا تھا۔ وہ سب ہی جان چکے تھے کہ یہ دونوں کوئی مفتانور ہیں۔“ اوہ ہیلو! زرشہ احسان علی، احسان کرتی ہے، احسان لیتی نہیں ہے۔ اپنا مینیو، اور اپنا کھانا اپنے پاس رکھو۔ مجھے اگر کچھ منگوانا ہوا تو میں پے کروں گی، مفت خور نہیں ہوں جو، مفتا ہڑپ کر جاؤں۔ اتنی خود اداری تو ہے میرے اندر۔۔۔!!!“ زرشہ ہاتھ فضا میں لہرا لہرا کہ

Posted On Kitab Nagri

تا بڑ توڑ حملے کر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ہاتھ میں اٹھایا کانٹا ویٹر کی آنکھوں میں اتار دے۔ ویٹر اسکا بگڑا موڈ دیکھ کر نود و گیارہ ہوا تھا۔ جبکہ زرشہ اب اپنا بگڑا تنفس درست کرنے کی تگ و دو میں جُت چکی تھی۔ مینا نے جھٹ میز پہ پڑی نیسلے کی بوتل سے پانی گلاس میں انڈیل کر اسے پیش کیا۔ ”دھت تیری۔۔۔ یہ کیا کیا ہے۔۔۔؟؟؟؟“ ”زرشہ کا اشارہ پانی کی بوتل کی جانب تھا۔ مینا جو بہن کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہ رہی تھی، سہم کر پیچھے ہٹے گویا ہوئی: ”کک کک کیا کیا آپ؟“ ”آپی کی بچی! یہ بوتل کوئی مفت میں نہیں پڑی تھی ادھر، اس کہ بھی پیسے لیتے ہیں یہ لوگ۔ باہر سے یہی بوتل نوے پچانوے کی مل جاتی ہے اور یہاں ڈیڑھ سو کی تو ہوگی کم سے کم۔ کیا ضرورت تھی اسے کھولنے کی۔“ ”زرشہ اب اس پر برس رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ مینا اسے کب کا کھول چکی تھے۔“ ”اچھا اب منہ مت بناؤ، جب ہم اٹھیں گے تو بوتل ساتھ لے لینا۔ بھئی پیسے دیں گے۔ ہمارا حق بنتا ہے۔“ ”زرشہ کا موڈ اب درست ہو رہا تھا۔“ ”اب جلدی سے آرڈر کرو۔ اور دیکھو، پندرہ سو تک آرڈر کرنا۔“ میز پہ موجود مینیو کھولتے ہی کھانوں کہ نام دیکھ دیکھ کر جہاں بھوک چمکی تھی وہیں ندیدہ پن بھی عود آیا تھا۔ ”آپی یہاں تو کچھ بھی سستا نہیں ہے۔ ہم کیا کھائیں گے، میں تو کہتی ہوں غصہ تھوک دیں، وہ دیکھیں وہاں لوگ طرح طرح کی ڈشز مفت میں کھا رہے ہیں۔ کتنی اچھی خوشبو آرہی ہے نا۔۔۔!!!!“ ”مینا کا اشارہ تھوڑا فاصلے پر موجود کھانے کہ اسٹینڈز کی جانب تھا۔ جہاں اب سوڈ بوٹل لوگوں کا ایک ہجوم سا لگتا جا رہا ہے۔ لوگ کھانا نکال کر وہیں کھڑے کھڑے خشکیوں میں مصروف تھے۔ زرشہ کو انھیں دیکھ کر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مینا سے کچھ کہتی کن اکھیوں سے اس نے دور سے آتے ویٹر اور گرے سوٹ والے لڑکے کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے مینا کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر آنکھوں سے مخصوص اشارہ کیا اور کچھ اس طرح گویا ہوئی: ”تمہیں لگتا ہے کہ میں۔۔۔ زرشہ احسان علی۔۔۔ اپنی عزت نفس کو کچل کر اُس عالم شاہ کا دیا کھانا کھاؤں گی؟ میں۔۔۔؟؟؟؟“

Posted On Kitab Nagri

میں۔۔۔؟؟؟ مینا۔۔ بتاؤ مجھے؟ تمہاری آپنی ایسا کر سکتی ہے؟ ”زرشہ اب جذباتی ہو رہی تھی۔“ مگر۔۔۔ آپنی۔۔۔
ان کہ باس نے کونسا آپکو کچھ کہا۔ وہ تو آپ کی ہی غلطی۔۔۔۔۔!!!!!! (یہاں آکر زرشہ کی زہریلی نگاہوں کو
دیکھ کر اس نے پہلو ہی نہیں بات بھی بدلی تھی)۔ وہ۔۔۔ میں کہہ رہی تھی کہ۔۔۔ رزق سے انکار نہیں کرنا
چاہیے۔۔۔!!!!!! ”مینا کی نگاہیں ہنوز کھانے کے اسٹینڈ پر اٹکی تھیں۔ وہ اپنے تئیں زرشہ کی بھوک کی روح کو بیدار
کرنے میں جُستی ہوئی تھی۔“ واہ مینا واہ! اپنی آپنی کی خودداری پہ قدم رکھ کر گرم وہ کھانا حلق سے اتار سکتی ہے تو
جاؤ، جاؤ میں تمہیں نہیں روکوں گی۔“ ”زرشہ جذباتیت کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ گرے سوٹ والا ویٹر
کو کچھ کہتے ہوئے اسے سور لے گیا۔“ مینا آج تو نے ثابت کر دیا کہ تم میری بہن ہی نہیں ہو۔۔۔!!!!!! ”زرشہ
نے آخری تیر میان سے نکالا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی اب تو باقاعدہ بھیگ چکی تھیں۔“ آپنی بس کریں ڈرامہ، وہ
لوگ چلے گئے ہیں۔۔۔!!!!!! ”مینا نے زرشہ کا ہاتھ دباتے ہوئے رازداری سے کہا تھا۔“ اب دیکھو ڈرامے کا
ڈراپ سین۔۔۔!!!!!! ”زرشہ نے آنسو انگلی کی نوک پہ رکھ کر انگوٹھے سے دور اچھالتے ہوئے کہا تھا۔ واقعی کچھ
ہی دیر بعد دو عدد ویٹرز ہاتھوں میں کھانوں کے بڑے تھال اٹھائے، اسی گرے سوٹ والے لڑکے کے ہمراہ وہاں
پہنچے تھے۔ گرے سوٹ والا جو شاید اُس عالم شاہ کا سیکریٹری تھا، ہاتھ باندھے زرشہ کے سامنے کھڑا تھا۔

“Mam Sorry for Inconvenience, please accept this as a good gesture.” جس تیزی سے وہ انگریزی بول رہا تھا زرشہ غیر ارادی طور پر منہ کھولے انگریزی ہضم کرنے
کی کوشش کر رہی تھی۔ تاریخ گواہ تھی کہ وہ انگریزی میں ہمیشہ فیل ہی ہوتی آئی تھی۔ انگریزی بولنا تو دور وہ تو مر
مر کر جوڑ نکال کر بمشکل پڑھتی تھی۔ زرشہ تو بُت بنی بیٹھی تھی، جبکہ مینا نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا تھا :
”Its okay.“ مینا کی طرف سے ہر اس گنجل ملتے ہی ویٹرز نے میز طرح طرح کے اشتہا انگیز پکوانوں سے بھر

Posted On Kitab Nagri

دی تھی۔ “Mam if you need anything, please feel free to ask.”

گرے سگنل والا ٹلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ “Yeah Yeah...” زرشہ بلا آخر حواسوں میں لوٹ آئی تھی۔ “آپی! آپ کی اداکاری کی داد دینا پڑے گی۔ اسے کہتے ہیں سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔” “!!!” “میںا کھاناٹھونستے ہوئے بہن کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی، جبکہ وہ کھانے کی تصویریں اتار کر فیس بک پر لگا رہی تھی: “انجوائنگ بونے۔۔۔!!!” “طاہر اور حوریہ کو ٹیگ کرنا نہیں بھولی تھی۔

“دیکھ خوش بخت بہن! ہم ہیں تو محلہ دار لیکن تم مجھے اپنی سگی بہنوں کی طرح عزیز ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہارا اور تمہاری بچیوں کا بھلا چاہا ہے۔ تم تو جانتی ہو، میں رشتے کرواتی ہوں اللہ کہ فضل سے۔ بس اسی سلسلہ میں حاضر ہوئی تھی۔ تمہاری زرشہ خیر سے جوان ہے، خوبصورت ہے۔ (منہ پھٹ، بدتمیز، چڑیل ہے، قصد آنخود کو یہ کہنے سے روکا۔) اور تم بیوہ ہو، بیٹا تمہارا ہے کوئی نہیں۔ کب تک بچیوں کی راکھی دوگی؟ زمانہ خراب ہے۔ میرے پاس بہت اچھا رشتہ ہے۔ کہتی ہو تو اپنی زرشہ کہ لیے بات چلاؤں؟“ پروین نے خوب مکھن ملائی لگاتے ہوئے زرشہ کی ماں کو گھیرا تھا۔ اور گھیرتی بھی کیوں نہ؟ اسکا اکلوتا بیٹا زرشہ کہ لیے پاگل ہو رہا تھا۔ اور پروین کسی صورت چنڈال کو بہو کی صورت میں گھر نہیں لانا چاہتی تھی۔ اسی لیے اس سے پہلے کہ بات ہاتھ سے نکلتی وہ زرشہ کو “ٹھکانے” لگانے پہنچ گئی۔“ ہائے ہائے پروین! میری زرشہ کی عمر ہی کیا ہے ابھی۔ تم بھی کمال کرتی ہو۔ خیر سے بی۔ اے کر رہی ہے۔ وہ پڑھائی مکمل کرے گی۔ پھر سوچوں گی شادی کا میں۔” وہ بھی زرشہ کی ماں تھیں۔ اتنی آسانی سے کہاں جال میں آنے والی تھیں۔ “چل بہن تیری مرضی! لڑکا اکلوتا ہے۔ ایک ماں ہے، وہ بھی بیچاری ایک حادثے میں نابینا ہو گئی۔ اور کوئی آگے پیچھے نہیں۔ گھر بار اپنا ہے۔ لڑکا باہر ملک تھا، ابھی واپس آیا ہے۔ میں نے سوچا زرشہ کا گھر بس جائے گا۔“ پروین نے آخری پتہ پھینکا تھا۔ “نہ

Posted On Kitab Nagri

بہن میری بچی پڑھے گی ابھی۔ اور اس کے لیے رشتوں کے کمی تھوڑی نہ ہے۔ ”گو کہ زرشہ کی ماں از حد متاثر ہو چکی تھیں لیکن اب ظاہر کرنا ان کی گھٹی میں شامل نہیں تھا۔“ چل تیری مرضی۔ پھر میں یا سمین کی طرف چلتی ہوں۔ اس نے اپنی حوریہ کے لیے بھی بولا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ لڑکا کمائی والا اور اکلوتا ہو۔ وہ یقیناً نہ نہیں کرے گی۔ ”پروین یا سمین اور خوش بخت کی چپقلش سے بخوبی آگاہ تھی، تبھی ایک اور تیر چلا ڈالا۔ وہ اب اٹھ رہی تھی۔“ اچھا! اگر تم اتنی منت کر رہی ہو تو، لے آنا اس عورت کو یہاں۔ دیکھ لوں گی میں بھی۔ ویسے میری زرشہ کے لیے رشتوں کے کمی تو ہے نہیں۔ پر اب تمہیں انکار تو نہیں کر سکتی نا۔۔۔۔۔!!“ ”تیر نشانے پہ لگا تھا۔ پروین دوبارہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔“ ”دونوں ماں بیٹی ایک جیسی ہیں۔“ اس نے سوچا تھا۔

----- آج سینڈاپس کا رزلٹ آنا تھا۔ زرشہ صبح سے منہ چھپائے پھر رہی تھی۔ وہ اپنی کارکردگی کے بارے میں خوب جانتی تھی۔ اور وہی ہوا جس کا اسے یقین تھا۔ وہ اردو اور اسلامیات کو چھوڑ کر باقی سب میں خیر سے فیل ہوئی تھی۔ رزلٹ نوٹس بورڈ پہ لگا تھا۔ زرشہ خود تو کینیٹین سے نکلی ہی نہیں تھی۔ صبح سے کوئی تین سمو سے کھا چکی تھی۔ ”زرشہ۔۔۔۔۔ مبارک ہو یا۔۔۔۔۔!!“ اسکی دوست زیتون دور سے ہاتھ لہراتے ہوئے بھاگتی ہوئی اس کی جانب آئی تھی۔ زرشہ کا مارے حیرت کہ منہ کھل چکا تھا۔ یقیناً کوئی خوشخبری تھی۔ اس نے سوچا تھا۔ ”تو پورے دو پیپرز میں پاس ہوئی ہے زرشہ۔۔۔۔۔ پورے دو میں۔۔۔۔۔!!“ ”زیتون نے دھماکا کیا تھا۔“ چلو شکر دو تو پاس کیے۔۔۔۔۔ اور باقی۔۔۔۔۔!!“ ”زرشہ نے الٹا سوال کیا تھا۔“ باقی وہی جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ ”زیتون نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا تھا۔“ شکل تیری واقعی اچھی نہیں، اور یقین مان اچھی بات نہ کرنے کی بھی تو نے قسم کھا رکھی ہے۔“ ”زرشہ نے زیتون کو ایک دھموکا سید کیا تھا۔“ مجھے چھوڑ اب سوچ کہ کرنا کیا ہے۔ کیونکہ سینڈاپس میں جو بھی فیل ہے وہ آگے فائنل پیپرز نہیں دے سکتا۔ اور سینڈاپس

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

بعد زرشہ تھک چکی تھی۔ اسے ہمیشہ کی طرح بھوک بھی ستارہی تھی۔ پیٹ پہ ہاتھ رکھے وہ دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔ نجانے کتنی ہی ٹھہر کی لڑکوں کو یہاں سے جو تاد کھا کر بھگا چکی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دیا۔ روڈ پہ روٹ لگ چکا تھا۔ کسی بڑے آدمی کی آمد متوقعہ تھی۔ “زرشہ تیار ہو جا۔ مجھے لگتا ہے کوئی بڑا آدمی یہاں سے گزرنے والا ہے۔” زیتون بھی اکیٹو ہو چکی تھی۔ زرشہ بگڑتی سانسیں بحال کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ماں کے سامنے اپنا پول کسی صورت بھی نہیں کھلنے دے سکتی تھی۔ وہ اب دھیرے دھیرے روڈ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ دور سے سیاہ لینڈ کروڑو آتی دکھائی دی تھی۔ جوں ہی وہ قریب آئی، زرشہ اکیٹنگ کرتے ہوئے گاڑی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی زمیں بوس ہوئی۔ مجبوراً ڈرائیور کو بریک لگانا پڑی۔ سیاہ گاڑی کے پیچھے والی ساری گاڑیاں رکنے لگیں۔ اسلحہ بردار گارڈز نے سیاہ گاڑی کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ زرشہ کی سوچ سے زیادہ خطرناک کام وہ کر بیٹھی تھی۔ مگر اب واپسی ناممکن تھی۔ اس کی چیخیں فلک میں شگاف کر رہی تھیں۔ زرشہ کی بد قسمتی کہ وہ عام گاڑی نہیں تھی بلکہ ایم این اے سائیں سرکار دلاور شاہ کا قافلہ تھا۔ وہی دلاور شاہ جس کا نام سن کر بڑے بڑے تیس مار خاں کانپ جاتے تھے۔ زرشہ کو گارڈز نے گھیر لیا تھا۔ زیتون جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ زرشہ کو اب اس پر بھی رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا، کم از کم اسے اٹھانے ہی آ جاتی۔ سائیں سرکار کا ذاتی ملازم گھنگریا لے سیاہ بال کندھوں پہ ڈالے اس کے پاس پہنچا تھا: “کون ہو تم بی بی؟ کیوں ڈرامہ کر رہی ہو؟ مخالف پارٹی نے بھیجا ہے نا تمہیں؟ سائیں سرکار خلاف سازش کرنے کے لیے؟” اسکی گھمبیر آواز زرشہ کو ڈرانے کے لیے کافی تھی۔ “دیکھ نہیں رہے چوٹ آئی ہے مجھے؟ عورت کی عزت کرنا نہیں سکھایا تمہارے سائیں سرکار نے تمہیں؟ انہیں بتاؤ کہ ان کی گاڑی سے ٹکر لگی ہے مجھے۔ زخمی ہوئی ہوں میں۔ مجھے ہسپتال پہنچائیں۔” زرشہ نے بھی ڈرامہ پورا کرنے کی قسم کھائی تھی۔ دونوں بحث میں الجھ چکے تھے۔

Posted On Kitab Nagri

گاڑیاں ہنوز روڈ کو بلاک کیے رکی ہوئی تھیں۔ زرشہ جہاں گھبرا رہی تھی وہیں اسے یہ خیال ہواؤں میں اڑا رہا تھا کہ اس کے لیے اتنی گاڑیاں بلاک کیے کھڑی ہیں۔ کتنی عظیم تھی وہ۔۔ ایسا وہ سوچ رہی تھی!“ سائیں چھوری ضد کر رہی ہے۔ ابھی کاروائی نہیں کر سکتے۔ مجھے لگتا ہے مخالف پارٹی کا ہتھکنڈا ہے۔ کوئی چھپا ہوا کیمرہ ہو گا۔ تاکہ آپکو بدنام کیا جاسکے۔“ گھنگریالے بالوں والا آدمی اب گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ کروفر سے براجمان آدمی تک گیا تھا۔ اسکی بات سنتے ہی، سر ہلاتا ہوا، گاڑی سے نیچے اتر اٹھا۔ پاؤں میں بھورے رنگ کا کھسہ، سفید دھوتی اور سفید کرتے میں ملبوس، سر پہ بڑی سفید پگ پہنے وہ بڑی مونچھوں کا درست کرتے قدم قدم آگے بڑھا تھا۔ اس کے ساتھ اسلحہ بردار گارڈز تھے۔ اس نے انھیں ہاتھ کہ اشارہ سے رکنے کا کہا تھا۔ اس نے سیاہ اور سرخ نگینے والی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ گھنی مونچھیں اور بڑھی داڑھی اس کے چہرہ کو مزید رعب دار بنا رہی تھی۔ وہ تفاخر سے زرشہ کے پاس پہنچا تھا:“ خاتون! آپ کو ہسپتال پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔“ زرشہ جو اس کا حلیہ دیکھ کر کانپ رہی تھی، اسکی بات سنتے ہی حلق میں تھوک اٹکا تھا۔ زیتون اب بھاگ کر اسے اٹھانے پہنچ آئی تھی۔“ سائیں! اسمبلی کا سیشن اٹینڈ کرنا ضروری ہے۔“ اس کے گارڈ میں سے ایک نے باواز بلند کہا تھا۔“ ہم عوام کی خدمت کے لیے اسمبلی میں بیٹھے ہیں۔ ان سے زیادہ ضروری ہمارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔“ سائیں سرکار نے گارڈ کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا تھا۔ زرشہ مزید خوفزدہ لگ رہی تھی۔“ تُو نے غلط آدمی سے پنگالے لیا ہے“ زیتون نے زرشہ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔“ خاتون کو گاڑی میں ڈالیں، انھیں باحفاظت پہنچانا ہے۔“ سائیں سرکار نے گاڑی کی طرف مڑتے ہوئے کہا تھا۔ زرشہ کو سب خواب لگ رہا تھا، اتنے لوگوں کا اسے پروٹوکول دینا، روڈ پہ اس کے خاطر ٹریفک بلاک ہونا، اور تو اور ایم این اے اور معروف مذہبی شخصیت سائیں سرکار کا خود اس سے کلام کرنا۔ کاش یہاں حوریہ اور مینا ہوتیں تو کیا مزہ آتا۔ اوپر سے سائیں سرکار کی بڑی اور مہنگی گاڑیوں میں سے ایک میں سفر

Posted On Kitab Nagri

کرنا۔ زیتون نے اسے تھامنے کی کوشش کی، لیکن زرشہ نے اس کہ بازو کو جھٹک دیا تھا۔ اس کہ مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔ وہ اب لنگڑاتے ہوئے ایک گارڈ کہ پیچھے ہوئی تھی۔ جس نے اسے ہسپتال منتقل کرنا تھا۔ زیتون کہ دیکھتے ہی دیکھتے زرشہ گارڈ میں بیٹھ کر نگاہوں سے او جھل ہو چکی تھی۔ وہ گارڈ میں بیٹھی تو رکی ہوئی ٹریفک بحال ہوئی تھی۔ زرشہ فی الوقت تو ساتویں آسمان پہ اڑ رہی تھی۔ “سائیں! چھوری کا کیا کرنا ہے؟” گھنگریالے بالوں والے نے سائیں سرکار سے پوچھا تھا۔ “خفیہ ٹھکانے پر لے جاؤ، اور اپنے طریقے سے پوچھ گچھ کرو۔ ہمیں لگتا ہے مخالف پارٹی کی ایجنٹ ہے یہ۔ اور خبر نیوز میں دے دو، کہ سائیں سرکار نے ایک خاتون کی مدد کہ لیے گاڑیاں رکوا دیں اور اسمبلی کا سیشن بھی مس کر دیا۔ ان کہ نزدیک عوام کی سیوا سے آگے کچھ بھی نہیں۔”

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔)

عالم شاہ دلاور شاہ کہ بلوانے پر حویلی پہنچ چکا تھا۔ یہ سندھ کہ مضافات میں واقع گاؤں مہر شاہ تھا۔ گاؤں کا گاؤں دلاور شاہ کامرید تھا۔ یہیں دلاور شاہ کہ باپ دادا کا مدفن تھا۔ عالم اور دلاور کہ پرداد کا تعلق پنجاب سے تھا۔ وہ کسی بزرگ سے بیعت کہ لیے سندھ آئے، اور پھر یہیں مسکن بنالیا۔ وہ بہت بر گزیدہ انسان تھے۔ انھی کہ پیر و کار اب دلاور شاہ کو اپنا پیر مانتے تھے۔ دلاور شاہ خود عمر کہ چالیسویں سال میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ نہ فقط اس گاؤں بلکہ قریب و جوار کہ دیگر گاؤں میں بھی بلا شرکتِ غیر حکومت کرتے تھے۔ انھوں نے پینتیس سال کی عمر سے یہ گدی سنبھالی تھی۔ شاید انھی ذمہ داریوں نے انھیں عمر سے کافی بڑا کر دیا تھا۔ ان کا رعب و دبدبہ سارے علاقے میں مشہور تھا۔ انھوں نے اس وقت شادی کی جب وہ چوبیس سال کہ تھے۔ شادی کہ دو سال بعد اللہ نے بیٹے

Posted On Kitab Nagri

سے نواز تھا۔ جو بد قسمتی سے تین ماہ ہی زندہ رہ سکا۔ وہ پیدائشی معذور تھا۔ پھر قسمت نے ایسا منہ موڑا کہ یکے بعد دیگرے دلاور شاہ کہ چار بیٹے معذور پیدا ہوئے جن میں سے تین تو پیدائش کہ کچھ عرصہ بعد ہی وفات پا گئے۔ جبکہ ایک بیٹا، ”شاہ زین“ زندہ بچا۔ دلاور شاہ کی بیوی، نورین، شوہر کی وفادار و فرمانبردار تھی۔ دلاور شاہ کا ہر اچھے برے وقت میں ساتھ دینا اس کا مقصد تھا۔ حویلی کی مالکن تھی۔ اور شوہر کی غیر موجودگی میں حویلی کی سرپرست اعلیٰ تھی۔ دلاور شاہ کہ ماں باپ وفات پا چکے تھے۔ حویلی میں ان کہ علاوہ دلاور شاہ کی ایک بہن بھی تھتی تھیں، پاکیزہ! اپنے نام کی طرح پاک صاف اور خالص۔ وہ اپنے اداسائیں سے دو سال چھوٹی تھیں۔ دلاور شاہ نے خاندانی رسومات یا ذاتی انا و خواہش کی وجہ سے پاکیزہ کی شادی نہیں کی تھی۔ پاکیزہ بی بی کی ہزار ہا رشتے آئے۔ لیکن دلاور شاہ نے ہر رشتہ کو انکار کیا۔ پاکیزہ بی بی نے کچھ گھریلو حالات اور کچھ ذاتی تسکین کہ لیے خود کو کمرہ میں مقید کر لیا تھا۔ انھوں نے اپنی دوستی اللہ اور اسکی کتاب سے مضبوط کی۔ گاؤں میں اس حد تک مشہور ہو چکا تھا کہ پاکیزہ بی بی “پیرنی” ہیں۔ خواتین ان کی معتقد تھیں۔ ان سے دعائیں کروانے آتی تھیں۔ پاکیزہ بی بی طبیعت کی سادہ اور مخلص تھیں۔ جب تک عالم شاہ حویلی رہا، پاکیزہ بی بی نے بڑی بہن اور ماں بن کر اس کی پرورش کی تھی۔ انھیں عالم شاہ سے بچوں کی مانند انس تھا۔ یہی حال عالم شاہ کا بھی تھا۔ دلاور شاہ گر سخت گیر تھے تو ان ہی کی بہن نرم خو تھی۔ دلاور کا غصہ مشہور تھا تو پاکیزہ کی نرمی اور حیا کا گاؤں گواہ تھا۔ وہ شبنم کہ قطرہ کی مانند پاک، اور گلاب کی پنکھڑی کی مانند نرم و نازک تھی۔ ہمہ وقت سفید لباس زیب تن کیے رکھتی۔ ہاتھ میں تسبیح اور زباں پہ اللہ کا ذکر! بھلا اس دور میں بھی کوئی اتنا پارسا، اتنا مکمل، اتنا نیک ہو سکتا تھا۔ انھیں دیکھنے والے اکثر سوچا کرتے تھے۔۔۔۔۔!!!!!!۔۔۔۔۔ دلاور شاہ نے عالم کو اپنے ساتھ چائے پینے کی دعوت دی تھی۔ عالم، دلاور کہ پاس ہی موجود تھا۔ جب شمشیر ہاتھ میں موبائل اٹھائے، دلاور شاہ کی طرف بڑھا، اور کوئی ویڈیو

Posted On Kitab Nagri

نکال کر ان کہ سامنے چلا ڈالی۔ ویڈیو کی آواز عالم شاہ کہ کانوں میں بھی پڑ رہی تھی۔ یہ کوئی لڑکی تھی۔ جو نجانے کیا اول فول بول رہی تھی۔ ”ہمم۔۔۔۔۔ اس کا پتہ کروایا۔۔۔؟؟؟؟“ ”دلاور شاہ نے ویڈیو سرسری سی دیکھنے کہ بعد موبائل واپس تھمایا اور گلا کھنکارتے شمشیر سے سوال کیا۔“ ”سائیں سرکار! چھوری سچ کہہ رہی تھی۔ اس کا باپ مرچکا ہے۔ اس کی ماں سرکاری استانی ریٹائرڈ ہے۔ اسی کی پنشن سے گھر چلتا ہے۔ اس چھوری کہ علاوہ اس کی ایک اور بہن ہے۔ چھوری نے کالج کی فیس بھرنے کہ لیے ڈرامہ کیا تھا۔“ ”شمشیر نے زرشہ کا نسب کھنگال ڈالا تھا۔“ ”چھوری کو یہ نہیں معلوم کہ آپ نے اسے قید کیا ہے، اسے یہی لگتا ہے کہ میں نے، آپ کہ علم میں لائے بغیر اسے بند کیا ہے۔“ ”شمشیر نے حاضر دماغی اور سمجھداری کا ثبوت دیا تھا۔“ ”ہمم۔۔۔۔۔ اعلیٰ۔۔۔۔۔“ ”سائیں سرکار نے چائے کہ گھونٹ حلق سے اتارتے سیاسی انداز میں کہا تھا۔ عالم شاہ دونوں کی باتیں سن کر پہلو بدل رہا تھا۔ اسے ہمیشہ سے دلاور شاہ اور اس کی سرگرمیوں سے مسئلہ تھا۔ خاص کر خواتین کو لیکر وہ بہت جذباتی اور حساس تھا۔ ابھی بھی کسی خاتون کا تذکرہ سن کر وہ چپ نہیں رہ سکا تھا۔“ ”اڈا سائیں! کیا مسئلہ ہے؟“ ”عالم نے خود کو از حد نارمل رکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔“ ”کچھ نہیں۔ ایک بد تمیز چھوری کا معاملہ ہے۔ تم سناؤ شہر کہ حالات کیسے ہیں؟“ ”دلاور شاہ نے، ہمیشہ کی طرح عالم کو مسائل سے دور رکھتے ہوئے کہا تھا۔“ ”اڈا سائیں! مجھے خوشی ہوگی اگر آپ مجھے اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔“ ”عالم شاہ نے اپنے تئیں پتہ پھینکا تھا۔ ایک عورت پریشانی میں تھی، عالم کو یہ سوچ کر ہی وہ ہشت ہو رہی تھی۔ دلاور سائیں نے شمشیر کو آنکھ کا ہلکا سا اشارہ کیا تھا۔ جس پہ شمشیر نے سیاہ زلفیں پشت پہ ڈالتے ہوئے اپنا موبائل آگے بڑھایا تھا۔ اس میں دو ویڈیوز تھیں۔ عالم نے باری باری دونوں دیکھی تھیں۔ ایک میں ایک جوان لڑکی کالج یونیفارم میں دلاور شاہ کی گاڑی کہ آگے بیٹھی واہ ویلا مچا رہی تھی، جبکہ دوسری ویڈیو میں وہی لڑکی، کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔ وہ ہلکان اور بے بس دکھائی دیتی تھی۔ اپنے بارے

Posted On Kitab Nagri

میں بتاتے ہوئے بار بار دلاور شاہ سے ملنے کی ضد بھی کر رہی تھی۔ اس کی باتوں سے عالم کو اندازہ ہوا تھا کہ وہ دلاور شاہ کہ بارے میں یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے دلاور شاہ نے ہی قید کیا تھا۔ عالم کو لڑکی دیکھتے ہی جانی پہچانی لگی تھی۔ وہ سیکنڈ کہ ہزارویں حصہ میں لڑکی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ واقعہ یاد آتے ہی اس کہ لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ بھی اس شرارتی لڑکی کا کوئی کھیل تھا، جو اسے بہت مہنگا پڑ چکا تھا اور نجانے اب اور کتنا مہنگا پڑنے والا تھا۔ اس نے گلا صاف کرتے ہوئے شمشیر کو موبائل واپس کیا تھا۔ وہ اب بات شروع کرنے کہ لیے مناسب الفاظ کی تلاش میں لگتا تھا۔ ”سائیں چھوری کا کیا کرنا ہے؟“ شمشیر، دلاور شاہ سے مخاطب تھا۔

”چھوڑ دو اسے۔۔۔۔۔!“ ”جواب عالم شاہ کی جانب سے آیا تھا۔“ ”تم جاؤ۔“ دلاور شاہ نے شمشیر کو ہاتھ سے اشارہ کرتے کہا تھا۔ ”عالم! تم جانتے ہوئے تمہارے باپ اور میرے چچا کی حرکت کہ بعد بھی میں نے تمہاری عزت و وقار میں کمی نہیں آنے دی۔ تم اس خاندان کہ خون ہو، چشم و چراغ ہو، تمہیں وہی مقام و مرتبہ آج تک دیا گیا جس کہ تم حقدار رہے ہو۔ ورنہ تمہارے ماں باپ نے تو۔۔۔۔۔!“ ”دلاور شاہ کہ جہاں ماتھے پہ بل پڑے تھے، وہیں اس نے غصہ سے رخ بھی پھیر لیا تھا۔“ ”اڈا سائیں! میرے ماں باپ اور ان کہ ماضی پہ بات نہیں ہوگی۔ اس کا فیصلہ اس وقت ہو گیا تھا جب میں نے آپ کا فیصلہ تسلیم کر کہ حویلی آنا شروع کیا تھا۔“ ”عالم نے شدت برداشت سے مٹھیاں بھیجنے لی تھیں۔ وہ لحاظ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، مناسب الفاظ کا چناؤ کر رہا تھا۔

ورنہ ویسے تو اس کہ ماں باپ کہ بارے میں کوئی ایک لفظ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔“ ”تم نے حویلی چھوڑ کر شہر میں رہنا چاہا، میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم نے اپنی گدی، خاندانی وقار کولات ماری، میں نے تمہیں تب بھی منع نہیں کیا۔ لیکن اب تمہیں میری ایک بات ماننا ہوگی۔“ ”دلاور شاہ کبھی بھی بات کرنے سے پہلے تمہید نہیں باندھتے تھے۔ عالم کہ ذہن میں خطرے کا الارم بجنا شروع ہو چکا تھا۔“ ”اڈا سائیں! اس لڑکی کو جانے

Posted On Kitab Nagri

دیں۔ ”ویڈیو والی لڑکی عالم کہ ذہن کو بھٹکا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ مشکل میں ہے۔ ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں تھا، یہ اس کہ ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ اور ایک نہتی عورت، مشکل میں ہو اور عالم اطمینان سے چائے حلق سے اتارے یہ اس کہ بس میں نہیں تھا۔ (یہ الگ بات تھی کہ عالم اس “نہتی عورت” سے واقف نہیں تھا۔ جس نے طرح طرح کہ کھانے منگوا منگوا کر اپنے ارد گرد موجود گارڈز کہ ناک میں دم کر رکھا

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

جہاں لڑکی چلتی بنے۔ ”وہ وہیں کھڑی نہیں رہی تھی، بلکہ باہر کہ دروازے سے ڈر کہ مارے چپک کر کھڑی زیتون کو کھینچ کر خوش بخت خاتون کہ سامنے لائی تھی۔ زیتون کہ مارے ڈر کہ گھگھکی بندھی ہوئی تھی۔“

”زیتون! زرشہ کہاں ہے؟“ خوش بخت خاتون نے ازلی رعب دار لہجہ سے سوال کیا تھا۔ جواباً زیتون نے زرشہ کہ فیل ہونے سے لیکر بڑی گاڑی میں بیٹھنے تک کی ساری داستاں طوطے کی طرح فر فر سنادی تھی۔ ”وہ یہ سب کرتی رہی اور تم نے اسے روکا تک نہیں۔۔۔ کیسی دوست ہو تم؟ دفعہ ہو جاؤ دونوں اب یہاں سے۔۔۔!!!“

خوش بخت خاتون نے بمشکل اپنے ہاتھ کو اٹھنے سے روکا تھا۔ اگر ان کی اپنی سیٹیاں ہوتیں تو مار مار کر بھر کس نکال دیتیں۔ زیتون نہ فقط خود وہاں سے دم دبا کہ بھاگی، بلکہ بھاگتے ہوئے حوریہ کو بھی کھینچ کر لے گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہاں مزید کوئی بد مزگی پیدا ہو۔ ”آنے دو اس بد بخت کو، آتے ہی دو بول پڑھو اگر رخصت نہ کیا نا، تو میرا نام خوش بخت نہیں۔“ خوش بخت خاتون نے صرف دھمکی ہی نہیں دی تھی، بلکہ رشتہ کروانے والی پروین کا نمبر بھی ملا کیا تھا: ”پروین! وہ کیا ہے نا کہ کل رات میری طبیعت بہت بگڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر ز کہ مطابق دل کا دورہ پڑا ہے۔ ابھی بھی ہسپتال سے بات کر رہی ہوں۔ مجھے بہت ڈر لگ گیا ہے پروین۔ میرے علاوہ میری بچیوں کا کوئی نہیں ہے۔ تو جانتی ہی مینا کارشتہ تو ماموں زاد سے طے ہے، زرشہ کی جہاں تو نے بات چلائی ہے، مجھے بن دیکھے ہی قبول ہے۔ بس تم انھیں نکاح کہ لیے رضامند کرو، اور انھیں کہو میری بچی کو بیاہ کر لے جائیں۔“ خوش بخت خاتون نے زرشہ کی ماں ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ ان کہ لہجہ دو ٹوک تھا۔ مینا بھی ماں سے کلام کرنے کی جرأت نہیں کر پائی تھی۔

Posted On Kitab Nagri

“میں نے تمہارا اور پاکیزہ کا نکاح کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔” دلاور شاہ کہ الفاظ کہ بازگشت ہنوز عالم شاہ کہ کانوں میں گونج کر دل و دماغ کو چھلنی کر رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ پہ، زرد پڑتا چہرہ لیکر بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔ اگر دلاور شاہ کی جگہ اگر آج کوئی اور ہوتا تو اب تک وہ اپنے ریوالور میں موجود ساری گولیاں اس کہ سینے میں اتار چکا ہوتا۔ “تم جانتے ہو مجھے اپنی بات دہرانے کی عادت نہیں ہے۔” دلاور شاہ اپنے روایتی انداز میں ہاتھ پیچھے باندھے عالم کہ سامنے چکر لگاتے ہوئے بول رہے تھے۔ اب ہاتھوں میں سگار بھی آگیا تھا۔ یہ بات کہتے ہوئے ان کہ لہجہ میں بھی ہلکی سی کمپا ہٹ آئی تھی۔ لیکن انھوں نے کمال مہارت سے اس پر قابو پایا تھا۔ مگر مد مقابل عالم تھا۔ جو سیکنڈ کہ ہزارویں حصہ میں لہجہ پڑھ لیا کرتا تھا۔ “اڈا سائیں! میرے دل میں آپ کا احترام، آپ سے مخفی نہیں ہے۔” وہ دھیرے دھیرے گویا ہوا تھا۔ “مجھے اُس آزمائش کی بھینٹ مت چڑھائیں، جس پر میں پورا نہ اتر سکوں۔” عالم نے اتنا ہی کہا تھا اور باہر جانے کہ لیے قدم بڑھا دیے۔ اس سے پہلے کہ دلاور شاہ اسے کچھ کہتے، زرشہ کی پہرہ داری پہ معمور گارڈ ہانپتا کا نپتا اجازت لیکر پہنچا تھا۔ “سائیں سرکار، سائیں سرکار! میرے ماں باپ آپ پر قربان! سائیں! وہ وہ وہ۔۔۔ چھوری۔۔۔!!!” وہ گھبرا یا ہوا لگتا تھا۔ “بک بھی دو اب!” دلاور شاہ جو پہلے ہی پل صراط پہ جھول رہے تھے، غصہ سے آگ بگولا ہوتے اس پر برس پڑے۔ “سرکار! سرکار! وہ شمشیر اس چھوری کہ ساتھ۔۔۔ کچھ غلط۔۔۔ میرا مطلب ہے چھوری کا کہنا ہے کہ وہ آپ سے ملکر ہماری شکایت لگائے بنا یہاں سے نہیں جانے والی۔۔۔ تو شمشیر غصہ میں آکر اس کہ ساتھ۔۔۔ وہی جو پہلے ایک چھوری کہ ساتھ۔۔۔!!!” گارڈ ہکلاتا ہوا کبھی عالم کی پشت پہ دیکھتا تو کبھی دلاور کہ چہرہ کہ بگڑتے اتار چڑھاؤ کی جانب۔ وہ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ آیا اتنی نازک بات عالم شاہ کہ سامنے کرنا چاہیے بھی یا نہیں؟ “دفعان ہو یہاں سے! اور شمشیر کو کرنے دو جو کرتا ہے۔۔۔!!!” “سائیں سرکار نے ہاتھ کہ اشارہ سے گارڈ کو دفعان ہونے کا کہا تھا۔ جبکہ ساری گفتگو سننے کہ بعد

Posted On Kitab Nagri

عالم کہ باہر کی جانب تیزی سے اٹھتے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ اس کا وجود اب ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اسے یاد تھا شمشیر نے آج سے کئی سال پہلے بھی ایسی حرکت کی تھی۔ اسی لڑکی نے نہر میں کود کر جان دے دی تھی۔ تب عالم بیرون ملک تھا، اسے افسوس تھا کہ گروہ ملک میں ہوتا تو شاید اس معصوم عورت کے ساتھ وہ سب نہ ہوتا جس کی وہ مستحق نہیں تھی۔ لیکن اب تو وہ وہیں پہنچا تھا، اس کے سامنے سب ہوا تھا۔ ”اڈا سائیں! شمشیر کو روکیں۔“ عالم اپنے پاؤں پہ الٹا گھوم کر دلاور شاہ کے مد مقابل آیا تھا۔ دلاور شاہ خواتین کے لیے اس کے دل میں موجود درد اور عزت سے ناواقف نہیں تھے۔ خواتین کے لیے اس کے دل میں موجود نرم گوشہ کو، وہ فقط عالم شاہ ہی نہیں، بلکہ ہر مضبوط مرد کی کمزوری سمجھتے تھے۔ ایسا وہ سوچتے تھے۔۔۔!!!!!!“ پاکیزہ سے آج رات کو ہی تمہارا نکاح ہے۔“ دلاور شاہ اب اپنی چھڑی اٹھا کر، جسے وہ چلنے میں سہارا کے لیے نہیں، بلکہ غضب کی علامت کے طور پر ساتھ رکھتے تھے، وہاں سے جانے کے لیے مڑنے لگے۔“ اس خاتون کو جانے دیں۔“ عالم ہنوز اپنی بات پر قائم تھا۔ اس نے دلاور شاہ کو انکار نہیں کیا تھا، اس میں انکار کی جرأت ہی نہیں تھی۔ دلاور شاہ یہ جانتے تھے۔ تبھی انھیں اپنی جیت کا یقین سا ہو چلا تھا۔ وہ زیر لب مسکرا رہے تھے۔“ تم نکاح کے لیے تیار۔۔۔!!!!!!“ ابھی بات دلاور شاہ کے منہ میں ہی تھی کہ عالم نے ہاتھ اٹھا کر انھیں مزید بات کرنے سے روکا تھا۔“ پاکیزہ آپ ہیں میری۔ اور۔۔۔ بس۔۔۔!!!!!!“ عالم کا یہ روپ دلاور شاہ کے لیے بھی نیا تھا۔ انھوں نے اُس کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ اب وہ ننھنھا عالم شاہ نہیں تھا۔ وہ اب گھبر و جوان عالم شاہ بن چکا تھا۔ تین تین انڈسٹریز کا مالک، ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ اس نے آج تک دلاور شاہ سے ایک روپے کی مدد نہیں مانگی تھی۔ وہ آج جس مقام پر بھی تھا، اپنے بل بوتے پر تھا۔ دلاور شاہ جو خوش ہو رہے تھے کہ عالم نے انھیں ابھی تک انکار نہیں کیا تھا، وہ یہ بھول چکے تھے کہ عالم نے انھیں اقرار بھی تو نہیں کیا تھا۔۔۔!!!!!!“ پاکیزہ کو برین ٹیو مر ہے۔“ دلاور شاہ کے کندھے

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

ہوئے آخری حربہ آزمایا تھا۔ عالم کو اتنی تکلیف نکاح والی بات نے نہیں دی تھی، جتنی دلاور شاہ کی سودہ بازی نے دی تھی۔ وہ لٹا گھوما تھا۔ دلاور شاہ نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی ان کہ لیے ایک نہ سلجھنے والی پسلی تھا۔ آج بھی عالم ویسا ہی تھا، گھمبیر اور گہرا! اس کی مٹھیاں شدت سے بھینچی ہوئی تھیں۔ آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ اور چہرہ، اس کا چہرہ کی دوسرے رنگ دکھا رہا تھا۔ جن سے دلاور شاہ بھی ”ناواقف“ تھا۔

”سائیں! بھائیوں میں سیاست لا کر اچھا نہیں کیا آپ نے۔۔۔!!!“ ”عالم نے تھکے ہارے جواری کی مانند، جو اپنا سب کچھ آخری سودے میں ہار گیا ہو۔ جس کی سارے جمع پونجی غارت گئی ہو، بے بسی سے کہا تھا۔“ پاکیزہ اپنا آخری وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔“ دلاور شاہ نے میان کا آخری تیر بھی چلا ڈالا تھا۔“ آخری“ کہتے ہو دلاور شاہ کا لہجہ کانپا تھا۔“ چلو کچھ تو انسانیت باقی ہے۔“ ”عالم نے سوچا تھا۔“ وہ خاتون۔۔۔!!!!“ ”عالم نے دلاور کو یاد دلایا تھا۔“ شمشیر خاتون کو جانے دو۔“ دلاور نے فوراً ہی موبائل پہ کال ملائی تھی۔ شمشیر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن، دلاور نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ اب عالم کی جانب دیکھ رہے تھے۔ یوں جیسے کہہ رہے ہوں کہ“ میں نے اپنا سودہ مکمل کیا، اب تمہاری باری ہے۔“ ”وہ نگاہوں سے جتا رہے تھے۔“ سائیں! پاکیزہ آ۔۔۔(خود کو بمشکل آپی کہنے سے روکا) کی خواہش میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ میں خاتون کو گھر پہنچا کہ واپس آؤں گا۔“ ”عالم دلاور کو سنا کر رکنا نہیں تھا، تیز تیز قدموں سے وہاں سے پلٹ گیا تھا۔ اس کہ جانے کہ بعد دلاور شاہ پہ ادراک ہوا تھا کہ عالم نے اب انھیں“ ادا“ نہیں کہا تھا۔ وہ“ ادا“ کہلانے کا حق کھو چکے تھے۔

-----پروین، اپنے ہمراہ ایک نابینا خاتون کو لیے، خوش بخت کہ گھر براجمان تھیں۔

خوش بخت نے انھیں بتایا تھا کہ زرشہ پار لرتک گئی ہے۔ وہ کیا ہے اگلے دن نکاح رکھا گیا، اتنی جلدی میں تو اس

نے سوچا کہ کچھ تیاری ہی کر لی جائے۔ خوش بخت اب چادر سینے تک لپیٹے، بستر میں لیٹ کر کراہتے ہوئے

Posted On Kitab Nagri

حقیقت مہمان خواتین کہ گو شکرزار کر رہی تھیں۔ انھوں نے بیماری کا بہانہ کیا تھا تو اسے حقیقت کا رنگ بھی تو دینا تھا۔ آخر کو تھیں تو وہ زرشہ ہی کی اماں ہی نا۔۔۔!!!!!!“ بہن میرا اس بھرے جہاں میں اپنے بیٹے“ جہان ” کہ علاوہ کوئی نہیں ہے۔ میرا بیٹا دبئی تھا۔ حال ہی میں لوٹا ہے۔ بہت بڑی کمپنی میں کام کرتا ہے۔ جلد ہی ہم اپنا گھر بھی لے رہے ہیں۔ اس کہ بابا تو اس کہ بچپن میں انتقال کر گئے۔ میں جب پچھلے محلے میں رہتی تھی تو میرے کچن میں گھر پھٹنے کا حادثہ پیش آیا تھا۔ کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ کر میری آنکھوں میں پیوست ہو گیا تھا۔ جسکی وجہ سے میری بینائی چلی گئی، مگر صد شکر کہ اللہ رب العزت نے جان بچالی۔ بیٹا میرا نماز کا پابند ہے۔ مجھ پہ جان نچھاور کرتا ہے۔ آپ کی بیٹی کو بھی بہت خوش رکھے گا۔ اور ہمیں ایک سوئی بھی آپ کہ گھر سے جہیز کی نہیں چاہیے۔ ہم جہیز کہ خلاف ہیں۔ بس دو کپڑوں میں میری بیٹی میرے حوالے کر دیں۔ ”مہمان خاتون بہت دھیمابولتی تھیں۔ وہ بہت لوش گفتار اور ملنسار معلوم ہو رہی تھیں۔ انھوں نے پہلی ملاقات ہی میں خوش بخت کہ دل میں گھر کر لیا تھا۔“ پھر آپ بتائیے، نکاح کہ لیے کونسا دن موزوں ہے؟ ”خوش بخت نے خاتون سے سوال کیا تھا۔ وہ خود تو چاہتی تھیں کہ جلد از جلد زرشہ گھر پہنچے اور اپنے گھر کی ہو جائے۔ محلے میں بات پھیلنے سے پہلے ہی اگر زرشہ کا نکاح ہو جاتا تو ان کی عزت بچ سکتی تھی۔ اور خاتون یہاں سے مسکن بدلنے کا بھی ذکر کر رہی تھیں، یہ بات بھی ان کہ فائدے ہی کی تھی۔ نہ زرشہ یہاں رہتی، نہ بات اس کہ سسرال والوں کہ کانوں تک پہنچتی۔ شام ڈھل چکی تھی۔ زرشہ غائب تھی۔ زرشہ کی اماں کا دل ہول رہا تھا۔“ ٹھیک ہے خوش بخت پھر، یہ اپنے بیٹے سے نکاح کا دن معلوم کر کہ آپ کو مطلع کریں گی۔ ”پروین نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔“ کوشش کرنا کہ ذرا جلدی ہو جائے، میری طبیعت کا تو تمہیں۔۔۔!!!!!! ” زرشہ کی اماں نے کھانستے بات ادھوری چھوڑی تھی۔“ فکر مت کریں بہن، آپ کی بیٹی اب میری ہے۔ اور میں اپنی بیٹی کو جلد از جلد یہاں سے لے جاؤں گی۔ ”خاتون نے

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

ایسا وہ سوچ رہی تھی۔ اور شاید یہ سچ بھی تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں اگر یہ پوچھوں کہ تم کیسے مجھے لینے پہنچ گئے، کیوں مجھے وہاں سے گھر لا رہے ہو، تو ظاہر ہے تم سو جھوٹ بولنے کی کوشش کرو گے۔ لیکن اتنا تو مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم بری طرح میرے پیار میں پاگل ہو چکے ہو۔۔۔ لیکن وہ کیا ہے ناکہ میں، آجکل ”ظاہر سے پیار کرتی ہوں۔ تو تمہارا کوئی چانس نہیں ہے۔۔۔!!!“ زر شہ اب اتر رہی تھی۔ اسے بے اختیار اپنے حسن پہ فخر محسوس ہوا تھا۔ “تھینک یو اللہ جی! مجھے اتنا حسین بنانے کے لیے۔۔۔!!!“ اس نے تشکر سے سوچا تھا۔ “آگے بتا دیجیے راستہ پلیز” عالم مین روڈ سے اتر رہا تھا۔ اس نے زر شہ کی باتوں کو سرے سے نظر انداز کیا تھا، یا اس وقت اس کا دھیان کہیں اور ہی بھٹک رہا تھا۔ زر شہ اب سمٹ کر بیٹھی اسے گاؤں پر گریہ کر رہی تھی۔ پہلے والی بے اعتنائی پھر سے غالب آگئی تھی۔ عالم نے قصداً زر شہ کو دور اتارا تھا۔ اس وقت گوکہ اندھیرا تھا، اور کوئی کُزی روح موجود نہیں تھا، پھر بھی عالم چانس نہیں لینا چاہتا تھا۔ جب تک زر شہ نگاہوں سے او جھل نہیں ہو گئی، وہ وہیں رہا۔ اسے بار بار اماں کی کالز آرہی تھیں۔ ایک آدھ بار اس نے اٹھائی بھی، لیکن شاید وہ اس کے پریشان تھیں تبھی بار بار رابطہ کر رہی تھیں: “بیٹا! کب آئے گا۔ تیرا کام ختم ہوا کہ نہیں۔ جلد گھر آ جانا، بہت اہم بات کرنا ہے میں نے تم سے۔” اماں نے عالم کی کال اٹھاتے ہی اپنی سنائی تھی۔ “جو حکم!” عالم نے اتنا ہی کہا تھا اور کال کاٹ دی۔ اسے اپنے وعدہ کے مطابق اب واپس حویلی پہنچنا تھا۔ جس خاتون کو اس نے ابھی ڈراپ کیا تھا شاید وہ جانتی بھی نہیں تھی کہ عالم شاہ نے اس کی عزت کے لیے کتنا بڑا سودا مول لیا ہے۔۔۔!!! وہ چاہتا بھی نہیں تھا کہ وہ جانے۔ اس کی جگہ کوئی بھی خاتون ہوتی تو وہ یہی کرتا۔ یہی اس کی کمزوری تھی۔ یا شاید طاقت تھی!

Posted On Kitab Nagri

عالم شاہ وعدہ کہ مطابق حویلی موجود تھا۔ اُدھر اس کی توقعات کہ عین مطابق دلاور شاہ نے ایک گھنٹے کہ اندر ہی رات میں دن کا سماں باندھ دیا تھا۔ مولوی صاحب کہ علاوہ گواہان بھی موجود تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے عالم کا ہی انتظار ہو رہا ہے۔ عالم نے مردانہ بیٹھک میں قدم رکھا ہی تھا کہ دلاور شاہ نے اسے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں بعد ہی عالم مولوی صاحب کہ دائیں جانب براجمان ان کہ منہ سے ادا ہونے والے تکلیف دہ الفاظ پہ سر تسلیم خم کرنے کی ہمت مجتمع کر رہا تھا۔ ”عالم شاہ ولد شہباز شاہ کیا آپ کو پاکیزہ شاہ ولد شمشیر شاہ سے بعوض ایک کروڑ روپے، سکہ رائج الوقت، نکاح قبول ہے۔“ عالم شاہ خیالات کی رو میں بہتا ہوا، اپنے بچپن میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں وہ پاکیزہ آپ کی گود میں سر رکھے اپنی پسندیدہ کہانی سن رہا تھا۔ ”عالم شاہ ولد شہباز شاہ کیا آپ کو پاکیزہ شاہ ولد شمشیر شاہ سے بعوض ایک کروڑ روپے، سکہ رائج الوقت، نکاح قبول ہے۔“ اب وہ امرود کہ باغ میں، امرود کہ ایک درخت پہ چڑھا ہوا تھا، اور امرود توڑ توڑ کر نیچے کھڑی پاکیزہ آپ کی جانب اچھال رہا تھا۔ ”عالم شاہ ولد شہباز شاہ کیا آپ کو پاکیزہ شاہ ولد شمشیر شاہ سے بعوض ایک کروڑ روپے، سکہ رائج الوقت، نکاح قبول ہے۔“ اب کی بار مولوی صاحب نے گلا کھنکار کر قدرے اونچا کہا تھا۔ جہاں دلاور شاہ نے پہلو بدلا تھا، وہیں گواہان بھی سیدھے ہو کر بیٹھ چکے تھے۔ عالم شاہ یونہی خیالات کی رو میں بہتا چلا جاتا مگر مولوی صاحب اس کو کندھے سے تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے، حقیقی دنیا میں واپس نہ پہنچاتے۔ ”ہاں! قبول ہے۔“ اس نے چونکتے ہی تین الفاظ ادا کیے تھے۔ جنہیں ادا کرتے ہوئے، اس کا وجود ناقابلِ بیاں ازیت سے دوچار ہوا تھا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جسمانی تکلیف، ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ وہ عالم شاہ کی موجودہ حالت دیکھتے تو شاید اپنا نظریہ بدل لیتے کہ کبھی کبھی موت کی حدوں کو چھوتی ذہنی ازیت بھی جان لیوا ہو جاتی ہے۔ ”ہاں! قبول ہے۔“ قبول ہے۔ ”اب کی بار اس نے وقفہ نہیں دیا تھا۔ یوں جیسے سر پر سے نادیدہ بوجھ اتار پھینکا تھا۔ ایجاب و قبول کہ بعد مبارکباد کا سلسلہ شروع تو

Posted On Kitab Nagri

اس کا اختتام رات کہ کھانے پر ہوا۔ عالم بظاہر وہیں موجود ہوتے ہوئے بھی شاید وہاں نہیں تھا۔ جب گواہان رخصت ہوئے، تو دلاور شاہ کی بیوی، پاکیزہ کو لیکر حاضر ہوئی۔ ان کہ ساتھ پاکیزہ کی ذاتی ملازمتیں بھی تھیں۔ پاکیزہ نے ہمیشہ کی طرح سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ میک اپ بہت ہلکا تھا۔ زیور کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ سفید دوپٹے کہ نیچے سفید حجاب تھا۔ سفید دوپٹے کا گھونگھٹ سا نکلا ہوا تھا۔ یوں کہ چہرہ نیم واضح تھا۔ پاؤں میں سفید کھسہ تھا۔ روئی کی گالوں کی مانند نرم و نازک ہاتھ، ہر قسم کہ حجاب سے بے نیاز دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔ عالم کی نگاہ بے اختیار ان ہاتھوں پہ جا ٹھہری تھی۔ ان ہاتھوں سے اس نے کھانا بھی تو کھایا تھا۔ لیکن پھر چند ناخوش گوار واقعات کی بنا پر اس نے حویلی سے سارے ناتے توڑ لیے تھے۔ اور پھر جب دوبارہ حویلی میں آنا جانا شروع ہوا تو، پاکیزہ نے شرعی حجاب شروع کر دیا تھا۔ وہ کسی نامحرم سے ملنا تو دور، بات تک نہیں کرتی تھیں۔ دلاور شاہ کی بیوی نورین شاہ نے گلا کھنکارا تھا۔ عالم جب خیالات کی دنیا سے واپس لوٹا تھا، تو پاکیزہ اپنے بھائی دلاور کہ ساتھ صوفہ پہ براجمان تھیں۔ نورین نے اسے اشارہ کیا تھا کہ وہ بھی پاکیزہ کہ ساتھ صوفہ پہ بیٹھے۔ عالم سر ہلاتا ہوا، روبروٹ کی مانند پاکیزہ کہ پہلو میں جا بیٹھا۔ دلاور شاہ قصدِ آنکھیں چرا رہے تھے۔ “میں چاہ رہا تھا، تم لوگ کچھ دنوں کہ لیے ملک سے باہر کہیں چلے۔۔۔۔۔” دلاور شاہ نے سگار ہونٹوں سے لگاتے ماحول کو ہلکا کرنے کہ لیے بات شروع کرنا چاہی ہی تھی کہ: “مجھے ابھی جانا ہو گا۔ ضروری کام ہے۔ ایک دو دن تک آ جاؤں گا۔” عالم نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ دلاور شاہ بھی اس کہ ساتھ ہی اٹھ گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتے، عالم نے ہاتھ اٹھا درشتی سے انھیں کچھ کہنے سے روکتے ہوئے رخ پاکیزہ کی جانب کیا تھا۔ “پاکیزہ آپ پ میرے ساتھ آئیں۔ مجھے بات کرنا ہے۔” عالم کا انداز دو ٹوک تھا۔ یوں جیسے کہہ رہا ہو کہ آئندہ، میرے معاملات میں دخل اندازی مت کرنا۔ پاکیزہ سر ہلاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ نورین نے آگے بڑھ کر انھیں تھامنا

Posted On Kitab Nagri

چاہا تھا، لیکن عالم نے آگے بڑھ کر نہ فقط ہاتھ کہ اشارہ سے انھیں روکا، بلکہ پاکیزہ کہ سامنے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ پاکیزہ نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کہ بعد عالم کا بڑھا ہوا مضبوط ہاتھ تھام لیا تھا۔ ان کہ ہاتھ کی کپکپاہٹ اور گھبراہٹ سے آنے والا پسینہ عالم نے واضح طور محسوس کیا تھا۔ وہ اب پاکیزہ کو تھام کہ ان کہ کمرہ تک لے آیا تھا۔ اس نے دروازہ آگے بڑھ کر کھولا اور خود ایک طرف ہو گیا۔ پاکیزہ جوں ہی اندر داخل ہوئیں، وہ بھی ان کہ پیچھے اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ پاکیزہ کہ بیڈ پہ بیٹھنے کہ بعد وہ قدم قدم اٹھاتا آگے بڑھا تھا۔ پہلے بے مقصد چکر کاٹتا رہا پھر، بیڈ پہ آکر بیٹھ گیا۔ پاکیزہ سمٹ کر پیچھے ہوئی تھیں۔ “جن حالات میں یہ سب ہوا، میں اس پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ آپ پہلے بھی میرے لیے محترم تھیں، اب بھی ہیں۔ اور ہمیشہ رہیں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کی بدولت اللہ نے مجھے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ پوری کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ میں یہی چاہوں گا کہ ہمارا رشتہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدیجہ ت الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مضبوط ہو۔ آپ سے فقط تعاون کی درخواست ہے۔” عالم کہ لہجہ میں جہاں بھر کی تھکاوٹ رقم تھی۔ وہ بہت دھیرے بول رہا تھا۔ پاکیزہ نے اب گٹھنے سینے سے لگا کر ہاتھ، ان کہ گرد مضبوطی سے باندھ لیے تھے۔ عالم کا رخ دیوار کی جانب تھا۔ وہ دیوار کی مانند مضبوط ثابت ہو رہا تھا۔ “مم میری بیماری۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے میرے پاس وقت کم ہے۔۔۔!!!” پاکیزہ نے لرزتے لہجہ سے کہنا شروع کیا تھا۔ “وقت ہم سب کہ پاس کم ہے۔۔۔!!!” عالم تڑپ کر مڑا تھا۔ اس کا رخ اب پاکیزہ کی جانب تھا۔ لہجہ ہنوز مضبوط تھا۔ “میں جانے سے پہلے چند یادیں، باتیں، اثاثے اور وعدے کسی کہ سپرد کرنا چاہتی تھی۔ اور تم۔۔۔ آپ سے بڑھکر کوئی رازداں، کوئی دوست، کوئی مددگار میسر ہو ہی نہیں سکتا تھا مجھے۔” پاکیزہ یوں گفتگو کر رہی تھی، جیسے کوئی شخص شہر چھوڑنے سے پہلے اپنے معاملات نیٹا رہا ہو۔ عالم کا قلعہ کی مانند مضبوط وجود اب کمزور پڑ رہا تھا۔ پاکیزہ کی باتیں اس کا سینہ چھلنی کر رہی

Posted On Kitab Nagri

تھیں۔“ آپ ہر معاملہ میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گی۔ ”عالم نے بات نپٹانا چاہی تھی۔ وہ جان چکا تھا کہ پاکیزہ کہ دل و دماغ میں کچھ اہم چل رہا ہے۔ کچھ تھا جو وہ جلد از جلد عالم کہ سپرد کرنا چاہتی تھیں۔ کوئی معاملہ یا معاملات جواب تک عالم سے مخفی تھے۔“ میں عشاء ادا کر لوں۔ آپ آرام کریں۔ ”عالم نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ پاکیزہ کو خود کو سمیٹنے کا وقت دینا چاہتا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ گیلی آستینوں کہ ساتھ قبلہ رخ جائے نماز بچھاتا ہوا موجود تھا۔ پاکیزہ نے اب کی بار نگاہوں کا حجاب اٹھا دیا تھا۔ عالم کی ان کی جانب پشت تھی۔ عالم کی سیاہ چادر بیڈ پہ پڑی تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح سفید لٹھے کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ جس کی آستینیں اوپر کو موڑ رکھی تھیں۔ اس نے پائچے ٹخنوں سے بلند کیے، اور قدرے بلند آواز میں، ”اللہ اکبر“ کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک بلند کیے۔ پاکیزہ عالم کی پشت دیکھ رہی تھیں۔ دل و دماغ وہ ماہ سال گردش کر رہے تھے۔ جب وہ عالم کی ماں، بڑی بہن اور آپا بن کر اس کا خیال رکھتی تھیں۔ اور آج وہی عالم شاہ ان کا مجازی خدا بنے ان کہ سامنے تھا۔ عالم کو انھوں نے یوں اپنے سامنے کئی سالوں بعد دیکھا تھا۔ اپنے محرم کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئیں۔ وہ یک ٹک اس کی پشت گھور رہی تھیں۔ عالم نے دعا کہ لیے ہاتھ بلند لیے۔ مختصر دعا مانگی۔ جائے نماز تہہ کر کہ جوں ہی پیچھے مڑا تو پاکیزہ کو خود کو گھورتا ہوا پایا۔ ان کا چہرہ گھونگھٹ سے عاری تھا۔ چہرہ تھا یا نور کا کوئی حالہ! عالم نے جو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ اتنی نورانیت، اتنا سکون، اتنی دلکشی، اتنا ٹھہراؤ! وہ دم بخود سا پاکیزہ کو گھور رہا تھا۔ پاکیزہ کہ لیے اس کہ دل میں موجود عزت و احترام سو گنا بڑھا تھا۔“ لوگ ٹھیک کہتے ہیں، یہ واقعی“ اللہ والی ”ہیں۔“ عالم نے سوچا تھا۔ ادھر پاکیزہ یوں سٹیٹائی کہ بے اختیار نگاہیں جھکا لیں۔ عالم نے بھی نگاہوں کا رخ موڑا۔“ کل آپ کو ڈاکٹر کہ پاس لے کر جانا ہے، تیار رہیے گا۔ آپ کو اگر ملک سے باہر بھی لیجانا پڑا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔“ عالم پھر سے پرانی والی جگہ براجمان تھا۔ آستینیں ہنوز چڑھا رکھی تھیں۔“ عالم! میں اپنا وقت ڈاکٹر ز کہ چکر میں برباد نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے بہت سے

Posted On Kitab Nagri

ادھورے کام مکمل کرنے ہیں۔ بہت سے وعدے نبھانے ہیں۔ بس تم۔۔۔ آپ پ میرا ساتھ دو تاکہ میں لوگوں کو انصاف دلا سکوں۔ ”پاکیزہ کا سانس پھول رہا تھا۔ نجانے کب سے دل میں دبی ہوئی خواہشات زباں پہ آئی تھیں۔“ اتنا تو میں جان گیا ہوں کہ آپ نے کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنا ہے۔ آپ کہ وعدے نبھانا میری ذمہ داری ہے۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا، آپ جانتی ہیں۔“ عالم نے پاکیزہ کا ہاتھ تھام کر مدد کی پھر سے یقین دہانی کرائی تھی۔ وہ پاکیزہ کو پرسکون کرنا چاہتا تھا۔ وہ تھکی تھکی لگتی تھیں۔“ آپ اب آرام کریں گی۔ میں اب شہر کہ لیے نکلوں گا۔ کل شام تک واپس آؤں گا۔ پھر آپ کہ ادھورے کام مکمل کریں گے۔“ عالم نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اب اپنی سیاہ چادر کندھوں پہ ڈال رہا تھا۔ پاکیزہ نے اسے دیکھا تو دیکھتی رہ گئیں۔ نجانے یہ نکاح کہ مبارک بندھن کا اثر تھا یا عالم کی وجاہت کا، پاکیزہ کی نگاہیں عالم کہ چہرے کا طواف کرنے سے باز نہیں آرہی تھیں۔ وہ نیند اور تکلیف سے بوجھل سیاہ آنکھیں لیے عالم کو ہی دیکھ رہی تھیں جب وہ ان کہ قریب آیا تھا۔ اس نے پاکیزہ کو کندھوں سے پکڑ کر لٹایا تھا۔ چادر سے ان کہ وجود کو ڈھانپا تھا۔ پاکیزہ کی آنکھیں اب بند ہو رہی تھیں۔ آخری منظر جو ان کی نگاہوں نے قید کیا تھا وہ یہ تھا کہ عالم شاہ ان کہ اوپر جھکا تھا۔ اس نے ان کی پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔ اور پھر سیدھا ہو گیا تھا۔ پاکیزہ کی پلکوں کی کھڑی کہ بند ہوتے ہی، عالم نے پاکیزہ کی رپورٹس اٹھائی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ پاکیزہ کسی ڈاکٹر کہ پاس نہیں جائیں گی۔ ان کی رپورٹس تو جاسکتی تھیں نا۔ عالم کی زندگی کا مقصد اب پاکیزہ کی صحت تھا۔ پاکیزہ پہلے بھی اس کہ اہم تھیں، اب تو روزِ محشر اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اُس سے پاکیزہ کہ بارے میں سوال کرنے والا تھا۔ اور عالم شاہ اپنے رب کہ سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا!

----- زرشہ کو دروازہ بجانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ دروازہ کھلا تھا۔

اسے حیرت تو ہوئی کہ رات کہ اس وقت تک ان کہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا کیوں ہے؟ لیکن وہ کندھے اچکاتے اندر

Posted On Kitab Nagri

داخل ہوئی۔ ماں کی ممکنہ مار کا سوچ کر ہی اس کا دل مانوں اچھل کر حلق میں آنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ بھی کمال ڈھٹائی سے اپنے تاثرات پس پشت ڈال کر شان سے اتراتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی، یوں جیسے کوئی بڑا معرکہ سر کر کہ آئی ہو۔“ آپ پ پ پ ی ی ی“ اسے دیکھتے ہی باورچی خانے کہ فرش پہ جائے نماز بچھائے دعائیں مشغول زربینہ نے چیخ حلق میں دبائی تھی۔ وہ دوڑ کر اس کہ گلے لگی تھی۔ زرشہ کو پہلے اسکی حرکت پہ حیرت ہوئی تھی، پھر غصہ آیا تھا۔“ کیا ہے بھی! ایک تو بھوک لگی ہے اوپر سے تم۔۔۔“ زرشہ نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔“ شش شش شش، خدا کا واسطہ ہے چپ ہو جائیے۔ بڑی مشکل سے اماں کو دوائی دیکر سلا یا ہے۔ اگر جاگ گئیں تو آپ جانتی ہیں آپ کہ ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔“ مینا نے زرشہ کہ دل میں چھپ کر سوئے خدشہ کو ہوا دی تھی۔“ اوہ اچھا! کر لو بات! اتنی بڑی مصیبت سے جان چھڑا کر میں آئی ہوں۔ نجانے کتنی بسیں بدل کر یہاں پہنچی ہوں، اور خفا بھی اماں ہوں گی مجھے، واہ بھی عجیب انصاف ہے۔“ زرشہ قصد آنگاہیں چرارھی تھی۔“ آپ! جھوٹ بولنے کی کوشش بھی مت کرنا، کیونکہ زیتون نے حوریہ کو اور حوریہ نے اماں کو سب بتا دیا ہے۔“ مینا نے جیسے بات ختم کی تھی۔ زرشہ اس اچانک حملہ کہ ہر گز تیار نہیں تھی۔“ کھانا دو۔ اماں سوئی ہوئی ہیں تو میری اماں نہ بنو۔“ اس نے کمال مہارت سے پینتر ابد لا تھا۔ اسکا رخ اب واشروم کی جانب تھا۔ وہ جلد از جلد یونیفارم سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ کپڑے بدل کر وہ باورچی خانے میں پہنچی تو مینا کھانا سامنے رکھے اس کی منتظر تھی۔“ آپ! آپ ٹھیک ہیں نا۔ میرا مطلب ہے آپ کہ ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہونا نا۔ میرا مطلب ہے آپ کیسے، مطلب کیوں، کہاں گئی تھیں؟“ مینا پھر سے روہانسی ہو چکی تھی۔ اور اس کی بات سنتے ہی زرشہ کہ دل و دماغ میں وہ عجیب بد صورت حلیہ والا آدمی گھوم گیا تھا۔ جو زرشہ کی جانب عجیب انداز میں پیش قدمی کرتے ہوئے بڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں زرشہ کو بہت کچھ سمجھا گئی تھیں۔ جسے سمجھتے ہی اسے پہلی بار اپنا آپ غیر محفوظ لگا تھا۔ اسے احساس ہوا

Posted On Kitab Nagri

تھا کہ وہ کتنی بڑی مصیبت میں پھنس سکتی ہے۔ اسے پہلی بار خدا یاد آیا تھا، اور اس شدت سے یاد آیا تھا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اور دل، دل مارے ڈر اور غم کہ پھٹ جانا چاہتا تھا۔ “خبردار! جو ایک قدم بھی میری جانب بڑھایا تو گھٹیا، بیخ انسان۔ سائیں سرکار سے تمہاری شکایت کروں گی تو تمہارے بوٹی بوٹی علیحدہ کر دیں گے۔” اسے یاد آ رہا تھا کیسے وہ کرسی پہ مزید سمٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ “تم۔۔ تم سب۔۔ کیا گھر میں عورتیں نہیں ہیں؟ تم لوگوں کی غیرت نہیں جاگ رہی؟ کیسے مرد ہو تم سب؟” زرشہ اب باقی گارڈز پہ چیخ رہی تھی۔ جن میں سے ایک وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ جبکہ باقی شمشیر کہ بڑھتے قدموں کی راہ میں حائل ہونے کی ہمت مجتمع کر رہے تھے۔ شمشیر پہ گویا جنوں کا بھوت سوار تھا۔ وہ اب گارڈز سے الجھ رہا تھا۔ زرشہ کا دل پھٹ جانے کو چاہا تھا۔ اتنی بے بس تو وہ پوری زندگی میں نہیں ہوئی تھی، جتنی آج تھی۔ کاش اس کہ بابا زندہ ہوتے۔ تو اس کی فیس بھر دیتے اور وہ آج یہاں۔۔۔۔۔۔ اسے بے اختیار بابا یاد آئے تھے۔ اور سب کو رعب میں رکھنی والی زرشہ کہ گال بھگیتے چلے جا رہے تھے۔ گارڈز ہنوز شمشیر کی راہ میں رکاوٹ بنے اس سے الجھ رہے تھے۔ وہ گھٹیا ہو سکتے تھے لیکن اتنے نہیں کہ کسی عورت کہ عزت کی پامالی کہ چشم دید گواہ بنتے۔ زرشہ نے آنکھیں موندے اللہ کو پھر سے پکارا تھا۔ شمشیر گارڈز کو دھکے دیتا ہوا اب زرشہ تک پہنچ چکا تھا۔ وہ اس پر جھکنا چاہتا تھا جب اس کا موبائل بج اٹھا۔ موبائل کی دوسری جانب موجود فرد نے نجانے اسے کیا کہا تھا کہ شمشیر اگر مگر کرتارہ گیا اور کال کاٹ دی گئی تھی۔ وہ غصے سے پھرا ہوا تھا۔ زرشہ کی آنکھوں میں اپنی لال انگارہ آنکھوں سے جھانکتے ہوئے وہ اسے کھا جانا چاہتا تھا۔ لیکن نجانے کس نے اس کہ پاؤں میں قفل ڈال دیے تھے۔ وہ اب پیچھے ہٹنے لگا تھا اور پیچھے ہٹتے ہوئے، وہ باہر نکل گیا تھا۔ گارڈز بھی اپنی جگہ واپس پہنچ گئے تھے۔ زرشہ کرسی پہ بیٹھے بیٹھے گہرے سانس خارج کر رہی تھی۔ جب ایک گارڈ نے آکر اسے بلایا تھا کہ اسے یہاں سے آزاد کر کہ گھر پہنچایا جائے گا۔ اب کی بار اس نے ضد

Posted On Kitab Nagri

نہیں لگائی تھی۔ ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ بلکہ گارڈ کہ پیچھے چلتے ہوئے گاڑی تک پہنچی تھی!“ آپی آپی! کہاں کھو گئی ہیں آپ؟“ مینا کہ ہلانے پر وہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس واقعہ نے زرشہ کہ دل و دماغ پہ گہرا اثر ڈالا تھا۔

”کک کک کہیں نہیں۔“ بمشکل اس کہ منہ سے برآمد ہوا تھا۔“ یہ کیا ٹھنڈا کھانا لا کر رکھ دیا ہے میرے منہ کہ آگے۔“ پہلاناوالہ توڑتے ہی زرشہ نے پلیٹ میں پٹختا تھا۔ وہ اپنے حواسوں کو بحال کر رہی تھی۔ خود پہ خول چڑھانے کی جستجو میں لگتی تھی۔“ مم میں گرم کرتی ہوں۔“ مینا نے زرشہ کہ ممکنہ رد عمل سے بچنے کہ لیے اس کہ منہ کہ سامنے سے کھانا اٹھالیا تھا۔ وہ اتنا تو سمجھ گئی تھی کہ زرشہ بدلی بدلی لگ رہی ہے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی زرشہ نے ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان شخص کو دیکھا تو اپنے ساتھ وقوع پذیر ہوئے حالیہ واقعہ کو پس پشت ڈال کر اس کہ پیچھے پڑ گئی۔ وہ دانستہ اس کہ سامنے اپنی حالت کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے شمشیر کہ بارے میں بتادے؟ یا نہ بتائے؟ کون تھا یہ؟ کیا رشتہ تھا اس کا ان گارڈز کہ ساتھ؟ اور یہ کیوں چھوڑنے جا رہا ہے مجھے؟ ایسے بہت سے سوالات زرشہ کا منہ چڑھا رہے تھے۔ جو بھی تھا، وہ ایک بڑے حملے سے تو بچی تھی نا، اس کہ لیے فی الوقت یہی کافی تھا۔ کچھ اکڑ، اور کچھ سامنے والی کی سنجیدگی دیکھ کر اس نے زباں کو بریک لگانا مناسب سمجھا تھا۔ اور وہ خود کو، ”مزدور عورت“ بھی تو ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ حتی المقدور خود کو نارمل ظاہر کر رہی تھی۔ لیکن نجانے کیوں اس شخص کہ ساتھ بیٹھتے ہی اسے ایک تحفظ کا احساس ہوا تھا۔ یہ آدمی برا نہیں تھا۔ یا اسے برا نہیں لگا تھا۔“ آپی اب کھالیں۔“ مینا نے کھانا اس کہ سامنے رکھتے ہوئے اسے جھنجھوڑا تھا۔“ آپی! اماں نے آپ کا نکاح طے کر دیا ہے۔“ زرشہ نے بمشکل دو تین لقمے ہی لیے تھے کہ مینا کی بات سن کر اسے بری طرح اچھو کا لگا۔“ آآ آ پ پی پانی!“ بھاڑ میں جائے پانی۔“ زرشہ نے گلاس کو مینا کہ ہاتھ سے لیکر زمیں پہ پٹختا، اس کہ ٹوٹنے کی آواز نے گھر میں کہرام مچا دیا۔ یہی کہرام زرشہ کی اماں کو جگانے کا سبب بن گیا!

Posted On Kitab Nagri

محرم۔ عشق

#قسط۔ ششم (6) از

سندس عثمان خان

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔)

“اماں، اماں” کہاں ہیں آپ؟ ”عالم نے گھر میں قدم رکھتے ہیں اماں کو صدائیں دینا شروع کر دی تھیں۔“ کتنی بار تمہیں کال ملائی ساتھ والی حادیہ بیٹی نے۔ نجانے کہاں رہ گئے تھے تم؟ کہا بھی ہے اگر تم رابطہ نہ کرو تو مجھے پریشانی لاحق ہو جاتی ہے، اور تم ہو کہ تمہیں پرواہ ہی نہیں۔ اندھی ہی ہوئی ہوں نا کوئی مر تو نہیں گئی جو تم مجھے اس طرح نظر انداز کرو۔ ”اماں اب ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ سخت غصے میں لگتی تھیں۔ عالم اب اماں کو کیسے بتاتا کہ وہ کہاں رہ گیا تھا؟ عالم نے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے واحد دوست اور رازدار شیر کو یہاں آنے کا پیغام دے دیا تھا۔ وہ اسے ساری صورتحال سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک وہی تھا جو عالم کی زندگی کی بیشتر حقیقتوں سے آگاہ تھا۔ اسے بھی عالم کی زندگی میں ایک حد تک مداخلت کی اجازت تھی۔“ اماں بس ہو گئی غلطی۔ میں کام میں پھنس گیا تھا۔ ”عالم نے اماں کو ٹالنا چاہا تھا۔ وہ صوفہ پہ براجمان تھا۔ جبکہ اماں کا رخ اب باورچی خانے کی جانب تھا۔“ اچھا، دال چاول بنائے تھے، میں لاتی ہوں۔ ”اماں کا انداز بدل گیا تھا۔“ کتنی بار کہا ہے کہ مت کیا کریں تردد۔ پھر بھی آپ باز نہیں آتی۔ ”عالم پریشانی کہ عالم میں گویا ہوا تھا۔“ ارے بیٹا!

Posted On Kitab Nagri

کونسا میں خود کچھ کرتی ہوں۔ تم مجھے کرنے کہاں دیتے ہو کچھ؟ یہ تو وہ حادیہ بیچاری کرتی ہے سب کام۔ بڑی پیاری بچی ہے۔ سارا دن میری ساتھ گزارتی ہے۔ ”اماں اب حادیہ کہ شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔“ اس کہ شوہر کو دفتر میں نوکری جو دی ہے۔ بدلے میں اتنا ہی اس سے چاہا ہے کہ آپ کہ ساتھ رہا کرے۔“ عالم زیر لب بڑبڑایا تھا۔ کچھ ہی وقت بعد شیرورات والے حلیہ میں موجود تھا۔ عالم نے اسے اشارہ سے بیٹھک میں بیٹھنے کہ لیے کہا۔ اور خود باورچی خانے میں آگیا۔ ”اماں میں کھا لیتا ہوں۔ آپ اب آرام کریں۔“ عالم نے اماں کو شانوں سے تھام کر باورچی سے باہر لاتے ہوئے کہا تھا۔ ”تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ نا۔ مجھے اہم بات بھی کرنا ہے تم سے۔“ اماں تو جیسے اسی موقع کی طاق میں تھیں۔ ”آپ اپنے کمرے میں جائیں، میرا دوست بیٹھک میں انتظار کر رہا ہے۔ ہم کھانا کھاتے ہیں، پھر میں ملتا ہوں آپ کو۔“ عالم اب اماں کو لیکر ان کہ بستر تک آیا تھا۔ ”جہاں! جب سے تُو دبئی سے لوٹا ہے نا بہت بدل گیا ہے۔“ اماں نے بستر پہ بیٹھتے ہی گلہ کیا تھا۔ یہی گلہ وہ دن میں دس بار دہراتی تھیں۔ عالم انھیں چھوڑ کر کھانے کی ٹرے اٹھائے بیٹھک میں موجود تھا۔ ”واہ واہ واہ! عالم انڈسٹریز کا مالک! عالم شاہ! بکلم خود، مجھ نا چیز کہ لیے کھانے کی ٹرے کہ ساتھ حاضر ہوا ہے۔ کوئی مجھے چٹکی کاٹو یار، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟“ شیرونے لبوں پہ زباں پھیرتے ہوئے، عالم کا خوب مذاق اڑایا تھا۔ اس نے ہر دور میں عالم کا ساتھ دیا تھا، اتنا حق تو اس کا بنتا ہی تھا۔ اور عالم نے اسے اتنی اجازت تو دے ہی رکھی تھی۔ ”کھا اور بات سن میری۔“ عالم نے ٹرے اس کہ سامنے موجود میز پہ رکھی تھی۔ ”بول! اب کیا مصیبت آگئی ہے؟“ شیرواب پلیٹ میں چاول ڈال رہا تھا۔ وہ عالم کی بات سنکر خاصہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ عالم نے اگر اسے رات کہ اس پہر یہاں بلوایا تھا، تو کچھ تو گر بڑ ضرور تھی۔ ”میں نے پاکیزہ آپ۔۔۔ میرا مطلب ہے پاکیزہ شاہ سے نکاح کر لیا ہے۔“ عالم نے بمشکل خود کو آپی کہنے سے روکا تھا۔ ”کک کک کیا۔۔۔؟؟؟؟؟؟“ تیز تیز کھانا

Posted On Kitab Nagri

کھاتے شیر و کو بری طرح اچھو کا لگا تھا۔“ کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ جیسے سوالات نہ پوچھنا، اور نہ میں ان کہ جوابات دینے کہ موڈ میں ہوں۔ ”عالم نے بات ہی ختم کر دی تھی۔“ اب نکاح کر ہی لیا تھا تو یہاں کیا کر رہے ہو؟”

“اپنی بیوی کہ پاس جاؤ۔” شیر و نے اسے آنکھ ماری تھی۔ اس کا مقصد ماحول کہ تناؤ کو کم کرنا تھا۔“ بکو اس بند کر۔“ عالم کابس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی چیز اٹھا کر شیر و کہ سر پہ دے مارے۔“ اماں نے کبھی مجھے اس طرح بار بار کالز کر کہ نہیں بلوایا۔ ضرور کوئی اہم بات ہوگی۔“ عالم نے اب اگلی پریشانی شیر و کہ گوش گزار کی تھی۔ جو ہنوز دال چاول کہ ساتھ انصاف فرما رہا تھا۔“ یار وہ بار بار کہتی ہیں کہ تم دبئی سے آنے کہ بعد بدل گئے ہو۔ میں یہ سوچ کر بھی ڈر جاتا ہوں کہ اگر انھیں پتہ چل گیا کہ میں ان کا بیٹا جہاں نہیں ہوں، بلکہ جہاں بننے کا ڈرامہ کر رہا ہوں تو کیا ہوگا؟“ عالم نے شدید تشویش کہ عالم میں اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا۔-----گلاس ٹوٹنے کی آواز نے پورے گھر کو ایک لمحہ کی لیے سر پہ اٹھا لیا تھا۔ اگلے ہی لمحے خوش بخت بیگم ہاتھ میں جو تا پکڑے باورچی خانے میں موجود تھیں۔“ مجھے یقین تھا یہ تباہی تیرے علاوہ کوئی اور لا ہی نہیں سکتا۔ آگئی منہ پہ کالک تھوپ کہ۔۔۔!!!“ خوش بخت کا جوتی والا ہاتھ اب زرشہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور فقط ہاتھ بڑھا ہی نہیں تھا، بلکہ ہاتھ نے کمال کرتب بھی دکھائے تھے۔ خوش بخت خاتون زرشہ کا حلیہ بگاڑنے کا مسمم ارادہ باندھ چکی تھیں۔ تبھی زرشہ کی چیخیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔“ تم ماں ہو یا دشمن؟ بیٹی سے پوچھو تو سہی کہ وہ کن حالات سے گزر کر آئی ہے؟“ مینا نے بمشکل بیچ بچاؤ کر لیا تھا۔ زرشہ مینا کی اوٹ میں کھڑی ہو کر ماں سے مقابلہ کر رہی تھی۔“ ادھر دفعتان ہو بے غیرت! مجھے تو تجھے اپنی بیٹی کہتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے۔“ وہ بھی زرشہ کی اماں تھیں۔ ان کہ غضب کی پھنکار نے مینا کو بھی راستے سے ہٹنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اب پھر سے زرشہ ماں کی طوفانی جوتی کی زد میں تھی۔“ ہاں ہاں مارو مجھے، مارو۔ یہی قصور ہے میرا کہ یتیم ہوں میں۔ آج اگر بازندہ ہوتے تو اماں

Posted On Kitab Nagri

تمھاری ہمت نہ ہوتی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی۔ ”زرشہ نے مسکینی کا کارڈ کھیلا تھا۔ یہ آخری حربہ تھا۔ اس کی ماں اس پہ پگھل جایا کرتی تھی۔ زرشہ کو بھی یہی امید تھی۔ “شکر کروا با نہیں ہیں تمھارے۔ ورنہ وہ تو جیتے جی مر جاتے۔” زرشہ کی اماں پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ زرشہ پھر سے جوتی کی زد میں آچکی تھی۔ اب حالت یہ تھی کہ زرشہ کی اماں نے زرشہ کو بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ اور زرشہ گول گول گھومے جارہی تھی، ساتھ ہی کمر پہ جوتیاں بھی کھا رہی تھی۔ اماں بھی اس کہ ساتھ گھومتی چلی جارہی تھیں۔ “اچھا نا اماں! اب معاف کر دے۔ دیکھ اگر تو اسی طرح مارتی رہی تو پھر میں اپنے نکاح والے دن بیٹھ بھی نہیں پاؤں گی۔” زرشہ نے آخر ہار مانی تھی۔ اماں نے نکاح کا سنتے ہی اس کا بازو چھوڑا تھا۔ زرشہ اس کہ لیے تیار نہیں تھی، تو بازو چھڑاتے ہی گھومی اور زمیں پہ جا گری۔ مینا کا تو اسے دیکھ کہ اب ہنس ہنس کہہ رہا تھا۔ اماں کا موڈ بھی خاصا بدل چکا تھا۔ غصہ جو اتار لیا تھا۔ “اماں! نکاح نہ کرنا میرا۔ دیکھ میری ابھی عمر ہی کیا ہے؟ اور مجھے پڑھنا بھی ہے ابھی آگے۔” زرشہ زمیں پہ بیٹھے بیٹھے ہی ماں سے منت سماجت کر رہی تھی۔ اماں کہ بدلتے تاثرات نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ “میرا فیصلہ اٹل ہے۔ نکاح تو تیرا جہاں سے ہی ہوگا۔” خوش بخت بیگم نے دو ٹوک فیصلہ سنایا تھا۔ “اور جو تمھاری پڑھائی میں دلچسپی ہے نا، میں اچھے سے جانتی ہوں۔ اگر اتنی ہی دلچسپی ہوتی تو نہ فیل ہوتی، اور نہ ہی بڑے لوگوں کی گاڑیوں کہ آگے لیٹنا پڑتا تجھے۔ اب میرے کمرے میں آ کہ مر، اور تفصیل بتا، کہاں گئی تھی؟ اور کیوں گئی تھی؟ واپس کیسے آئی تو؟ وہ بھی اس وقت؟” خوش بخت بیگم نے ایک ہی سانس میں سینکڑوں سوالات گنوا دیے تھے۔ زرشہ پہلے ہی ان سوالات کہ لیے تیار تھی۔ وہ کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ “مینا! چائے بنا کہ اماں کہ کمرہ میں لے آؤ۔ اماں نے اب سونے تو دینا نہیں ہے جب تک پوری بات معلوم نہ کر لیں۔” زرشہ کا انداز تحکمانہ تھا۔ اُدھر حوریہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں تھیں۔ اس نے اپنے ایک کزن کو زرشہ کی پہرہ داری کہ لیے چھوڑ رکھا

Posted On Kitab Nagri

تھا۔ جوں ہی زرشہ رات کو واپس گھر پلٹی، اس کہ کزن عادل نے چھپ کر زرشہ کی متعدد تصاویر اتار لیں۔ اور حوریہ کی ہدایات کہ مطابق اسے بھیج دیں۔ حوریہ کا مقصد زرشہ کو پورے محلے میں بدنام کرنا تھا۔ اور تصاویر حاصل کرنے کے بعد، وہ تقریباً پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔-----“یار نہ جہان دبئی میں خود کشی کرتا، اور نہ آج تو یہاں ہوتا۔ پتہ نہیں اماں نے اسے کیا کھلا کہ بڑا کیا تھا، کہ اتنے چھوٹے دل کا مالک تھا۔ لڑکی نے بے وفائی کیا کی، اس نے اپنی جان ہی لے لی۔” شیر وچاولوں سے مکمل انصاف فرمانے کے بعد ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ماضی میں چلا گیا تھا۔ (جہان عالم کہ دفتر میں کام کرتا تھا۔ بہت محنتی لڑکا تھا۔ اسے آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کا جنون تھا۔ وہ یتیم تھا۔ ماں نے مشکلات سے اسے پڑھا لکھا کہ نو کری کہ قابل کیا تھا۔ عالم ویسے بھی ایسے ملازمین کہ ساتھ نہ فقط تعاون کرتا تھا بلکہ آگے بڑھنے کے مواقع بھی فراہم کرتا تھا۔ عالم نے ہی اسے دفتر کہ کام کہ سلسلہ میں دبئی بھیجا تھا۔ جہان کو شوق بھی بہت تھا۔ لہذا وہ خوشی خوشی رخصت ہو گیا۔ جہان کی غیر موجودگی میں ہی اس کی ماں کہ ساتھ بھیانک حادثہ پیش آیا تھا، جس میں وہ اپنی بینائی سے محروم ہو گئیں۔

جہان تب آنچاہتا تھا لیکن کسی وجہ سے اسے سیڈنہ مل سکی۔ اسے وہاں کام کرتے ہوئے ایک لڑکی سے محبت ہو چکی تھی۔ لڑکی شاید جہان سے محبت کا نائک کر رہی تھی۔ جہان اس کہ ساتھ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ اس نے لڑکی کو شادی کے لیے پروپوز بھی کیا۔ جہان کہ ساتھ عالم کہ دفتر کا ایک لڑکا، ریحان بھی تھا۔ دو دن بعد ممکنہ طور پر جہان نے پاکستان آنا تھا۔ اس کی اماں کو اسی کا انتظار تھا۔ لیکن ایک دن پہلے ہی جہان کو اس لڑکی کی حقیقت پتہ چلی۔ وہ اس سے نہیں کسی اور سے نہ صرف محبت کرتی تھی بلکہ شادی بھی کرنے جا رہی تھی۔ جہان اچانک لا انتابڑادھوکا برداشت نہیں کر پایا۔ اور اسی رات اپنی نسین کاٹ کر خود کشی کر لی۔ صبح جب ریحان اسے جگانے کہ لیے گیا تو اسے مردہ پایا۔ وہی روز اس کی فلائیٹ کا بھی تھا، جب اس کی موت کی خبر سنائی گئی۔ عالم کہ لیے یہ خبر

Posted On Kitab Nagri

کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ جہان کا ماں کہ علاوہ کوئی نہیں تھا۔ عالم جہاں کی ڈیڈ باڈی پاکستان پہنچنے سے پہلے اس کی ماں سے خود ملنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ڈیڈ باڈی کو دور وزلگ سکتے تھے۔ وہ اور شیر وجب اس کہ گھر گئے تو اسکی ماں اس کہ استقبال کی تیاریاں کیے بیٹھی تھی۔)“ مجھے لگتا ہے ساری غلطی میری ہی ہے۔ نہ اس دن میں کمزور پڑتا اور نہ یہ سب ہوتا۔ ”عالم کو اب خود پہ غصہ آرہا تھا۔ (“آگیا میرا جہان! دیکھ تیری ماں اندھی ہو گئی ہے میرے بچے۔ میرے جینے کا واحد اور آخری سہارا ہے تو۔ شاید تیرے لیے ہی مجھے میرے اللہ نے نئی زندگی دی، ورنہ تو میں کب کی رخصت ہو چکی ہوتی۔ ”عالم نے گلا کھنکرا تھا، تاکہ بات کا آغاز کر سکے۔ لیکن جہان کی ماں نے اسے اپنا بیٹا سمجھا۔ اور راستہ ٹٹولتے اس کہ قریب گئیں اور اسے گلے سے لگالیا۔ وہ اسے دیوانہ وار چوم رہی تھیں۔ شیر اور عالم کہ لیے یہ صورتحال ناقابل بیان اور ناقابل برداشت تھی۔ وہ کیسے ایک ماں کو جس کہ جینے کی آخری امید اس کا بیٹا تھا، بتا سکتے تھے کہ اس نے، اپنی ماں کی پرواہ کیے بغیر ایک لڑکی کی خاطر خود کشی کر لی۔ وہ تو جیتے جی مر جاتی۔“ جہان! میری جان! تو کتنا بدل گیا ہے نا! سینہ کتنا چوڑا ہو گیا تیرا۔ کتنی اچھی خوشبو آرہی ہے میرے لال سے۔ میری ہی نظر تجھے نہ لگ جائے۔ ”جہان کی اماں عالم کو دیوانہ وار پیار کر رہی تھیں۔ اور عالم، جو طویل مدت تک ماں کہ لمس کو ترسا تھا، جس کہ لیے ماں کا موضوع ہمیشہ سے ہی تکلیف دہ رہا تھا۔ وہ عجیب حالت کا شکار ہو چکا تھا۔“ تو جانتا ہے، اگر آج بھی تُو نہ آتا تو میں تو شاید مر ہی جاتی۔ کیونکہ رات کو بہت بھیاں تک خواب دیکھا تھا میں نے۔ یوں جیسے تُو مجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ میں نے اللہ سے کہہ دیا کہ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں بھی خود کو موت کہ سپرد کرنے میں ایک ساعت کا انتظار نہیں کروں گی۔ ”عالم کہ دل و دماغ جہان کی اماں کی باتیں چھید کر رہی تھیں۔ شیر و نے آگے بڑھ کر، اماں کو حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا تھا، لیکن وہاں عالم کمزور پڑ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر شیر و کو کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا تھا۔“ اب باتیں ہی کرو گی یا کچھ کھلاؤ گی بھی۔ ”عالم

Posted On Kitab Nagri

نے آواز بدل کر کہا تھا۔ ”کک کک کیوں نہیں میری جان کہ ٹکڑے۔ سب کچھ تیار ہے۔ پر تیری آواز کیوں اتنی بدل گئی ہے۔ شاید وہاں کی خشک ہوا کا اثر ہے۔ تو ہاتھ منہ دھو میں کھانا لگاتی ہوں۔“ اماں اب چھڑی کہ سہارے راستہ ٹٹولتے ہوئے باورچی خانے کی جانب گامزن تھیں، جبکہ عالم اور شیر وہارے ہوئے جواری کی مانند وہیں بیٹھ گئے۔ عالم نے ریحان کو فون پہ فقط اتنا کہا تھا: ”ڈیڈ باڈی پاکستان مت لانا۔ وہیں جنازہ کر دو۔“ عالم کہ کرب کا اندازہ شیر و کر سکتا تھا۔ وہ عالم کہ ماضی سے آشنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عالم کیوں کمزور پڑ گیا ہے۔ شاید کوئی اور بھی عالم کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔ لیکن اب اس ڈرامے کو آگے لیکر بھی چلنا تھا، جو اپنے آپ میں ایک چیلنج تھا۔ عالم نے اماں کو بتایا تھا کہ اس کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔ لہذا وہ اب زیادہ وقت دفتر گزارے گا۔ اس نے پہلی فرصت میں گھر وہاں سے بدل لیا تھا۔ اماں کو نئے محلے میں، نئے گھر میں شفٹ کیا تھا۔ تاکہ کوئی بھی حقیقت نہ جان سکے۔ اس محلے میں کوئی بھی عالم سے آشنا نہیں تھا۔ عالم رات کہ اندھیرے میں گھر آتا اور صبح سویرے نکل جاتا۔ کئی دفعہ تورات میں بھی نہیں جاتا تھا۔ سب صحیح چل رہا تھا۔ اماں کو ایک دو دفعہ شک ہوا، لیکن عالم کمال مہارت سے سب ٹال گیا۔ ”مائیں کتنی معصوم ہوتی ہیں، عالم کو اندازہ ہوا تھا۔“ آج بھی عالم اور شیر و ماضی کو لیکر بیٹھ گئے تھے۔ جب اماں لاٹھی ٹیکتے بیٹھک میں داخل ہوئیں: ”تم لوگوں کی باتیں تو ختم ہی نہیں ہو رہیں۔ میں نے سوچا خود ہی یہاں آ جاؤں۔ بیٹا! میں نے تیرا رشتہ طے کر دیا ہے۔ تجھے تو کام سے فرصت ہی نہیں ہے، جو تو اپنے مستقبل کہ بارے میں سوچے۔ میں نے یہیں محلے میں ایک نہایت شریف گھرانے میں تیرا رشتہ جوڑا ہے۔ بیوہ عورت ہے بیچاری، دو بیٹیاں ہیں۔ بہت بیمار ہے۔ چاہتی ہے جلد از جلد بڑی بیٹی کا فرض ادا کر دے۔ بس میں نے بھی رشتہ پکا کر دیا۔“ اماں نے بات نہیں کی تھی گویا بم پھوڑا تھا۔ جہاں پانی پیتے شیر و کو اچھو کا لگا تھا وہیں عالم بھی چکراتے سر کو بمشکل ہاتھوں سے سہارا دینے کہ قابل ہوا تھا۔ ”اماں! میں نے شادی نہیں کرنی ابھی۔ جب

Posted On Kitab Nagri

کرنی ہوئی بتادوں گا۔ اور ضرورت کیا تھی مجھ سے پوچھے بغیر رشتہ جوڑنے کی؟ اس طرح کب نکاح ہوتے ہیں، نہ لڑکی دیکھی، نہ اسے ملا، بس نکاح ہو گیا۔ ”عالم کہ جو منہ میں آیا تھا وہ بولتا چلا گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے یہ نیکی کتنی بھاری پڑنے والی ہے۔ اسے آج اندازہ ہوا تھا۔“ بس! میں کہہ دیا سو کہہ دیا۔ بھی میں نے زباں دی ہے۔ میری بھی کوئی عزت ہے۔ کیا کہیں گے وہ لوگ کہ شریفاں زباں دیکر مکر گئی۔ اور کتنی کالیں کروائیں تھیں تجھے، مجال ہے جو ایک بھی اٹھائی ہو تو نے۔ یہی بتانے کہ لیے رابطہ کر رہی تھی۔ موئے دفتر سے نہ تیری جان چھوٹے نہ تو گھر پہ دھیان دے۔ ایک دل کرتا ہے تیرے دفتر آؤں اور تیرے مالک کو وہ سناؤں کہ یاد رکھے۔ جس نے تجھے اتنا مصروف کر دیا ہے۔ ”اماں کہ بھی جو منہ میں آ رہا تھا بولے چلی جا رہی تھیں۔“ مالک ”کاسن کر شیر و کوہنسی کا وہ دورہ پڑا کہ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ عالم کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ اس نے ہنوز سر ہاتھوں میں گرا رکھا تھا۔ ابھی وہ ایک نکاح کہ اثر سے باہر نہیں نکلا تھا ایک اور نکاح!“ میری بات لکھ لے، مجھے ہر صورت بہو چاہیے۔ خود تو سارا دن، باہر ہوتا ہے، میں بوڑھی اندھی عورت گھر میں پڑی رہتی ہوں۔ مجھے بھی اپنے پوتے پوتیاں دیکھنے ہیں۔“ اماں اب اٹھنے کو پر تول رہی تھیں۔ ”پوتے پوتیاں“ شیر و نے عالم کا اشارہ کیا تھا۔ عالم کا بس نہیں چل رہا تھا میز اٹھا کر اس کے سر پر الٹ دے۔ ”اگر تو نے نکاح نہ کیا تو میرا مرا منہ دیکھے گا۔ یاد رکھنا!“ اماں نے جاتے جاتے ایک اور دھماکا کیا تھا۔ جس پر عالم تو عالم شیر و بھی کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا تھا۔ ”واہ بھی! یہاں ہماری ایک نہیں ہو رہی اور آپ جناب کی دودو، وہ بھی اکھٹی۔ مزے کر گیا ہے بھی تو تو۔“ شیر و نے سگریٹ سلگاتے عالم کو مزید چھیڑا تھا۔ ”بکواس بند رکھ!“ عالم نے صوفہ پہ پڑا کیشن شیر و کہ منہ پہ دے مارنے والے انداز میں اسکی جانب اچھالا تھا۔

Posted On Kitab Nagri

“اماں، اماں” کہاں ہیں آپ؟ ”عالم نے گھر میں قدم رکھتے ہیں اماں کو صدائیں دینا شروع کر دی تھیں۔“ کتنی بار تمہیں کال ملائی ساتھ والی حادیہ بیٹی نے۔ نجانے کہاں رہ گئے تھے تم؟ کہا بھی ہے اگر تم رابطہ نہ کرو تو مجھے پریشانی لاحق ہو جاتی ہے، اور تم ہو کہ تمہیں پرواہ ہی نہیں۔ اندھی ہی ہوئی ہوں نا کوئی مر تو نہیں گئی جو تم مجھے اس طرح نظر انداز کرو۔ ”اماں اب ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ سخت غصے میں لگتی تھیں۔ عالم اب اماں کو کیسے بتاتا کہ وہ کہاں رہ گیا تھا؟ عالم نے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے واحد دوست اور رازدار شیر و کو یہاں آنے کا پیغام دے دیا تھا۔ وہ اسے ساری صورتحال سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک وہی تھا جو عالم کی زندگی کی بیشتر حقیقتوں سے آگاہ تھا۔ اسے بھی عالم کی زندگی میں ایک حد تک مداخلت کی اجازت تھی۔“ اماں بس ہو گئی غلطی۔ میں کام میں پھنس گیا تھا۔ ”عالم نے اماں کو ٹالنا چاہا تھا۔ وہ صوفہ پہ براجمان تھا۔ جبکہ اماں کا رخ اب باورچی خانے کی جانب تھا۔“ اچھا، دال چاول بنائے تھے، میں لاتی ہوں۔ ”اماں کا انداز بدل گیا تھا۔“ کتنی بار کہا ہے کہ مت کیا کریں تردد۔ پھر بھی آپ باز نہیں آتی۔ ”عالم پریشانی کہ عالم میں گویا ہوا تھا۔“ ارے بیٹا! کونسا میں خود کچھ کرتی ہوں۔ تم مجھے کرنے کہاں دیتے ہو کچھ؟ یہ تو وہ حادیہ بیچاری کرتی ہے سب کام۔ بڑی پیاری بچی ہے۔ سارا دن میری ساتھ گزارتی ہے۔ ”اماں اب حادیہ کے شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔“ اس کہ شوہر کو دفتر میں نوکری جو دی ہے۔ بدلے میں اتنا ہی اس سے چاہا ہے کہ آپ کہ ساتھ رہا کرے۔“ عالم زیر لب بڑبڑایا تھا۔ کچھ ہی وقت بعد شیر و رات والے حلیہ میں موجود تھا۔ عالم نے اسے اشارہ سے بیٹھک میں بیٹھنے کہ لیے کہا۔ اور خود باورچی خانے میں آگیا۔“ اماں میں کھا لیتا ہوں۔ آپ اب آرام کریں۔ ”عالم نے اماں کو

Posted On Kitab Nagri

شانوں سے تھام کر باورچی سے باہر لاتے ہوئے کہا تھا۔ ”تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھاؤنا۔ مجھے اہم بات بھی کرنا ہے تم سے۔“ اماں تو جیسے اسی موقع کی طاق میں تھیں۔ ”آپ اپنے کمرے میں جائیں، میرا دوست بیٹھک میں انتظار کر رہا ہے۔ ہم کھانا کھاتے ہیں، پھر میں ملتا ہوں آپ کو۔“ عالم اب اماں کو لیکر ان کے بستر تک آیا تھا۔

”جہاں! جب سے تُو دبئی سے لوٹا ہے نا بہت بدل گیا ہے۔“ اماں نے بستر پہ بیٹھتے ہی گلہ یہی گلہ وہ دن میں دس بار دہراتی تھیں۔ عالم انھیں چھوڑ کر کھانے کی ٹرے اٹھائے بیٹھک میں موجود تھا۔ ”واہ واہ واہ! عالم انڈسٹریز کا مالک! عالم شاہ! بکلم خود، مجھ ناچیز کے لیے کھانے کی ٹرے کے ساتھ حاضر ہوا ہے۔ کوئی مجھے چٹکی کاٹو یار، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟“ شیر و نے لبوں پہ زباں پھیرتے ہوئے، عالم کا خوب مذاق اڑایا تھا۔ اس نے ہر دور میں عالم کا ساتھ دیا تھا، اتنا حق تو اس کا بنتا ہی تھا۔ اور عالم نے اسے اتنی اجازت تو دے ہی رکھی تھی۔

”کھا اور بات سن میری۔“ عالم نے ٹرے اس کے سامنے موجود میز پہ رکھی تھی۔ ”بول! اب کیا مصیبت آگئی ہے؟“ شیر و اب پلیٹ میں چاول ڈال رہا تھا۔ وہ عالم کی بات سنکر خاصہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ عالم نے اگر اسے رات کہ اس پہر یہاں بلوایا تھا، تو کچھ تو گڑبڑ ضرور تھی۔ ”میں نے پاکیزہ آپ۔۔۔ میرا مطلب ہے پاکیزہ شاہ سے نکاح کر لیا ہے۔“ عالم نے بمشکل خود کو آپی کہنے سے روکا تھا۔ ”کک کک کیا۔۔۔؟؟؟؟؟؟“ تیز تیز کھانا کھاتے شیر و کو بری طرح اچھو کا لگا تھا۔ ”کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ جیسے سوالات نہ پوچھنا، اور نہ میں ان کے جوابات دینے کے موڈ میں ہوں۔“ عالم نے بات ہی ختم کر دی تھی۔ ”اب نکاح کر ہی لیا تھا تو یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔“ شیر و نے اسے آنکھ ماری تھی۔ اس کا مقصد ماحول کے تناؤ کو کم کرنا تھا۔ ”بکو اس بند کر۔“ عالم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی چیز اٹھا کر شیر و کے سر پہ دے مارے۔ ”اماں نے کبھی مجھے اس طرح بار بار کالز کر کے نہیں بلوایا۔ ضرور کوئی اہم بات ہوگی۔“ عالم نے اب اگلی پریشانی شیر و کے گوشگزار کی تھی۔ جو ہنوز دال

Posted On Kitab Nagri

چاول کہ ساتھ انصاف فرما رہا تھا۔“ یار وہ بار بار کہتی ہیں کہ تم دبئی سے آنے کہ بعد بدل گئے ہو۔ میں یہ سوچ کر بھی ڈر جاتا ہوں کہ اگر انھیں پتہ چل گیا کہ میں ان کا بیٹا جہاں نہیں ہوں، بلکہ جہاں بننے کا ڈرامہ کر رہا ہوں تو کیا ہوگا؟” عالم نے شدید تشویش کہ عالم میں اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا۔-----گلاس ٹوٹنے کی آواز نے پورے گھر کو ایک لمحہ کی لیے سر پہ اٹھا لیا تھا۔ اگلے ہی لمحے خوش بخت بیگم ہاتھ میں جو تا پکڑے باورچی خانے میں موجود تھیں۔“ مجھے یقین تھا یہ تبائی تیرے علاوہ کوئی اور لا ہی نہیں سکتا۔ آگنی منہ پہ کالک تھوپ کہ۔۔!!! ”خوش بخت کا جوتی والا ہاتھ اب زرشہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور فقط ہاتھ بڑھا ہی نہیں تھا، بلکہ ہاتھ نے کمال کرتب بھی دکھائے تھے۔ خوش بخت خاتون زرشہ کا حلیہ بگاڑنے کا مسموم ارادہ باندھ چکی تھیں۔ تبھی زرشہ کی چیخیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔“ تم ماں ہو یا دشمن؟ بیٹی سے پوچھو تو سہی کہ وہ کن حالات سے گزر کر آئی ہے؟ ”مینا نے بمشکل بیچ بچاؤ کرایا تھا۔ زرشہ مینا کی اوٹ میں کھڑی ہو کر ماں سے مقابلہ کر رہی تھی۔“ ادھر دفعان ہو بے غیرت! مجھے تو تجھے اپنی بیٹی کہتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے۔ ”وہ بھی زرشہ کی اماں تھیں۔ ان کہ غضب کی پھنکار نے مینا کو بھی راستے سے ہٹنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اب پھر سے زرشہ ماں کی طوفانی جوتی کی زد میں تھی۔“ ہاں ہاں مارو مجھے، مارو۔ یہی قصور ہے میرا کہ یتیم ہوں میں۔ آج اگر بازندہ ہوتے تو اماں تمھاری ہمت نہ ہوتی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی۔ ”زشہ نے مسکینی کا کارڈ کھیلا تھا۔ یہ آخری حربہ تھا۔ اس کی ماں اس پہ پگھل جایا کرتی تھی۔ زرشہ کو بھی یہی امید تھی۔“ شکر کرو ابابا نہیں ہیں تمھارے۔ ورنہ وہ تو جیتے جی مر جاتے۔ ”زشہ کی اماں پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ زرشہ پھر سے جوتی کی زد میں آپچی تھی۔ اب حالت یہ تھی کہ زرشہ کی اماں نے زرشہ کو بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ اور زرشہ گول گول گھومے جارہی تھی، ساتھ ہی کمر پہ جوتا بھی کھا رہی تھی۔ اماں بھی اس کہ ساتھ گھومتی چلی جا رہی تھیں۔“ اچھا نا اماں! اب معاف کردے۔ دیکھ اگر تو

Posted On Kitab Nagri

اسی طرح مارتی رہی تو پھر میں اپنے نکاح والے دن بیٹھ بھی نہیں پاؤں گی۔ ”زرشہ نے آخر ہار مانی تھی۔ اماں نے نکاح کا سنتے ہی اس کا بازو چھوڑا تھا۔ زرشہ اس کے لیے تیار نہیں تھی، تو بازو چھڑاتے ہی گھومی اور زمیں پہ جا گری۔ مینا کا توا سے دیکھ کہ اب ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ اماں کا موڈ بھی خاصاً بدل چکا تھا۔ غصہ جو اتار لیا تھا۔

”اماں! نکاح نہ کرنا میرا۔ دیکھ میری ابھی عمر ہی کیا ہے؟ اور مجھے پڑھنا بھی ہے ابھی آگے۔“ زرشہ زمیں پہ بیٹھے بیٹھے ہی ماں سے منت سماجت کر رہی تھی۔ اماں کہ بدلتے تاثرات نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ ”میرا فیصلہ اٹل ہے۔ نکاح تو تیرا جہاں سے ہی ہو گا۔“ خوش بخت بیگم نے دو ٹوک فیصلہ سنایا تھا۔ ”اور جو تمہاری پڑھائی میں دلچسپی ہے نا، میں اچھے سے جانتی ہوں۔ اگر اتنی ہی دلچسپی ہوتی تو نہ فیل ہوتی، اور نہ ہی بڑے لوگوں کی گاڑیوں کے آگے لیٹنا پڑتا تجھے۔ اب میرے کمرے میں آکہ مر، اور تفصیل بتا، کہاں گئی تھی؟ اور کیوں گئی تھی؟ واپس کیسے آئی تو؟ وہ بھی اس وقت؟“ خوش بخت بیگم نے ایک ہی سانس میں سینکڑوں سوالات گنوا دیے تھے۔ زرشہ پہلے ہی ان سوالات کے لیے تیار تھی۔ وہ کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”مینا! چائے بنا کہ اماں کے کمرہ میں لے آؤ۔ اماں نے اب سونے کو دینا نہیں ہے جب تک پوری بات معلوم نہ کر لیں۔“ زرشہ کا انداز تحکمانہ تھا۔ ادھر حور یہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں تھیں۔ اس نے اپنے ایک کزن کو زرشہ کی پہرہ داری کے لیے چھوڑ رکھا تھا۔ جوں ہی زرشہ رات کو واپس گھر پلیٹی، اس کے کزن عادل نے چھپ کر زرشہ کی متعدد تصاویر اتار لیں۔ اور حور یہ کی ہدایات کے مطابق اسے بھیج دیں۔ حور یہ کا مقصد زرشہ کو پورے محلے میں بدنام کرنا تھا۔ اور تصاویر حاصل کرنے کے بعد، وہ تقریباً پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ ----- ”یار نہ جہان دبئی میں خود کشی کرتا، اور نہ آج تو یہاں ہوتا۔ پتہ نہیں اماں نے اسے کیا کھلا کہ بڑا کیا تھا، کہ اتنے چھوٹے دل کا مالک تھا۔ لڑکی نے بے وفائی کیا کی، اس نے اپنی جان ہی لے لی۔“ شیر و چراولوں سے مکمل انصاف فرمانے کے بعد ڈٹشو

Posted On Kitab Nagri

سے ہاتھ صاف کرتے ماضی میں چلا گیا تھا۔ (جہان عالم کہ دفتر میں کام کرتا تھا۔ بہت محنتی لڑکا تھا۔ اسے آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کا جنون تھا۔ وہ یتیم تھا۔ ماں نے مشکلات سے اسے پڑھا لکھا کہ نوکری کہ قابل کیا تھا۔ عالم ویسے بھی ایسے ملازمین کہ ساتھ نہ فقط تعاون کرتا تھا بلکہ آگے بڑھنے کہ مواقع بھی فراہم کرتا تھا۔ عالم نے ہی اسے دفتر کہ کام کہ سلسلہ میں دبئی بھیجا تھا۔ جہان کو شوق بھی بہت تھا۔ لہذا وہ خوشی خوشی رخصت ہو گیا۔ جہان کی غیر موجودگی میں ہی اس کی ماں کہ ساتھ بھیانک حادثہ پیش آیا تھا، جس میں وہ اپنی بینائی سے محروم ہو گئیں۔ جہان تب آنا چاہتا تھا لیکن کسی وجہ سے اسے سیٹ نہ مل سکی۔ اسے وہاں کام کرتے ہوئے ایک لڑکی سے محبت ہو چکی تھی۔ لڑکی شاید جہان سے محبت کا ناک کر رہی تھی۔ جہان اس کہ ساتھ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ اس نے لڑکی کو شادی کہ لیے پروپوز بھی کیا۔ جہان کہ ساتھ عالم کہ دفتر کا ایک لڑکا، ریحان بھی تھا۔ دودن بعد ممکنہ طور پر جہان نے پاکستان آنا تھا۔ اس کی اماں کو اسی کا انتظار تھا۔ لیکن ایک دن پہلے ہی جہان کو اس لڑکی کی حقیقت پتہ چلی۔ وہ اس سے نہیں کسی اور سے نہ صرف محبت کرتی تھی بلکہ شادی بھی کرنے جا رہی تھی۔ جہان اچانک ملا اتنا بڑا دھوکا برداشت نہیں کر پایا۔ اور اسی رات اپنی نسیں کاٹ کر خودکشی کر لی۔ صبح جب ریحان اسے جگانے کہ لیے گیا تو اسے مردہ پایا۔ وہی روز اس کی فلائیٹ کا بھی تھا، جب اس کی موت کی خبر سنائی گئی۔ عالم کہ لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ جہان کا ماں کہ علاوہ کوئی نہیں تھا۔ عالم جہاں کی ڈیڈ باڈی پاکستان پہنچنے سے پہلے اس کی ماں سے خود ملنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ڈیڈ باڈی کو دور وزلگ سکتے تھے۔ وہ اور شیر و جب اس کہ گھر گئے تو اسکی ماں اس کہ استقبال کی تیاریاں کیے بیٹھی تھی۔)“ مجھے لگتا ہے ساری غلطی میری ہی ہے۔ نہ اس دن میں کمزور پڑتا اور نہ یہ سب ہوتا۔“ عالم کو اب خود پہ غصہ آرہا تھا۔“ آگیا میرا جہان! دیکھ تیری ماں اندھی ہو گئی ہے میرے بچے۔ میرے جینے کا واحد اور آخری سہارا ہے تو۔ شاید تیرے لیے ہی مجھے میرے اللہ نے نئی زندگی دی، ورنہ تو

Posted On Kitab Nagri

میں کب کی رخصت ہو چکی ہوتی۔ ”عالم نے گلا کھنکارا تھا، تاکہ بات کا آغاز کر سکے۔ لیکن جہان کی ماں نے اسے اپنا بیٹا سمجھا۔ اور راستہ ٹٹولتے اس کہ قریب گئیں اور اسے گلے سے لگالیا۔ وہ اسے دیوانہ وار چوم رہی تھیں۔ شیر و اور عالم کہ لیے یہ صورتحال ناقابل بیان اور ناقابل برداشت تھی۔ وہ کیسے ایک ماں کو جس کہ جینے کی آخری امید اس کا بیٹا تھا، بتا سکتے تھے کہ اس نے، اپنی ماں کی پرواہ کیے بغیر ایک لڑکی کی خاطر خودکشی کر لی۔ وہ تو جیتے جی مر جاتی۔“ جہان! میری جان! تو کتنا بدل گیا ہے نا! سینہ کتنا چوڑا ہو گیا تیرا۔ کتنی اچھی خوشبو آرہی ہے میرے لال سے۔ میری ہی نظر تجھے نہ لگ جائے۔ ”جہان کی اماں عالم کو دیوانہ وار پیار کر رہی تھیں۔ اور عالم، جو طویل مدت تک ماں کہ لمس کو ترسنا تھا، جس کہ لیے ماں کا موضوع ہمیشہ سے ہی تکلیف دہ رہا تھا۔ وہ عجیب حالت کا شکار ہو چکا تھا۔“ تو جانتا ہے، اگر آج بھی تُو نہ آتا تو میں تو شاید مر ہی جاتی۔ کیونکہ رات کو بہت بھیاںک خواب دیکھا تھا میں نے۔ یوں جیسے تُو مجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ میں نے اللہ سے کہہ دیا کہ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں بھی خود کو موت کہ سپرد کرنے میں ایک ساعت کا انتظار نہیں کروں گی۔ ”عالم کہ دل و دماغ جہان کی اماں کی باتیں چھید کر رہی تھیں۔ شیر و نے آگے بڑھ کر، اماں کو حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا تھا، لیکن وہاں عالم کمزور پڑ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر شیر و کو کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا تھا۔“ اب باتیں ہی کرو گی یا کچھ کھلاؤ گی بھی۔ ”عالم نے آواز بدل کر کہا تھا۔“ کک کک کیوں نہیں میری جان کہ ٹکڑے۔ سب کچھ تیار ہے۔ پر تیری آواز کیوں اتنی بدل گئی ہے۔ شاید وہاں کی خشک ہوا کا اثر ہے۔ تو ہاتھ منہ دھو میں کھانا لگاتی ہوں۔ ”اماں اب چھڑی کہ سہارے راستہ ٹٹولتے ہوئے باورچی خانے کی جانب گامزن تھیں، جبکہ عالم اور شیر و ہارے ہوئے جواری کی مانند وہیں بیٹھ گئے۔ عالم نے ریحان کو فون پہ فقط اتنا کہا تھا: ”ڈیڈ باڈی پاکستان مت لانا۔ وہیں جنازہ کر دو۔“ عالم کہ کرب کا اندازہ شیر و کر سکتا تھا۔ وہ عالم کہ ماضی سے آشنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عالم کیوں کمزور پڑ گیا ہے۔ شاید کوئی اور

Posted On Kitab Nagri

بھی عالم کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔ لیکن اب اس ڈرامے کو آگے لیکر بھی چلنا تھا، جو اپنے آپ میں ایک چیلنج تھا۔ عالم نے اماں کو بتایا تھا کہ اس کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔ لہذا وہ اب زیادہ وقت دفتر گزارے گا۔ اس نے پہلی فرصت میں گھر وہاں سے بدل لیا تھا۔ اماں کو نئے محلے میں، نئے گھر میں شفٹ کیا تھا۔ تاکہ کوئی بھی حقیقت نہ جان سکے۔ اس محلے میں کوئی بھی عالم سے آشنا نہیں تھا۔ عالم رات کہ اندھیرے میں گھر آتا اور صبح سویرے نکل جاتا۔ کئی دفعہ تو رات میں بھی نہیں جاتا تھا۔ سب صحیح چل رہا تھا۔ اماں کو ایک دو دفعہ شک ہوا، لیکن عالم کمال مہارت سے سب ٹال گیا۔ ”مائیں کتنی معصوم ہوتی ہیں، عالم کو اندازہ ہوا تھا۔“ ”آج بھی عالم اور شیر و ماضی کو لیکر بیٹھ گئے تھے۔ جب اماں لاٹھی ٹیکتے بیٹھک میں داخل ہوئیں:“ ”تم لوگوں کی باتیں تو ختم ہی نہیں ہو رہیں۔ میں نے سوچا خود ہی یہاں آ جاؤں۔ بیٹا! میں نے تیرا رشتہ طے کر دیا ہے۔ تجھے تو کام سے فرصت ہی نہیں ہے، جو تو اپنے مستقبل کہ بارے میں سوچے۔ میں نے یہیں محلے میں ایک نہایت شریف گھرانے میں تیرا رشتہ جوڑا ہے۔ بیوہ عورت ہے بیچاری، دو بیٹیاں ہیں۔ بہت بیمار ہے۔ چاہتی ہے جلد از جلد بڑی بیٹی کا فرض ادا کر دے۔ بس میں نے بھی رشتہ پکا کر دیا۔“ اماں نے بات نہیں کی تھی گویا بم پھوڑا تھا۔ جہاں پانی پیتے شیر و کو اچھو کا لگا تھا وہیں عالم بھی چکراتے سر کو بمشکل ہاتھوں سے سہارا دینے کہ قابل ہوا تھا۔ ”اماں! میں نے شادی نہیں کرنی ابھی۔ جب کرنی ہوئی بتا دوں گا۔ اور ضرورت کیا تھی مجھ سے پوچھے بغیر رشتہ جوڑنے کی؟ اس طرح کب نکاح ہوتے ہیں، نہ لڑکی دیکھی، نہ اسے ملا، بس نکاح ہو گیا۔“ ”عالم کہ جو منہ میں آیا تھا وہ بولتا چلا گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے یہ نیکی کتنی بھاری پڑنے والی ہے۔ اسے آج اندازہ ہوا تھا۔“ ”بس! میں کہہ دیا سو کہہ دیا۔ بھئی میں نے زباں دی ہے۔ میری بھی کوئی عزت ہے۔ کیا کہیں گے وہ لوگ کہ شریفاں زباں دیکر مکرہ گئی۔ اور کتنی کالیں کروائیں تھیں تجھے، مجال ہے جو ایک بھی اٹھائی ہو تو نے۔ یہی بتانے کہ لیے رابطہ کر رہی تھی۔ موئے دفتر سے نہ تیری جان

Posted On Kitab Nagri

چھوٹے نہ تو گھر پہ دھیان دے۔ ایک دل کرتا ہے تیرے دفتر آؤں اور تیرے مالک کو وہ سناؤں کہ یاد رکھے۔ جس نے تجھے اتنا مصروف کر دیا ہے۔ ”اماں کہ بھی جو منہ میں آ رہا تھا بولے چلی جا رہی تھیں۔“ مالک ”کاسن کر شیر و کو ہنسی کا وہ دورہ پڑا کہ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ عالم کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ اس نے ہنوز سر ہاتھوں میں گرا رکھا تھا۔ ابھی وہ ایک نکاح کہ اثر سے باہر نہیں نکلا تھا ایک اور نکاح!“ میری بات لکھ لے، مجھے ہر صورت بہو چاہیے۔ خود تو سارا دن، باہر ہوتا ہے، میں بوڑھی اندھی عورت گھر میں پڑی رہتی ہوں۔ مجھے بھی اپنے پوتے پوتیاں دیکھنے ہیں۔“ اماں اب اٹھنے کو پر تول رہی تھیں۔ ”پوتے پوتیاں“ شیر و نے عالم کا اشارہ کیا تھا۔ عالم کا بس نہیں چل رہا تھا میز اٹھا کر اس کہ سر پر الٹ دے۔“ اگر تو نے نکاح نہ کیا تو میرا مرا منہ دیکھے گا۔ یاد رکھنا!“ اماں نے جاتے جاتے ایک اور دھماکا کیا تھا۔ جس پر عالم تو عالم شیر و بھی کر نٹ کھا کر سیدھا ہوا تھا۔ ”واہ بھئی! یہاں ہماری ایک نہیں ہو رہی اور آپ جناب کی دودو، وہ بھی اکھٹی۔ مزے کر گیا ہے بھئی تو تو۔“ شیر و نے سگریٹ سلگاتے عالم کو مزید چھیڑا تھا۔ ”بکو اس بند رکھ!“ عالم نے صوفہ پہ پڑا کشن شیر و کہ منہ پہ دے مارنے والے انداز میں اسکی جانب اچھالا تھا۔

Kitab Nagri

www.kitabnagri.com

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

Posted On Kitab Nagri

www.kitabnagri.com آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، اسٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی ای میل کریں۔

samiyach02@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

samiyach02@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595



”بکواس بند کر اور کوئی حل سوچ؟“ ”عالم نے اب موڈ بدلا تھا۔“ ”اچھا جی! اب مار بھی ہم کھائیں، اور حل بھی ہم ہی بتائیں۔“ ”شیر نے عالم کی جانب سے پھینکے جانے والے کشن کو کیچ کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔“ ”اچھا، چل اب چائے پلا پھر بتاتا ہوں حل۔ کیا کروں اب تو یار ہے اپنا۔ اور ہم یاریاں پکی نبھاتے ہیں دوست!“ ”شیر نے جھٹ سے نئی فرمائش کر ڈالی تھی۔“ ”کیا ہے بھئی۔ پیٹ کہ علاوہ بھی کبھی بات کر لیا کرو۔“ ”عالم سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔“ ”اچھا یار، کیوں دل جلاتا ہے۔ چل ذرا، کوئی ڈھابہ ڈھونڈتے ہیں۔ گپ شپ بھی ہو جائے گی۔“ ”شیر واٹھنے

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

کی ماں۔ ”زرشہ نے ماں کہ قریب سے اٹھتے ہوئے آخری چوٹ لگائی تھی۔“ دفعہ ہو یہاں سے۔ ”زرشہ کی اماں نے جوتی اس کی جانب اچھالتے ہوئے غضبناک ہوتے ہوئے کہا تھا۔ زرشہ اب اچھلتی کودتی اپنے کمرے میں موجود تھی۔ مینا کو اسکی اماں نے پہلے ہی یہ کہہ کر بھگادیا تھا کہ ”تیری باتوں سے مینا پہ برا اثر پڑے گا۔“ لہذا وہ اب نیند کی وادیوں میں کھو چکی تھی۔ زرشہ اس پہ ان نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا فون تکیے کہ نیچے سے نکال کر دبے پاؤں چھت پہ پہنچ چکی تھی۔ ”زیتون کمینی، گھٹیا، بد تمیز اور بے وفا عورت! بھول گئی وہ سارے سمو سے اور چٹنیاں جو میرے پیسوں پہ تو ہڑپ کرتی رہی، موٹی!“ دوسری جانب سے ہیلو کہتے ہی زرشہ نے حملہ کر دیا تھا۔ وہ بھی ایسا حملہ کی زیتون کی ساری نیند اڑن چھو ہو گئی۔ ”کیا قیامت آگئی ہے زرشہ؟ اور تم کہاں چلی گئی تھی؟“ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ حوریہ نے سب اگلو الیا مجھ سے۔ ”زیتون زرشہ کا غصہ تو ملاحظہ کر ہی چکی تھی اب تلافی کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔“ ہاں ہاں! تین سمو سے اس نے کھلائے ہونے تمہیں اور سب بک دیا تم نے۔“ زرشہ کا غصہ کسی طور نیچے نہیں آ رہا تھا۔ ”تین نہیں دو۔“ زیتون نے تصحیح کرنا ضروری سمجھا تھا۔ ”بھوکی لومڑی ہو تم۔“ زرشہ چھت پر تیز تیز چکر کاٹ رہی تھی۔ زیتون گرا اس وقت اس کہ سامنے ہوتی تو وہ اسے کچا چبا جاتی۔ ”تیری وجہ سے اماں میری شادی کسی انجان لڑکے سے کر رہی ہیں۔ ایک عام دفتری ملازم سے۔“ زرشہ نے اب اپنا دکھڑا بیان کیا تھا۔ ”کیا؟؟؟؟ کتنی خوش نصیب ہے نا تو زرشہ۔ امتحانات سے جان چھوٹ جائے گی، جن کی وجہ سے تو نے وہ سب کیا۔“ زیتون یوں خوش ہو رہی تھی جیسے زرشہ کی نہیں اسکی شادی ہو رہی ہو۔ ”وہ تو چھوٹ ہی جائے گی۔ مگر وہ لڑکا۔۔۔ میرا مطلب ہے تو تو جانتی ہے نایار کہ مجھے امیر کبیر، بڑی گاڑی والا بینڈ سم اور بالکل سادہ لڑکا چاہیے تھا۔ یہ دفتری ملازم زیادہ سے زیادہ کتنی تنخواہ ہوگی اس کی، یہی کوئی تیس چالیس ہزار۔“ زرشہ اب چھت پہ پڑی چار پائی پہ بیٹھ چکی تھی۔ اسے دل کی باتیں کرنے کہ لیے سامع کی

Posted On Kitab Nagri

تلاش تھی۔ اب مینا یا اپنی اماں سے تو ایسی باتیں کرنے سے رھی، تو زیتون کو ہی قربانی کا بکرا بنالیا۔“ یار! وہ تو میں جانتی ہوں۔ پر اب کیا ہو سکتا ہے۔ تُو جانتی ہے، تیری اماں کی بات پتھر پر لکیر ہوتی ہے۔ اور تو اور رشتے کرانے والی پروین آنٹی تو ہر گھر جا کر یہی کہانی سنارھی ہیں کہ زرشہ کا رشتہ پکا ہو گیا ہے۔“ زرشہ کا موڈ درست ہوتا دیکھ کر زیتون کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے کمال مہارت سے بات کا رخ موڑا تھا۔“ مگر میں نہیں کرنا چاہتی یہ شادی۔ ابھی تو کبھی بھی نہیں۔ ہاں کوئی امیر کبیر اونچے گھر کا لڑکا ہوتا تو میں سوچ بھی سکتی تھی۔۔۔۔ لیکن اتنی جلدی وہ بھی ایک مڈل کلاس فیملی میں۔۔۔۔ نہ بابائے۔۔۔۔ مجھ سے نہیں ہو گا یہ۔۔۔۔!!!“ زرشہ اب چہرے پہ آنٹی بالوں کی لٹ سے کھیلتی ہوئی فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئی تھی۔“ ہاں مگر تمہاری اماں کی زبان۔۔۔۔!!!!“ زرشہ نے قصداً زباں کو بریک لگائی تھی۔“ اماں ہی ہیں نا کوئی ہٹلر تو نہیں۔۔۔۔ میں کہہ دوں گی، کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔“ زرشہ نے تھوک نگتے ہوئے کہا تھا۔ دماغ بھی ابھی بھی ماں کہ ہاتھوں بننے والی درگت گردش کر رہی تھی۔“ مگر حوریہ۔۔۔۔!!!!“ زیتون نے دل میں سراٹھاتے چور کہ ہاتھوں مجبور ہو کر بلا خرچ زباں پہ لایا تھا۔“ کیا حوریہ۔۔۔۔!!!!“ زرشہ کہ تو تن بدن میں اسکا نام سن کر آگ لگ گئی تھی۔“ اس نے نہ صرف“ طاہر“ تک تیری شادی کہ بات پہنچادی ہے۔ بلکہ اس نے تجھے محلے میں بدنام کرنے کی قسم کھائی ہے۔ دیکھ زرشہ تو میری قریبی اور پکی والی دوست ہے، تبھی تجھے بتا رہی ہوں۔ وہ وہ حوریہ۔۔۔۔!!!!“ ابھی فقرہ زیتون کہ منہ میں ہی تھا کہ زرشہ غراتے ہوئے گویا ہوئی:“ اب بک بھی دو آگے۔ اس ڈائن نے اور کیا کر توت کیے ہیں۔۔۔“ اس نے تجھے محلے بھر میں بدنام کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اور مجھے یقین ہے اس نے کچھ نہ کچھ ایسا ویسا ضرور سوچ رکھا ہو گا۔“ زیتون نے اب کی بار ساری کہانی زرشہ کہ گوشگزار کی تھی۔ جو بھی تھا وہ اسکی پکی والی سہیلی تھی۔ اتنی بے وفائی اور بے مروتی کا مظاہرہ تو وہ نہیں کر سکتی تھی نا!“ اُف میرے خدا! یہ حوریہ کونسی

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

گلی میں قدم رکھ رہی تھی۔ پھر وہ گھر کہ اندر داخل ہو رہی تھیں۔ ”بابی! یہ آپ کی بچی زرشہ ہی ہے نا۔“ دودھ والے نے جان بوجھ کر نادان بنتے ہوئے کہا تھا۔ ”اتنی رات کو اتنی بڑی گاڑی، میرا مطلب ہے لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہ کالج سے گھر ہی نہیں لوٹی تھی، بلکہ کسی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ اور رات گئے لوٹی تھی۔“ دودھ والا اب تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔ وہی تفصیلات جو اسے حور یہ نے فراہم کی تھیں۔ ”چل نکل یہاں سے۔ یہ زرشہ نہیں تیری بہن ہوگی۔ بیہودہ انسان۔ اب کل سے دودھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چل بھاگ نہیں تو اتارتی ہوں میں جوتی۔۔۔۔۔!!!“ خوش بخت بیگم نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔ ”بھاگو گاتب جب میرا حساب کلیر کروگی۔ اپنی بیٹی کو لگام ڈال نہیں سکتی، اور جوتاتا رہتی ہیں دوسروں کہ لیے۔ یہی جوتا بیٹی کو لگایا ہوتا نا تو آج کالک نہ ملتی تم بیوہ کہ منہ پہ۔“ دودھ والا حد سے تجاوز کرتا رہتا، گرا سے خوش بخت بیگم کا جوتا کمر پہ رسید نہ ہوا ہوتا۔ انھوں نے دروازہ دے مارنے کہ سے انداز میں بند کیا تھا۔ اور خود وہیں زمیں پر بیٹھتی چلی گئیں۔ وہ اونچی آواز میں زار و قطار رو رہی تھیں۔ ان کی آواز سنکر آنکھیں ملتی زرشہ، اور موبائل چھپاتی مینا (اسے بھی موبائل پہ تصاویر مل چکی تھیں) بھی برآمد ہوئیں۔ ”بے غیرت، بے حیا۔ بے غیرت، بے حیا۔“ تجھے تو پیدا ہوتے ہی دفن کر دینا چاہیے تھا۔ بے حیا۔ ”زرشہ کی اماں اب آؤ دیکھنا تاؤ واحد جوتی سے زرشہ کی درگت بنا رہی تھیں۔ اس کہ جسم کا کوئی کونہ ایسا نہیں تھا، جس پر جوتانا لگا ہو۔“ زرشہ کی نہ صرف نیند اڑ چکی تھی بلکہ زیتون کی باتیں بھی دماغ میں گونج رہی تھیں۔ ضرور حور یہ نے کوئی کارنامہ کیا تھا۔ اب کیا کارنامہ کیا تھا، زرشہ وہی ذہن میں دہرا رہی تھی۔ ”دودھ والا بھی تیری تصویریں مجھے دکھا کر گیا ہے۔ بے غیرت! کسی کو تو بخش دیا ہوتا۔ خود کہ تو منہ پہ کالک تھوپی، مجھ بیوہ کا چہرہ کیوں اس عمر میں سیاہ کر دیا۔“ خوش بخت خاتون اب زمیں پہ بیٹھ چکی تھیں۔ وہ سر پیٹ رہی تھیں۔ بین کر رہی تھیں۔ زرشہ دیدے پھاڑے یک ٹک خلا میں گھور رہی تھی۔ وہ بھی

Posted On Kitab Nagri

زمیں پہ بیٹھ چکی تھی۔ تبھی مینا ماں کا چنگاڑتا موبائل اٹھا کر بھاگتی ہوئی پہنچی۔ پروین رشتہ والی کی کال آرہی تھی۔
زرشہ کی اماں کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ”اوہ رشتے سے انکار ہو گیا۔ تو ساری زندگی بیوہ ماں کی
چوکھٹ پہ بیٹھی میرے دل پر مونگ دلتی رہے گی۔ تیری وجہ سے میرے پیچ نمازی بھائی نے اگر مینا کہ رشتے
سے بھی انکار کر دیا تو۔۔۔۔۔“ ”زرشہ کی اماں موبائل ہاتھ میں پکڑے پاگلوں کی طرح خود کلامی کر رہی تھیں۔
موبائل چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔“ ہیلو پروین! ”خوش بخت بیگم نے بمشکل تنفس پہ قابو پاتے،
فون کان کہ ساتھ لگایا تھا۔ دوسری جانب سے جو کہا جا رہا تھا، وہ ناقابل برداشت تھا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔
“پروین میں تمہیں سونے کی بالیاں دوں گی۔ بس کسی طرح جہان کی اماں کو نکاح پہ آمادہ کر کہ ابھی لے آؤ۔
انہیں بتاؤ کہ مجھے دل کا دورہ پڑا ہے۔ پروین اگر تم انہیں نہ لائی تو خدا کی قسم میں مرجاؤں گی۔“ ”زرشہ کی اماں
اب پروین کی منتیں کر رہی تھیں۔ اور زرشہ کا دل پھٹ جانے کو چاہا تھا۔ ان کی باتوں کہ دوران ہی مینا نے
موبائل میں حوریہ کی جانب سے بھیجی جانے والی تصاویر جن پر غلیظ الفاظ درج تھے، دکھائی تھیں۔ ساری کہانی
زرشہ کی سمجھ میں آچکی تھی۔ یہی تصاویر دھیرے دھیرے پورے محلے میں پھیل چکی ہوں گی۔ زرشہ نے سوچا
تھا۔ پروین نے فون بند کر دیا تھا۔ ”جہان! نکاح سے پہلے اس منحوس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ
اسے کوئی نہ کوئی بھنک ضرور پڑ گئی ہے سارے واقعے کی۔“ ”خوش بخت بیگم کا چہرہ مینا کی طرف تھا۔ وہ زرشہ کو
یکسر نظر انداز کر رہی تھیں۔“ ”اس منحوس کو تیار کرو۔ ابھی اور اسی وقت اس کا نکاح اور ساتھ ہی رخصتی ہے۔ اگر
اس نے ذرا سی بھی بے غیرتی دکھائی تو میں گلے میں پھنسا ڈال لٹک جاؤں گی۔“ ”زرشہ کی اماں نے اپنا فیصلہ سنایا
تھا۔ وہ اب اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے پاؤں میں ایک ہی جوتی تھیں۔ وہ پاگلوں کی طرح چل رہی تھیں۔ قدم
کہیں رکھتی تھیں، پڑتا کہیں تھا۔ زرشہ کا من چاہا تھا کہ بھاگ کر ماں کے گلے لگ جائے، لیکن اس کے قدم زنجیر ہو

Posted On Kitab Nagri

چکے تھے۔ تبھی مینا کہ موبائل پہ اس کہ ماموں زاد اور منگیترا کی جانب سے بھی وہی تصاویر موصول ہوئی تھیں۔ ساتھ میں منگنی توڑنے کی دلخراش خبر بھی دی گئی تھی۔ مینا نے ساری بات ہضم کر لی تھی۔ وہ فی الوقت یہ خبر اپنی ماں کہ گوشگزار کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ ہاں اس کہ گال آنسوؤں سے ضرور بھگیے تھے۔

”شریفاں آپا! خوش بخت کو آج رات دل کا دورہ پڑا ہے۔ ابھی ابھی ہسپتال سے گھرا لائی گئی ہے۔ اسکی حالت بہت نازک ہے۔ اسے پھر ہسپتال میں داخل کیا جائے گا۔ وہ جلد از جلد اپنی بیٹی کا کرنا نکاح چاہتی ہے۔ آپا میں کہہ رہی تھی کہ کل کو بھی تو نکاح ہونا ہی تھا نا تو ابھی ہو جاتا۔ بیچاری بیوہ عورت کی خواہش ہے۔ اور مجھے نہیں لگتا کہ اس بار وہ بچ پائے گی۔ یہ اسے تیسرا دورہ پڑا ہے۔“ پروین نے اپنی جانب سے پوری کوشش کی تھی۔ اس کہ دماغ میں سونے کی بالیاں گھوم رہی تھیں۔“ مگر وہ جہان۔۔۔“ شریفاں بیگم نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔“ بچے کو چھوڑیں جی۔ یہ بڑوں کہ فیصے ہوتے ہیں۔ ساری ذمہ داری میری ہے۔ آپ اپنی قسمت پہ رشک کریں گی۔ ایک بیوہ، قریب المرگ اور بے سہارا عورت کی فریاد ٹالنی تو نہیں چاہیے نا۔“ پروین نے اب ساری حدیں عبور کر دیں تھیں۔ شریفاں بیگم جو پہلے ہی کانچ کا سنا زک دل رکھتیں تھیں، یہ سب سننے کہ بعد کچھ اس طرح گویا ہوئیں:“ ہم مولوی کو لیکر پندرہ منٹ تک پہنچ رہے ہیں۔ تم انھیں تیار کرو۔ باتوں کا کیا ہے، نکاح کہ بعد کر لیں گے بچے۔“ جہان کی اماں نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ ادھر پروین کہ تو وارے نیارے ہو گئے تھے۔ اس کہ قدم زرشہ کہ گھر کی جانب دوڑے تھے۔“ جہان! کہا جا رہا ہے؟“ اماں کی توپوں کا رخ اب جہان کی جانب تھا۔“ کیا مطلب اماں! کام پہ جا رہا ہوں، پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔“ عالم عجلت میں لگتا تھا۔“ جدھر تیرا رشتہ پکا کیا تھا نا، ادھر سے بہت بری خبر آئی ہے۔“ اماں نے تمہید باندھی تھی۔“ صد شکر، انکار ہو گیا۔“ عالم نے سکون کی سانس خارج کی تھی۔“ شیر و کو بلوا کہ مولوی لیکر پہنچے۔ کیونکہ اس کی بیوہ ماں بستر مرگ پر ہے۔ اسے

Posted On Kitab Nagri

گزشتہ رات تیسرا دل کا دورہ پڑا ہے۔ وہ ابھی کہ ابھی اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اور میں ایک مرتے ہوئے بندے کو انکار کرنے کی جرأت نہیں رکھتی۔ ”اماں نے بنا کسی لگی لپٹی کہ اپنی بات کہی تھی۔“ مگر اماں! میرا مطلب ہے، اللہ انھیں تندرستی عطا کرے۔ ہم انکا علاج کرواتے ہیں۔ نکاح بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔ اس وقت انھیں ہسپتال میں ہونا چاہیے نہ کہ بیٹی کہ نکاح میں۔ ”جہان نے بمشکل بات سنبھالی تھی۔“ جو بھی ہے۔ بس ابھی کہ ابھی چلنا ہے۔ ”بظاہر شریفاں بیگم کو جہان کی بات ٹھیک لگی تھی۔ لیکن وہ اب زبان بھی دے چکی تھیں۔ اور کل کا کرنا سو آج کر، آج کرنا سو ابھی! والی بات تھی۔ جو کام کل ہونا تھا، ابھی ہو جاتا تو کیا حرج تھا۔ یہی سوچ کر انھوں نے دل کو تسلی دی تھی۔ خود تو وہ نیا جوڑا زیب تن کرنے وہاں سے جا چکی تھیں جبکہ عالم نے فوراً شیر و کا نمبر ملا کر صورتحال سے آگاہ کیا تھا۔ وہ بھی شیر و تھا: ”تو فکر مت کریا، میں مولوی لیکرا بھی پہنچا!“ اس نے عالم کا مزاق اڑایا تھا۔ ”تیرا مولوی جب جہان کی جگہ میرا نام لے گا، تو کیا ہوگا؟ یہ سوچا ہے؟“ عالم نے اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔ نکاح تھا، کوئی نائک یا ڈرامہ نہیں تھا۔ ”جہان! جلدی کرو بچے۔ ان کی طبیعت بگڑ رہی ہے۔ انھیں پھر سے ہسپتال بھی جانا ہے۔“ اماں مسلسل جہان کو حالاتِ حاضرہ سے متعلق بریف کر رہی تھیں۔ ”اس دوست کو بول، گروقت پہ مولوی لیکر نہیں پہنچا، تو پھر کبھی نہ آئے یہاں۔“ اماں نے ایک اور تیر چلایا تھا۔ ”دوست! میں تو پہنچ رہا ہوں۔ وہ بھی مولوی کہ ساتھ، آگے دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔“ شیر و اماں کہ غصے سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس نے تو اپنی سنا کر کال کاٹ دی۔ عالم کا بس نہیں چل رہا تھا، کہیں غائب ہو جائے۔ ”اگر تو نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو میرا رامنہ دیکھے گا، یاد رکھنا۔“ اماں نے کمان کا آخری تیر بھی چلا دیا تھا۔

----- زرشہ مینا کہ سامنے آدھے گھنٹے سے بیٹھی تھی۔ مینا کانپتے ہاتھوں اور بہتی آنکھوں کہ ساتھ اسے تیار کر رہی تھی۔ زرشہ نے سفید کرتا پا جامہ پہنا تھا۔ یہی نیا جوڑا تھا جو اس کہ پاس موجود تھا۔ زیتون بھی

Posted On Kitab Nagri

پہنچ چکی تھی۔ اس نے بھی زرشہ کو چپ چاپ نکاح کرنے کا سبق پڑھایا تھا۔ اس کہ پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں بچا تھا۔ کچھ وقت بعد لڑکے والے مولوی صاحب کہ ہمراہ موجود تھے۔ زرشہ کہ دماغ میں ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا کہ کسی طرح اگر اس کا عالم انڈسٹریز کہ مالک سے رابطہ قائم ہو جائے، اور وہ اسے مجبور کرے کہ سب کچھ سچ سچ بتائے، کہ اس رات وہ اسے چھوڑنے آیا تھا۔ اور اس کہ علاوہ زرشہ کا اس کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ تو زرشہ کی عزت بچ سکتی تھی۔ اور ماں نگاہوں میں وہ اپنا کھویا ہوا قار اور اعتماد بحال کرنے کہ قابل ہو سکتی تھی۔ شیر واپنے ساتھ گواہ بھی لایا تھا۔ وہ حتی المقدور یہ چاہتا تھا کہ نکاح کہ وقت کوئی تیسرا فرد موجود نہ ہو۔ اس نے مولوی کو پہلے ہی کافی کچھ سمجھا دیا تھا۔ دوسری جانب زرشہ مینا اور پروین کہ ساتھ موجود تھی۔ زرشہ کی اماں نے تو ایسی چارپائی پکڑی کہ پھر اٹھی ہی نہیں۔ اماں، مولوی صاحب نے کہا ہے کہ نکاح کہ وقت لڑکی کہ ساتھ کوئی خاتون موجود نہ ہو۔ وہ اکیلے میں لڑکی کی مرضی کہ متعلق دریافت کریں گے، تاکہ وہ بغیر کسی دباؤ کہ اپنی مرضی کا اظہار کرے۔ ”شیر و نے کچھ اس طرح کی کہانی سنا کر اماں کو رام کرنے کی کوشش کی تھی۔ اماں کہ پاس اگر مگر کی گنجائش ہی نہیں بچی تھی۔ نکاح کہ وقت زرشہ اکیلی تھی۔ شیر و مولوی صاحب کو لیکر وہاں پہنچا تھا۔ شیر و نے ہی لڑکی والوں کی طرف سے گواہان کا بندوبست بھی کیا تھا۔ ”کیا آپ کو عالم شاہ ولد شہباز شاہ سے بعض دس لاکھ روپے سکے رائج الوقت نکاح قبول ہے۔“ مولوی صاحب نے زرشہ سے دریافت کیا تھا۔ اور زرشہ جس کہ دماغ میں مسلسل عالم شاہ اور ماں کی باتیں ہی چل رہی تھیں: ”زرشہ! زرشہ! ہوش کر۔ عالم شاہ کو دماغ سے نکال دے اب۔ تجھے مولوی کہ منہ سے بھی عالم ہی سنائی دے رہا ہے۔“ وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ ”جی قبول ہے۔“ ”گرہاں نہیں کی تو میں گلے میں پھند اڑال کر خود کشی کر لوں گی۔“ ماں کی باتیں اس کہ دل و دماغ میں گونج رہی تھیں۔ ”جی قبول ہے۔“ ”جی قبول ہے۔“

Posted On Kitab Nagri

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کاروائی کی جائے گی۔)

زرشہ کہ جانب سے، “قبول ہے۔” کی صدا بلند ہوتے ہی نہ فقط خوش بخت بیگم نے بستر چھوڑا بلکہ، مینا نے بھی سکھ کا سانس خارج کیا۔ ادھر عالم شاہ نے بھی زرشہ احسان علی کو اپنے عقد میں قبول کر لیا تھا۔ اور کرتا بھی کیوں نہ؟ وہ اماں کا مرانہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ یہی اسکی کمزوری تھی۔ اور اسے بہت بار بہت مہنگی بھی پڑی تھی۔ اب نجانے آگے جا کر کتنی مہنگی پڑنے والی تھی۔ اسکا فیصلہ تو وقت نے ہی کرنا تھا۔ اسی وقت نے جو عالم شاہ اور زرشہ احسان علی جیسے دو مختلف النوع انسانوں کے ملاپ کا چشم دید گواہ تھا۔ وہی وقت اب نہ فقط انگلیاں دانتوں میں دبائے، حیرت سے اس کے ارض پہ موجود اس عجیب الخلق جوڑی کو تک رہا تھا بلکہ ہمہ تن گوش بھی تھا کہ کب ان کے مابین موجود اختلافات کی بازگشت سننے کو ملے گی۔ خیر ایجاب و قبول کہ بعد مٹھائی تقسیم کی گئی۔ تقریب میں لڑکی والوں کی جانب سے زیتون اور رشتہ کرانے والی پروین تھی، جبکہ عالم کہ ساتھ اسکی اماں، شیر و اور گواہان تھے۔ گواہان تو مٹھائی کہ بعد، چلتے بنے، پروین بھی، “جیب گرم کرنے کہ بعد یہ جاوہ جا۔ جبکہ زیتون اور مینا اب زرشہ کو شانوں سے پکڑ کر ماں کہ پاس لیکر گئیں۔ جو اس سارے واقعے میں اپنے کمرے میں مقید رہی۔ زرشہ ماں کہ قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے ماں کو ہمیشہ دکھ ہی دیے ہیں۔ چلو اس کہ جانے سے ماں کی زندگی میں تو سکون آئے گا۔ (جہان کا سکون بیشک غارت ہو، یہاں پر واہ کسے تھی؟) عالم اب اماں کو تھامے، خوش بخت بیگم کہ پاس دعاؤں کہ لیے موجود تھا۔ خوش بخت بیگم نے عالم شاہ کو پہلی بار دیکھا تھا، اور دیکھتے ہی مبہوت رہ گئی تھیں۔ انھیں زرشہ کی قسمت پہ ناز ہوا تھا۔ انھیں اپنی قسمت پہ ناز ہوا تھا۔ پروین سچ

Posted On Kitab Nagri

کہتے تھے، جہان بہت سبکھا ہوا باتمیز بچہ ہے۔ انھوں نے سوچا تھا۔ انھوں نے پروین کو بھی دعادی تھی۔ اب انھیں پروین کو سونے کی بالیاں دینے پہ بلکل بھی ملال نہیں تھا! جلد ہی وہ لوگ زرشہ کو رخصت کر کے اپنے گھر لے آئے تھے۔ گاڑی شیر وکی تھی، چلا بھی وہی رہا تھا۔ مینا ساتھ آئی تھی۔ (گو کہ زرشہ کہ بقول مینا کی کوئی ضرورت تو نہیں تھی، وہ اکیلی ہی ان ماں بیٹے پہ بھاری تھی، لیکن وہ کیا ہے ناکہ رسم بھی تو نبھانی پڑتی ہے نا!) اماں نے پہلے ہی ساتھ والی بچی کو کہہ کر کھانا تیار کروادیا تھا۔ جہان کا کمرہ تازے پھولوں سے سجائے کا سہرہ شیر و کہ سر تھا۔ غرض دلہن کہ استقبال کہ لیے تمام انتظامات مکمل کیے گئے تھے۔ مینا جہاں بہن کہ لیے خوش تھی، وہیں اپنا اتنا پرانہ رشتہ ٹوٹ جانے پہ افسردہ بھی تھی۔ اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی ماں پہ ایک اور قیامت توڑتی۔ اس سب میں وہ شیر و کی خود پہ پڑتی معنی خیز نگاہوں کی پیش سے انجان ہی رہی۔ شیر و کو معصوم اور کم سم سی مینا پہلی نگاہ میں ہی دل کو بھاہ گئی تھی۔ وہ جو شادی، لڑکیوں اور ذمہ داری سے دور بھاگتا تھا۔ جو آزاد پنچھی تھا، آزاد فضا میں سانس لینا جسکا معمول تھا۔ اب مینا کو دیکھنے کہ بعد، محبت کہ پنجرہ میں قید ہو جانا چاہتا تھا۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ قید ہو چکا تھا!-----“امی جان! ابھی سائیس کی آمد میں ایک ہفتہ ہے نا، گیارہ تاریخ دور ہے نا، آپ ہیں کہ ابھی سے تیاریاں کر رہی ہیں۔ کیوں خود کو تھکار رہی ہیں؟” عائشہ نے دلبرار بیگم کو اپنا کمرہ کوئی تیسری بار صاف کرتے دیکھا تو خود کو روک نہیں پائی۔ “تُو کیا جانے عائشہ بیٹی! میرا بیٹا، میری کل کائنات ہے۔ تبھی اسکا نام میں نے، ”عالم“ رکھا تھا۔ وہ میرا کل جہان ہے۔ میرا عالم، تمام ہے۔ ہر مہینے کی گیارہ تاریخ ہی کو وہ اپنی ماں سے ملنے آتا ہے، اور تُو کہتی ہے کہ میں اس ایک دن کہ لیے بھی تیاریاں نہ کروں۔” دلبرار بیگم نے بستر پہ بیٹھتے، پھولتی سانسوں کہ درمیان بات مکمل کی تھی۔ “دیکھانا! پھول گیا نا سانس۔ تبھی کہتی ہوں، خود کو مت تھکائیں۔ میں ہوں نا، سب کام کردوں گی۔” عائشہ نے امی کہ قدموں میں بیٹھتے ہوئے، کہا تھا۔“ہاں

Posted On Kitab Nagri

عائشہ بیٹیا! ایک تیرا ہی تو آسرا ہے مجھے یہاں۔ میں تو اس دن کو مبارک کہتی ہوں، جب تجھ نو مولود کو تیرے ماں باپ یہاں، ”کوٹھے“ کی دہلیز پہ چھوڑ کر گئے۔ تجھے میں نے گر بیٹی بنایا تو تو نے بھی بیٹی ہونے کا حق ادا کیا۔”

دلبرار بیگم، اپنی گود میں موجود عائشہ کے سر کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے ماضی کو کھنگال رہی تھیں۔ ”میں اپنے ماں باپ کو نہیں جانتی، آپ ہی میرا باپ ہیں، آپ ہی میری ماں ہیں۔ ہاں جانتی ہوں تو، اُس سنگدل، بے وفا اور بزدل شوہر، ”جاوید“ جس نے شادی تو جوش میں آکر رچالی، لیکن آج دس سال ہونے کو ہیں، واپس آکر اپنا چہرہ تک نہیں دکھایا۔ ”عائشہ بھی اپنے دکھوں کی گڈڑی کھول کر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے دل کا کرب اسکے معصوم چہرے سے عیاں تھا۔ “بیٹیا! یہ جو ہمارا محلہ ہے نا۔ اسے لوگ، ”ہیرامنڈی“ کہتے ہیں۔ یہاں عزتیں رکھی یا بنائی نہیں جاتیں، پامال کی جاتی ہیں۔ گوکہ تیری اور میری عصمت کی گواہی میرے رب کے پاس ہے۔ لیکن لوگ، لوگ تو بیٹیا، ہمیں بھی اسی گندی نگاہ سے دیکھتے ہیں نا۔ ”دلبرار بیگم نے دل کے پھپھولے عائشہ کو دکھائے تھے۔ وہ عالم کی والدہ تھیں۔ والدہ محترمہ! ان کے لیے یہی اعزاز کافی تھا!-----“ شہر میں عالم کیا کرتا پھر رہا ہے، اس کی ہر ہر سرگرمی کی رپورٹ مجھے پہنچاؤ۔ کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ وہ صرف کام کے سلسلہ میں وہاں رکا ہے۔ وہ یقیناً اپنی طوائف ماں سے ملتا ہے۔ اگر ذرا سا بھی شک ہو کہ وہ کسی ایسی عورت سے ملتا ہے، تو اس عورت کو دنیا سے بھیجنے میں ایک سیکنڈ بھی دیر نہ کرنا۔ ”دلاور شاہ نے اپنے دائیں بازو، شمشیر کو نیا کام سونپا تھا۔ شمشیر اس وقت شہر میں ہی موجود تھا۔ دلاور شاہ یہ تو جانتے تھے کہ عالم کی ماں، اور ان کی چچی دلبرار بیگم، شہر میں موجود ہے۔ لیکن کہاں ہے، یہ وہ نہیں جانتے تھے۔ اور ان کی موجودگی، دلاور شاہ کی غیرت کے لیے گوارا نہیں تھی۔ وہ انھیں ہر صورت میں اس دنیا سے بھیجنے پر تلے ہوئے تھے۔ برسوں پہلے ان کے چچا نے جو غلطی کی تھی، اس کا خمیازہ وہ ابھی تک بھگت رہے تھے۔ یہ ان کی شان و شوکت اور عزت و مرتبہ پر ایسا داغ تھا جو فقط

Posted On Kitab Nagri

دلبرار بیگم کی موت سے ہی دُھل سکتا تھا۔ اور اب تو عالم، ان کا بہنوئی تھا۔ ان کی اکلوتی بہن کا شوہر۔ اب تو وہ عالم کا اس طوائف سے میل جول کسی صورت برداشت کرنے والے نہیں تھے۔ کیونکہ عالم ان کا مستقبل تھا۔ ان کے خاندان کا مستقبل۔ ان کا واحد گدی نشین۔ کیونکہ ان کی اپنی واحد اولاد ذہنی معذور تھی۔ عالم کہ علاوہ ان کا کوئی آسرا نہیں تھا۔ اسی لیے تو انھوں نے عالم نے نہ فقط ٹوٹے رشتے استوار کیے بلکہ اپنی بہن بھی اس کہ سپرد کردی۔ دلاور شاہ نے دور کا سوچا تھا۔ ان کا پلان بہت بڑا تھا۔ ابھی تو اس کی شروعات ہوئی تھی، آگے آگے کیا ہونے جا رہا تھا، اس کا عالم تصور بھی نہیں کر سکتا تھا! اور شاید دلاور شاہ بھی عالم سے منسلک اس ”بلا“ سے ناواقف تھے، جس کا نازشہ احسان علی تھا! ----- زرشہ نے دلہنوں کہ جیسے سچے سنورے کمرے میں پہنچتے ہی، چوڑیاں اتار پھینکی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے آرائش کا سارا سامان اتار کر پھینک رہی تھی۔ یہ ایک عام سا گھر تھا۔ جبکہ اس کا خواب شاہانہ گھر کا تھا۔ اس کا دماغ ابھی تک وہیں اٹکا تھا، اس نے کیوں ایک عام دفتری ملازم کو ساری زندگی کہ لیے قبول کیا۔ وہ اپنی اماں کو مناسکتی تھی۔ وہ وقت مانگ سکتی تھی۔ وہ لڑکے سے ملکر کوئی پلان بنا سکتی تھی۔ وہ کچھ بھی کر کہ اس نکاح کو روک سکتی تھی نا، پھر کیوں؟ کیوں اس نے اپنے خوابوں کا خون اپنے ہاتھوں سے کیا؟ کیوں اس نے اپنے مستقبل کا سودا کیا؟ مینا کو وہ پہلے ہی رخصت کر چکی تھی۔ شیر و مینا کو گھر اتارنے کہ لیے گیا تھا۔ یہی تو وہ چاہتا تھا۔ جبکہ زرشہ کمرے میں اکیلی تھی۔ وہ دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ اسے جہان کو دیکھنے تک میں دلچسپی نہیں تھی۔ اسے بس اس ان چاہے انسان، اور ان چاہے رشتے سے جان چھڑانا تھا۔ “مجھ پر تم میری ماں کی مرضی سے مسلط کیے گئے ہو، لیکن تمہیں اپنی زندگی سے اٹھا کر باہر کیسے پھینکنا ہے، یہ میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہیں اتنا تنگ کروں، اتنا تنگ کروں گی، کہ تم ایک ماہ کہ اندر اندر مجھے میری ماں کہ گھر خود چھوڑ کر آؤ گے۔” زرشہ خود کلامی کہ سے انداز میں بول رہی تھی۔ اس کا غصہ ابل ابل کر باہر

Posted On Kitab Nagri

آ رہا تھا۔ وہ ایک ان چاہے رشتے میں بندھی تھی، وہ بھی اپنی مرضی سے۔ اس نے اپنے ارمانوں، اپنی خواہشات، اور اپنے شاہانہ مستقبل کا گلا اپنے ہی ہاتھوں سے گھونٹا تھا۔ اب وہ خود ہی سب درست کرنے جا رہی تھی۔ جس کا آغاز اس نے کمرے کا حلیہ بگاڑنے سے کر دیا تھا!-----اماں نے بارہا زرشہ کو کمرے میں کھانا پہنچانے کی کوشش کی تھی، لیکن اس نے تابعدار بیوی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا تھا کہ اسے اپنے شوہر کے ساتھ ہی کھانا کھانا ہے۔ اور وہ جب تک نہیں آتے، وہ بھوکے ہی رہے گی۔ زرشہ نے اپنا لائحہ عمل مکمل طے کر لیا تھا۔ اسے اپنے اچھے عادات و اطوار کا کوئی گواہ چاہیے تھا اور وہ شریفاں خاتون کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ ہر ممکن یہی کوشش کر رہی تھی کہ ان کی نظر میں اچھی بہو اور اچھی سلجھی ہوئی، سلیقہ شعار بیوی ثابت ہو۔ تاکہ کل جب وہ جہان پے الزامات لگا کر یہاں سے جائے تو، جہان کی اپنی ہی ماں، جہان کے خلاف اور زرشہ کے ساتھ کھڑی ہوں۔ اور سب سے بڑھکر اماں بینائی سے محروم تھیں۔ زرشہ اپنے افعال میں آزاد تھی۔ اس نے اماں کو آرام کرنے بھیج دیا تھا۔ اب گھر میں وہ اکیلی تھی۔ عالم دفتر نکل گیا تھا۔ جبکہ شیر و مینا کو گھر چھوڑ کر اب واپس پلٹ چکا تھا۔ شام گئے عالم گھر لوٹا تا کہ پاکیزہ کی فائلز ڈاکٹر کو دکھا سکے۔ اس نے انھیں اماں کے کمرے میں موجود لا کر میں رکھا تھا۔ وہ اماں کے کمرے میں پہنچا تو اماں، آرام کرتی دکھائی دیں۔ اس نے اماں کو ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا اور خود اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اسے اس لڑکی کو اعتماد میں لیکر اپنی اصلیت بھی تو بتانا تھی۔ جوں ہی اس نے دروازہ ناک کیا: ”کون ہے؟“ ”لہجہ سخت تھا۔“ میں ہوں۔“ اس نے ضبط کے گھونٹ پیتے ہوئے جواب دیا۔ ”اپنا ہی کمرہ ہے، آجاؤ۔“ اب کی بار لہجہ روکھا تھا۔ عالم نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ وہ خاتون تھی، اگر کوئی مرد اسکی جگہ، عالم سے بلا وجہ اس لہجہ میں بات کرتا تو جواب سن چکا ہوتا۔“ السلام۔۔۔۔!“ ”ابھی سلام عالم کے منہ میں ہی تھا کہ سفید لباس زیب تن کیے، عالم کی جانب پیٹھ

Posted On Kitab Nagri

کیے کھڑی وہ لڑکی، عالم پہ چڑھ دوڑنے والے انداز میں گویا ہوئی: ”دیکھو شوہر نامدار! یہ رشتہ ہوا ہے زبردستی۔ میری ماں کو لگا کہ اب مجھے کسی کا رشتہ نہیں ملنا تو، جو بھی ایرا غیر انتھو خیر املا اس سے باندھ دیا۔ ”زرشہ نے اپنی سنا کر مڑ کر دیکھا تھا۔ اور دیکھتے ہی اسے لگا کہ وہ ہمیشہ کہ لیے منجمد ہو گئی ہے۔“ تم۔۔۔۔۔ تم میرا کب سے پیچھا کر رہے ہو؟ تم جہان ہو۔۔۔ نہیں نہیں نہیں۔۔۔ مطلب اُس دن چائے خانہ میں مجھ سے جھوٹ بولا گیا کہ تم عالم انڈسٹریز کہ مالک ہو؟؟ مطلب وہ مجھ پر رعب ڈالنے کہ لیے تھا۔۔۔ ”زرشہ دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔ سر پہ نفاست سے کیا گیادوپٹہ اب زمیں پہ جھاڑو دے رہا تھا۔“ ایسا نہیں۔۔۔۔۔ ”عالم نے کچھ کہنے کہ لیے لب وا کیے ہی تھے کہ زرشہ پھر سے شروع ہو گئی:“ مطلب تم میری محبت میں اس حد تک پاگل ہو چکے تھے کہ پہلے میری جان بچائی، پھر میرے گھر رشتہ بھیجا، پھر مجھ سے نکاح کیا۔۔۔۔۔ ”ایسا ہر گز نہیں۔۔۔۔۔“ ”عالم کی بات پھر سے ادھوری رہ گئی تھی:“ مطلب، یار! ہو تو تم ہینڈ سم ہی، مطلب نکلے تو وہی تیس چالیس ہزار والے دفتری ملازم ہی نا۔۔۔۔۔ حد ہے بھی، کم از کم مجھ سے عشق کرنے سے پہلے میری ترجیحات تو دیکھتے۔“ زرشہ شدید مایوس نظر آرہی تھی۔“ تم۔۔۔ کیوں کیا ایسا؟ اس دن وہ بڑی گاڑی، وہ عالم انڈسٹریز کہ مالک بن کر وہ دکھاوا؟ کیا وہ سب مجھے ایمپریس کرنے کہ لیے تھا؟“ ”تم جہان ہو؟ میرے شوہر؟ مطلب میرے یعنی، زرشہ احسان علی کا نکاح تم سے ہوا ہے۔۔۔۔۔“ ”زرشہ اپنے حواس کھورہی تھی۔ وہ حواس باختہ لگتی تھی۔ اور عالم، وہ ہونق شکل بنائے اس عجیب و غریب لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔“ تم تو ٹھگ نکلے یار۔۔۔“ دیکھیں محترمہ! ”عالم کا فقرہ منہ میں ہی رہ گیا تھا۔ جھوٹے، دھوکے باز۔“ جذبات کو قابو میں۔۔۔۔۔ ”عالم کہ ساتھ پھر وہی ہوا تھا۔“ ”اس دن بڑی گاڑی کا رعب ڈالا۔ جھوٹی شناخت والے، دو نمبر آدمی!“ ”اب بس!“ ”عالم اب زرشہ کہ مد مقابل کھڑا تھا۔ زرشہ کا وجود دوپٹے سے عاری تھا۔ کا جل بہہ چکا تھا۔ آنکھیں سیاہ لگ رہی تھیں۔ پیشانی پہ تناؤ

Posted On Kitab Nagri

تھا۔ اور ہاتھ وہ اب عالم کہ سینے پہ تھے:۔“ کیوں؟ کیوں کھیلا تم نے میرے ساتھ کھیل؟ ”اس کا لہجہ اب روہانسا ہو رہا تھا۔“ جانتے ہو لڑکیوں کہ ارمان جب ٹوٹ جائیں تو کیا ہوتا ہے؟ وہ کیسا محسوس کرتی ہیں؟ ارے لڑکیوں کہ پاس ایک خواب ہی تو ہوتے ہیں جنہیں دیکھنے پر انہیں مکمل آزادی اور دسترس حاصل ہوتی ہے۔ تم نے میرے تمام خواب چکنا چور کر دیے۔ ”وہ اب عالم کہ سینے پر مکے برسا رہی تھی۔ اور عالم، وہ مٹھیاں بھینچے، سب برداشت کر رہا تھا۔“ جھوٹا تو وہ تھا۔ ”اس نے اماں سے جھوٹ بولا تھا۔“ دھوکے باز بھی وہ تھا۔ ”اس نے اماں کو دھوکہ دیا تھا۔“ دو نمبر بھی وہ تھا۔ ”اس نے سب کہ سامنے جہان بننے کا ڈرامہ کیا تھا۔ اس نے پاکیزہ کہ ساتھ اپنے رشتہ کا مذاق اڑایا تھا۔ اس نے کسی کا مان نہیں رکھا تھا۔ ہاں وہی قصور وار تھا۔ عالم کا دماغ اور ہی نہج پہ سوچ رہا تھا۔ اسے اب سامنے موجود لڑکی، بد تمیز، بد تہذیب اور زبان دراز نہیں بلکہ سچی لگی تھی۔ ایسی لڑکی، جس نے عالم کو حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔ وہ آئینہ جسے دیکھنے کہ بجائے عالم چہرہ ڈھانپ کہ گزر جایا کرتا تھا۔“ مم۔۔ مجھے کچھ کہنا ہے۔۔ ”عالم نے زرشہ کاشانوں سے پکڑنا چاہا تھا۔“ دور۔۔ دور ہٹو مجھ سے۔ خبردار جو مجھے ہاتھ لگانے کی جرأت بھی کی تو۔ ”زرشہ یوں بدک کر پیچھے ہٹی تھی، جیسے کسی سانپ نے اسے چھو لیا ہو۔“ بات سنیں گی تو غلط فہمی دور ہوگی آپ کی محترمہ! ”عالم جو اسے ڈھارس دینا چاہ رہا تھا، ہاتھ پہلو میں گراتے ضبط سے گویا ہوا۔“ کہنے سننے کو کچھ بچا ہی نہیں ہے۔ اور نہ مجھ میں ابھی کہنے سننے کی صلاحیت باقی بچی ہے۔ ”زرشہ ادھ موئی ہو کر بستر پر بیٹھ چکی تھی۔ وہ مزاج کی سخت لیکن دل کی معصوم تھی۔ ایسا عالم نے سوچا تھا۔ اس کہ ساتھ دھوکا ہوا تھا، وہ حق بجانب تھی۔ عالم کو اب بہت کچھ برداشت کرنا تھا۔ وہ جان چکا تھا۔“ کک کک کیا مطلب؟ ”عالم کو اسکی آخری بات سمجھ نہیں آئی تھی۔“ بھوک لگی ہے بھئی۔ صبح چائے کی آدھی پیالی کہ ساتھ ایک رس کھایا تھا۔ اور ابھی تک بھوک کی ہوں۔ مجال ہے جو کسی کو پرواہ ہو۔“ زرشہ اب اپنی پہ آگئی تھی۔ عالم نے بمشکل ہنسی لبوں تلے

Posted On Kitab Nagri

دبائی تھی۔“ اوہ تو ابھی تک آپ نے کھانا نہیں کھایا۔“ وہ فکر مندی سے گویا ہوا تھا۔“ آئیں! ہم باہر چلتے ہیں۔
آپ کھانا کھائیے گا، پھر ہم بات کر لیں گے۔“ زرشہ بھلا باہر کا کھانا کہاں مس کرنے والی تھی۔ ابھی بات عالم کہ
منہ میں ہی تھی کہ وہ جھٹ سے اٹھتی ہوئی گویا ہوئی۔“ چلیں۔۔۔۔۔“ اس نے سر پہ لٹکتا دوپٹہ اتار کر زمین پہ
دے مارا تھا۔ عالم کو اسکی حرکت عجیب لگی تھی۔ وہ ایسے ہی اس کی ساتھ جانے کو تیار تھی۔ ہاں ٹشو سے آنکھیں
ضرور صاف کر رہی تھی۔ عالم اسے کچھ کہنے کہ لیے لب واکرنا ہی چاہتا تھا کہ وہ عالم سے پہلے ہی باہر نکل گئی۔
عالم نے ایک نگاہ زمین پہ گرے دوپٹہ پہ ڈالی تھی۔ سفید دوپٹہ دیکھ کر اسے بے اختیار پاکیزہ کی یاد آئی تھی!

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔)
کچھ وقت بعد وہ لوگ چائے خانہ میں موجود تھے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس
حلیہ میں عالم زرشہ کو کہیں اور نہیں لے جاسکتا تھا۔ ہر طرح کہ لوگ، ہر طرح کی نگاہیں اس کہ بنا دوپٹہ کہ وجود
کہ آر پار کرتے، اور یہ بات عالم جیسا غیرت مند انسان بھلا کہاں برداشت کر سکتا تھا؟ وہ یہ سب کسی غیر عورت
کہ لیے بھی نہ برداشت پائے، یہ تو پھر اس کی اپنی عورت، اپنی عزت تھی۔“ اچھا تو مجھے یہاں لا کر، اپنی محبت کی
یادیں تازہ کرنا چاہتے ہو یا، مجھ پہ رعب ڈالنا مقصود ہے؟“ زرشہ نے ارد گرد نگاہ دوڑاتے ہوئے دیدہ دلیری سے
تبصرہ کیا تھا۔ اب عالم اسے کیا بتاتا کہ وہ یہاں کہ پچاس فیصد شیراز کا مالک ہے۔ اس جگہ کو وہ جس طرح چاہے
استعمال میں لاسکتا ہے۔ اس نے پہلے ہی مینیجر کو میسج کر کہ ایک ایریا خالی رکھنے کا بول دیا تھا۔ اس نے کھانے کا بھی
آرڈر بک کر دیا تھا۔ اس کہ لیے یہاں بُنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ زرشہ کو کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔

Posted On Kitab Nagri

مگر وہ کم از کم یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہاں کوئی بھی میل ویڑا نہیں سرو کرے، کیونکہ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ بعض آدمیوں کی نگاہیں عورت کا کس طرح اسکین کرتی ہیں، اور وہ بھی ایسی عورت کو جو رات کہ اس پہر عالم شاہ کہ ساتھ آئی ہو۔“ آپ ڈال لیں کھانا جو بھی آپ کو پسند ہو؟“ بلاآخر عالم نے گلا کھنکار کر بات کا آغاز کیا تھا۔“ تو پہلے کیوں نہیں بتایا، اتنی بھوک لگ رہی تھی۔“ عالم کا اشارہ زرشہ کی پشت پہ لگے کھانے کہ ٹیبل کی جانب تھا۔ وہاں ان دونوں کہ علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ پھر بھی عالم عادت سے مجبور ہو کر زرشہ کہ ساتھ اٹھکر کر میز تک آیا تھا۔“ یہ پلیٹ۔۔۔۔۔“ ابھی بات عالم کہ منہ میں ہی تھی کہ زرشہ نے عالم کہ ہاتھ سے پلیٹ تقریباً چھینتے ہوئے کہا۔ اور کھانا ڈالنے میں مشغول ہو گئی۔ عالم نے اس پر ایک گہری نگاہ ڈالی تھی۔ یہ اسکا حق بھی تھا۔ وہ اس کہ نکاح میں تھی۔ اس کہ بال دائیں بائیں بکھرے ہوئے تھے۔ جنہیں وہ بار بار کان کہ پیچھے اڑتی تھی۔ وہ عالم کہ کندھے تک بمشکل پہنچتی تھی۔ فی الوقت اس کی تمام تر توجہ کھانے کی جانب تھی۔ اسے کھانے سے لگاؤ تھا۔ ایسا عالم سوچ رہا تھا۔“ مجھے نا کھانے سے عشق ہے۔“ زرشہ نے زباں لبوں پہ پھیرتے بھری ہوئی پلیٹ کی جانب دیکھ کر کہا تھا۔“ اس نے میری سوچ پڑھی ہے؟“ عالم نے اچھنبے سے سوچا تھا۔“ اب سوچیں مت زیادہ، آپ بھی کھانا ڈال لیں۔ میں سارا تھوڑی نا کھا جاؤں گی۔“ زرشہ نے کھیرا منہ میں ڈالتے ہوئے، رخ موڑ کر کہا تھا۔ اور عالم کو لگا تھا کہ وہ وہیں منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ عالم نے تھوڑا سا سلا دیا اور چائینز رائس ڈالے تھے۔ چکن منچورین اس کا پسندیدہ تھا، لیکن یہ اس شیف نے تیار نہیں کیا تھا، جسکا اسے پسند تھا۔ لہذا اس نے اسے چھو اتک نہیں۔ وہ ایسا ہی تھا۔ اصول پسند! کھانے کہ دوران زرشہ کم ہی بول رہی تھی۔ اس کی تمام تر توجہ کھانا ختم کرنے پر تھی۔ عالم سوچ رہا تھا کہ بات کا آغاز کیسے کیا جائے۔“ وہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ جہان۔۔۔۔۔!!!“ میرا حق مہر!“ ابھی بات عالم کہ منہ میں ہی تھی کہ زرشہ نے جوابی حملہ کیا تھا۔ وہ پہلے سے تیار لگتی تھی۔ عالم جو سوچ رہا تھا کہ وہ

Posted On Kitab Nagri

کھانے میں مشغول ہے وہ غلط تھا۔“ مم مم مطلب!“ ”عالم بوکھلایا تھا۔“ مجھ پہ کوئی بھی حق جتانے سے پہلے میرا حق مہر ادا کرنا ہے تم نے مجھے۔“ ”زرشہ نے دو ٹوک انداز میں مدعا بیان کیا تھا۔ وہ آپ سے تم تک کا سفر بڑی آسانی سے طے کر رہی تھی۔ (جہان صاحب! میں نے سوچ رکھا ہے کہ ہر صورت تم سے جان چھڑا کر رہوں گی۔ تمہیں اتنا تنگ کروں گی کہ تم خود میرا ہاتھ تھام کر مجھے ماں کہ گھر چھوڑ کر آؤ گے۔ اب دس لاکھ تم جیسا تیس چالیس ہزار ماہانہ لینے والے ملازم کہ بس کی بات تو ہے نہیں۔ بڑا پیار تھا نا مجھ سے، اب بھگتو، زرشہ سے محبت کرنے کا انجام!) زرشہ کہ دماغ میں ایسا بہت کچھ چل رہا تھا۔ اس نے اپنی سوچ کا ایک رخ متعین کر لیا تھا۔ اور وہ اسی پر عمل پیرا تھی۔“ ”اور ہاں، ونیلا آئس کریم بھی!“ ”زرشہ نے عالم کو یاد دلایا تھا۔“ ”پروہاں ڈیزرٹس کی ورائٹی تو ہے۔“ ”عالم نے خود پر قابو پاتے، بُنے کنٹینرز کی جانب اشارہ کیا تھا۔“ ”وہاں سب ہے، لیکن جو مجھے چاہیے وہ نہیں ہے۔“ ”زرشہ نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔ وہ عالم کو تنگ کرنا چاہتی تھی، اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو رہی تھی۔ عالم کہ چہرے پہ چھانے والے سایے اسے سکون دے رہے تھے۔“ ”میں لے آتا ہوں۔“ ”عالم نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ زرشہ اب ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ چکی تھی۔ عالم کسی کو بلانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ زرشہ اسکی حالت سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔ کچھ ہی وقت بعد عالم آئس کریم کہ ساتھ موجود تھا، لیکن اب زرشہ غائب تھی۔ عالم نے آئس کریم میز پہ پٹخنے والے انداز میں رکھی، اور خود بھاگتا ہوا، ہال کا دورہ کرنے لگا۔ اس ہال میں خالی صوفہ اسکا منہ چڑا رہے تھے۔ زرشہ وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔“ ”کہاں چلی گئی یہ!“ ”عالم کا پارہ آسماں کو چھو رہا تھا۔ وہ یہاں کام کرنے والے چند ملازموں کی نیت اور عادتوں سے واقف تھا۔ اس کی مجبوری کہ وہ دوسرے پاٹرن کہ بندے تھے، وہ انھیں نکال بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن عالم نے ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا تھا، اور انھیں عالم سے اسی چیز کا بیر تھا۔ اب عالم سے ضد وہ کس صورت میں نکال سکتے تھے، یہ عالم اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ہاتھ

Posted On Kitab Nagri

سر پہ مارتا اب دوسرے ہال کی جانب گامزن تھا۔ وہاں کہیں کہیں لوگ بیٹھے کھانے سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ زرشہ کہیں بھی نہیں تھی۔ “واشروم!” اس کہ ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔ “وہ واشروم جاسکتی ہے۔ میں نے یہ سوچا کیوں نہیں؟” اس خود سے شرمندگی ہوئی تھی۔ اب وہ لیڈیز واشروم کی جانب تو نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے تھوڑا انتظار کرنا مناسب سمجھا تھا۔ لیکن مزید تین منٹ بعد بھی زرشہ کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ عالم کو اب حقیقی معنوں میں خطرے کا احساس ہوا تھا۔ زرشہ ضرور کسی بڑی مصیبت میں گرفتار تھی۔ عالم نے اپنے قابل اعتماد مینیجر کو مسیج بھیجا تھا۔ اسے سی سی ٹی وی کیمرہ کی ریکارڈنگ چیک کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ خود بھی باری باری ہر جگہ کی تلاشی لے رہا تھا۔ لیڈیز واشروم دو جگہ بنے ہوئے تھے۔ ایک جگہ تو عالم نے دیکھ لیا تھا، وہ وہاں نہیں تھی۔ ہاں دوسری جانب والے آپریٹو نہیں تھے۔ وہاں وہ جا نہیں سکتی تھی۔ ایسا اس نے سوچا تھا۔ اور وہ سوچنا چاہتا بھی نہیں تھا، کیونکہ ان کہ ساتھ ہی اسٹور روم اور چینجنگ روم تھا۔ جہاں دوسرے پارٹنر کا اسٹاف فارغ وقت میں سگریٹ وغیرہ پیتا تھا۔ کچھ ہی وقت بعد مینیجر کی جانب سے اسے کال موصول ہوئی تھی۔ زرشہ کو اسی جانب جاتے دیکھا گیا تھا۔ عالم کہ قدم من من وزنی ہو چکے تھے۔ وہ اڑ کر وہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ ان لیڈیز واشروم کہ باہر لکھا ہوا تھا کہ یہ آپریٹو نہیں ہیں۔ زرشہ وہاں بھی نہیں تھی۔ ساتھ موجود اسٹور روم کا دروازہ لاکڈ تھا۔ عالم نے ناب گھما کہ چیک کیا تھا۔ ہاں اسٹاف روم کہ دروازے کہ نیچے سے پہلی روشنی باہر جھانک رہی تھی۔ عالم قدم قدم آگے بڑھا تھا۔ اس نے دھیرے سے ناب گھمائی تھی: “جانے دو مجھے، چھوڑو۔ بے غیرت انسان۔ مجھے ہاتھ لگانے کی جرأت کی تو انگلیاں توڑ دوں گی۔” سامنے کا منظر کسی بھی مرد کہ لیے ناقابل یقین اور ناقابل برداشت تھا۔ وہ دو مرد تھے۔ زرشہ کہ پیچھے بھاگ رہے تھے۔ کمرہ چھوٹا تھا۔ درمیان میں کرسی نما صوفہ رکھا تھا۔ اسی کہ گرد وہ لوگ چکر کاٹ رہے تھے۔ بلند وبالا قہقہے ہوا کی نظر ہو رہے تھے۔ ان

Posted On Kitab Nagri

کہ ہاتھوں میں ادھ جلے سگریٹ تھے۔ وہ زرشہ کی حالت کا مزہ اٹھا رہے تھے۔ زرشہ دوپٹے سے عاری وجود کہ ساتھ ان کہ سامنے تھی۔ اس کا سفید لباس داغدار ہو چکا تھا۔ بال پیشانی پہ چپکے ہوئے تھے۔ “ایک عورت پہ اپنی مردانگی دکھانے کا بڑا شوق ہے نا تم لوگوں کو؟ ایک مرد کہ سامنے کیوں نہیں دکھاتے۔” عالم نے دروازہ پورا کھولنے کہ بعد، انھیں مخاطب کرتے کہا تھا۔ اس کی کنپٹی کی رگیں مارے غصے کہ سوجی ہوئی تھیں۔ اس نے شدت برداشت سے مٹھیاں بھیج رکھی تھیں۔ “جہان۔ جہان۔ شکر ہے تم آگئے۔” کچھ وقت پہلے والی زرشہ جو جہان کو نیچا دکھانے اور اس سے جان چھڑانے کہ درپے تھی، اب بھاگ کر اس کہ سینے سے لگی تھی۔ عالم نے اپنی سیاہ چادر زرشہ کو اوڑاھی تھی۔ وہ اس کہ بدن کو گندے لوگوں کی گندی نگاہوں سے محفوظ بنانا چاہتا تھا اور کچھ نہیں! “سر! آپ” وہ دونوں اب ہوش میں آچکے تھے۔ سارا نشہ ہوا ہو چکا تھا۔ عالم نے دونوں کہ چہرے تھپڑوں سے لال کیے تھے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ ان کہ چہرے شناخت کہ قابل ہی نہیں چھوڑے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ خون سے تر تر چہرے لیکر وہ دونوں زمیں پہ گرے پڑے معافی مانگ رہے تھے۔ عالم نے دونوں کو نہ صرف نوکری سے نکالا تھا بلکہ اب تک کی لی گئی تنخواہ کا پچاس فیصد حصہ ہر جانے کہ طور پر ہوٹل کو واپس کرنے کی بھی شرط عائد کی تھی۔ وہ پھر وہاں رکا نہیں تھا، بلکہ زرشہ کو بازو سے پکڑ کر وہاں سے نکال لایا تھا۔ زرشہ نے عالم کی سیاہ چادر، سر اور کپکپاتے وجود کہ ارد گرد مضبوطی سے اوڑھ رکھی تھی۔ وہ چادر کہ حصار میں خود کو محفوظ بنا رہی تھی۔ عالم کا رخ گاڑی کی جانب تھا۔ اس نے زرشہ کو گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا، اور خود گاڑی تیزی سے نکال کر وہاں سے لے آیا۔ اس کا تنفس ہنوز بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل تھا تھا جہاں کو آگ لگا دے۔ “میں عالم شاہ ہوں۔ اور عالم شاہ کی عزت پہ کوئی ہاتھ ڈالے، یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔” وہ مارے غصے کہ خود کلامی کر رہا تھا۔ اس کی سانسیں تھیں کہ ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ گاڑی مین روڈ پہ

Posted On Kitab Nagri

تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی، اسے گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ زرشہ لال ہوتی کلائی کو مسلتی ہوئی شاید رو رہی تھی۔ عالم نے اسے کلائی سے بہت زور سے بھینچا تھا۔ اور گاڑی تک لایا تھا۔ عالم کو بے اختیار اپنی غلطی پہ پشیمانی ہوئی تھی۔ ”آئی ایم سوری، میں نے آپ کو چوٹ پہنچائی۔“ عالم نے خود پر قابو پاتے، گاڑی کی رفتار کم کرتے کہا تھا۔ زرشہ وہاں سے غائب ہو کر جہان کو تکلیف دینے کہ چکر میں، خود اتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو سکتی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ زرشہ کی سسکیوں کی علاوہ گاڑی میں اب خاموشی تھی۔ جلد ہی گھر آ گیا تھا۔ عالم نے اٹھکر زرشہ کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ ”آپ آرام کریں۔ ماں کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور میرا آپ پہ کسی بھی قسم کا حق جتانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پھر بھی آپ کہ حق مہر کا چیک کل آپ کو مل جائے گا۔“ عالم نے زرشہ کو گھر کے اندر داخل کیا تھا۔ اور خود اپنی سنا کر واپس گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کیوں؟ لیکن وہ وہاں سے رخصت چاہتا تھا۔ وہ زرشہ کو اب نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ یہی وہ لڑکی تھی، جسے اس نے شمشیر سے بچایا تھا۔ اور آج ان ذلیل آدمیوں کے چُنگل سے۔ شاید خدا نے اسی لیے مرد کو عورت کا محافظ بنایا تھا۔ اور وہ ساری زندگی یہ فرض ادا کرنے کے لیے تیار تھا، لیکن وہ زرشہ سے بھی تھوڑی عقل اور سمجھداری کی توقع رکھتا تھا! ----- “ماں! وہ جہانزیب نے مجھ سے منگنی توڑ دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ زرشہ والے واقعے کے بعد وہ لوگ اس گھر سے کوئی ناتہ نہیں جوڑنا چاہتے۔“

مینا نے ماں کے پاؤں دباتے ہوئے اپنے دل میں کب سے دبی بات، ماں کے گوش گزار کی تھی۔ وہ ابھی بھی یہ بات نہ بتاتی اگر اس کی ماں اس کی شادی کا تذکرہ نہ چھیڑتی۔ “آئے ہائے، جہانزیب کی ایسی کی تیسری، ایسے کیسے وہ تجھ سے رشتہ توڑ سکتا ہے۔ بچپن کی منگنی ہے۔ ہمارے مرحوم والدین نے رشتہ جوڑا تھا۔ ایک ہی میرا بھائی ہے۔ اس کا بھی میرے علاوہ اس دنیا میں ہے ہی کون۔ جو وہ مجھ سے رشتہ توڑ کر کہیں اور جوڑنا چاہتا ہے۔ میں ان کی

Posted On Kitab Nagri

زندگیاں کہ حرام کردوں۔ ”وہ بھی زرشہ کی ماں تھیں۔ خبر سنکر ان کہ تن بدن میں انگارے جل اٹھے تھے۔“

”میں کروں گی بات بھائی سے۔ اور ایسی بات کروں گی کہ انھیں مرحوم والدہ کی یاد آجائے گی۔“ خوش بخت بیگم کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ “اب میں بھی ان میں اپنی بیٹی نہیں بیاہوں گی۔ ارے سمجھ کیا رکھا ہے انھوں نے، وہ نہیں رشتہ کریں گے تو کیا تو کنواری بیٹھی رہے گی۔ ہر گز نہیں، ایسی جگہ بیاہوں گی تجھے کہ دنیا دیکھے گی۔“ خوش بخت بیگم مینا کو اپنے عزائم سے آگاہ کر رہی تھیں۔ اور مینا تھی کہ ایک مشکل صورتحال میں پھنس چکی تھی۔ وہ زرشہ کی منتظر تھی۔ تاکہ اس سے مشورہ کر کے کچھ کر سکے۔ کیونکہ وہ ہر کام میں زرشہ کی رائے کو مقدم سمجھتی تھی۔ اب بھی اسے اسی کا انتظار تھا! ----- عالم نے ہارن دیا تو حویلی کا گیٹ کھلتا چلا گیا۔ اسے نہیں سمجھ آیا کیسے، مگر وہ حویلی موجود تھا۔ اسکا رخ سیدھا پاکیزہ کہ کمرہ کی جانب تھا۔ ایک وہی جگہ تھی، جہاں اسے سکوں میسر آتا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو ہلکی نیلی روشنی نے اسکا استقبال کیا۔ پاکیزہ شاید سو چکی تھیں۔ وہ جلد سوتی تھیں۔ پھر تہجد کہ وقت بیدار ہونا انکا معمول تھا۔ عالم کو کمرہ میں پہنچ کر ہی اطمینان کا احساس ہوا تھا۔ ایک عجیب سا سکوں تھا جو اس کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ وہ زرشہ والے واقعہ کہ کرب سے نکل آیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔ پاکیزہ کا چہرہ چادر کی قید سے آزاد تھا۔ نیلی روشنی میں اسکا دودھ سے دھلا چہرہ، قیامت ڈھا رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا، سیاہ آسمان کہ نیچ و نیچ، چودھویں کا چاند آب و تاب سے جگمگا رہا ہو۔ پاکیزہ کہ چہرے کی چمک، عالم کہ لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ اسے چھونا چاہتا تھا، لیکن پھر اس خیال سے کہ وہ اس نقش کو میلانہ کر دے، اس نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ کمرے میں موجود آرام دہ کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔ اس کا رخ ہنوز پاکیزہ کہ رخ کی جانب تھا۔ اس کہ عین سامنے ایک اور دروازہ تھا۔ یہ دروازہ پاکیزہ کی بیٹھک میں کھلتا تھا۔ جہاں وہ خواتین کہ مسائل سنتی تھیں، انھیں درس دیتی تھیں۔ قرآن و احادیث کہ بارے

Posted On Kitab Nagri

میں ضروری تعلیم فراہم کرتی تھی۔ سب اسے پاکیزہ کا حجرہ کہتے تھے۔ پاکیزہ کے چہرے سے نگاہ ہٹاتے ہی اسے زرشہ یاد آئی تھی۔ وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ عالم کو اسے چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ اسے اس وقت عالم کی ضرورت ہوگی۔ عالم کو اب خود پر غصہ آیا تھا۔ لیکن وہ زرشہ کی لاپرواہی کہ لیے اس سے نالاں تھا۔ اسے ہونا بھی چاہیے تھا۔ لیکن۔۔ جو بھی تھا، وہ مظلوم تھی۔ عالم کی عزت تھی، اسکی بیوی تھی۔ وہ اسکا محافظ تھا۔ نگہبان تھا۔ مختلف سوچیں عالم کہ دماغ میں تکرار کر رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔ کمرہ میں پہنچتے ہی زرشہ نے دروازہ مقفل کیا تھا۔ وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ آج وہ کس عذاب سے بچی تھی، وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ گرجان وقت پر نہ پہنچتا تو۔۔۔۔۔۔۔۔ تو۔۔۔ کیا برا ہو سکتا تھا اس کہ ساتھ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کی نگاہ اپنے وجود کہ گردلپیٹی چادر پہ پڑی تھی۔ وہ عالم کی چادر تھی۔ یایوں کہہ لیں کہ اسکی شناخت تھی۔ وہ کبھی بھی چادر کہ بغیر نہیں دیکھا گیا تھا۔ اور آج وہی چادر زرشہ کہ وجود کو گھرے میں لیے ہوئی تھی۔ زرشہ نے چادر میں جہان کو محسوس کیا تھا۔ اس کا دماغ جہان کی جانب جھکا جا رہا تھا: ”ایک منٹ زرشہ! یہی انسان اس وقت بھی وہاں پہنچا جب وہ شمشیر کمینہ مجھ سے دست درازی کر رہا تھا۔ اور آج بھی یہ عین وقت پہ پہنچ گیا۔“ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ میرا سامنے ہیر و بننے کہ چکر میں جان بوجھ کر اپنے خریدے گئے آدمیوں کو مجھ سے زبردستی کرنے کا حکم دیتا ہو، اور پھر، میری مدد کہ لیے ہیر و کہ طرح پہنچ جاتا ہو، تاکہ۔۔۔ تاکہ مجھے بھی اس سے محبت ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔

”چھی چھی چھی۔۔ کس قدر برے انسان نکلتے تو جہان۔۔۔۔۔۔ “زرشہ نے سیاہ چادر اتار کر زمیں پہ پٹنی تھی۔ اس کہ دل نے عجیب تانے بانے بنے تھے۔ اور وہ انھی کہ جال میں بری طرح گرفتار ہو چکی تھی۔ اس نے دل میں جہان کو سبق سکھانے اور اس سے جان چھڑانے کہ نئے منصوبے سوچ لیے تھے۔

Posted On Kitab Nagri

زرشہ کہ دل میں جہان کہ لیے موجود نفرت کا بیج اب بڑھکر تناور درخت بن چکا تھا۔ اگلی صبح وہ آنکھیں ملتی ذرا جلدی بیدار ہوئی۔ اس نے شادی کی پہلی رات ہی اس، ان چاہے بندھن سے چھٹکارے کہ کمال طریقے سوچ لیے تھے۔ وہ بھی اس طور کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ وہ اپنے لیے موجود کپڑوں میں سے، ایک اچھا سا جوڑا پہن کر، ہلکا میک اپ کرنے کے بعد، سچ سنور کر اماں کہ کمرہ میں موجود تھی۔ وہاں کام والی پہلے سے ہی اس کی منتظر تھی: ”اماں! تیری بہو بہت سوہنڑی ہے۔“ اس نے زرشہ کو دیکھتے ہی تبصرہ کیا تھا۔ اور اماں، دیوار ٹٹولتے اس کہ مد مقابل کھڑے ہو کر اس کہ چہرے پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ ”میرے جہان کی دوٹی ہے، کیسے سوہنڑی نہ ہوتی۔“ وہ اب اس کہ سر سے پیسے وار کر نوکرانی کو تنہا رہی تھیں۔ نوکرانی کی تو چاندی ہو چکی تھی۔ ”اماں وہ میں ذرا باورچی خانہ میں جانا چاہ رہی تھی، مجھے ناشتہ بنانا ہے۔“ زرشہ کمال مہارت سے جھجکنے، کہ اداکاری کر رہی تھی۔ ماں کہ گھر تو اس نے باورچی خانہ کہ صورت بھی ٹھیک سے نہیں دیکھی تھی، یہ الگ بات تھی۔ ”نہ بچے نہ، جھلی تو کیوں جائے گی باورچی خانے؟ چل اٹھ تو (ان کا اشارہ نوکرانی کی جانب تھا) جا، میری بہو کہ لیے ناشتہ لا۔“ اماں نے نوکرانی، یعنی، چنسیلی کو تو چلتا کیا اور خود زرشہ کا ہاتھ تھام کر اسے پاس بٹھایا اور کچھ اس طرح گویا ہوئیں: ”بیٹا جہان! مم میرا مطلب ہے وہ سو رہا ہے کیا اب تک؟ اسے تو دن چڑھے تک سونے کی عادت نہیں ہے؟“ اماں شاید جانتی تھیں کہ جہان موجود نہیں ہے، پھر بھی ایک موہوم سے امید تھی، کہ شاید وہ یہیں ہو۔ ”وہ اماں۔۔۔ چھوڑیں نا آپ انھیں۔ آپ بھی کیا قصہ لیکر بیٹھ گئیں۔ مجھے اپنے بارے میں بتائیں۔ جہان کی پسند نا پسند کہ بارے میں۔ انھیں کیا اچھا لگتا ہے کیا برا؟ کس بات پہ وہ خوش ہوتے ہیں؟ اور کس

Posted On Kitab Nagri

بات پہ ناراض؟ یا مجھے یہ بتادیں کہ وہ مجھ سے کیسے خوش ہوں گے۔۔۔۔۔؟ ”آخری فقرہ زرشہ کی زباں سے تیزی سے پھسلا تھا۔ اماں زیرک خاتون تھیں۔“ مطلب میرا شک درست تھا۔ جہان رات کو ہی تجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے تجھ پر غصہ کیا نا۔ ہاں؟ سچ بتا مجھے۔“ ”اماں کا پی ہائی ہو رہا تھا۔ زرشہ کا تیر عین نشانہ پہ لگا تھا۔“ نہیں نہیں۔ اماں۔۔۔ وہ تو بہت اچھے ہیں۔ بلکہ میں خوشنصيب ہوں کہ وہ مجھے ملے۔ انھوں نے تو مجھے کچھ ”کہا“ ہی نہیں۔“ ”زرشہ کا لہجہ روہانسا ہو چکا تھا۔ اب کی بار اس نے ساری بات دھیرے سے مکمل کی تھی۔ کن اکھیوں سے اماں کہ چہرہ کہ تاثرات جانچ رہی تھی۔“ ”اس نے تجھ سے بات تک نہیں کی۔۔۔!!!!!!“ اماں کا چہرہ مارے غصہ کہ لال ہو رہا تھا۔ زرشہ اب مزے سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، جہان کی بے عزتی کا سوچ کر ہی، مزے لے رہی تھی۔ اتنے مین چنبیلی ناشتہ لیکر پہنچ چکی تھی۔ گرما گرم پراٹھے، ساتھ میں گھر کا اچار اور سالن۔ اور بھاپ اڑانا چائے کا کپ۔ زرشہ کی تو بھوک مزید چمک اٹھی تھی۔“ چنبیلی تو جواب باہر کی صفائی کر۔“ اماں نے دانستہ چنبیلی کو بھگایا تھا۔“ بچے! جب تک میں زندہ ہوں تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس جہان تمہارے ساتھ جو بھی سلوک رکھے مجھے مطلع کرتی رہنا۔ اس کی باگیں کیسے کسنی ہیں، مجھے سب پتہ ہے۔“ اماں اب مٹھیاں بھینچے، بگڑے تنفس کو درست کرنے کی سعی کر رہی تھیں۔“ اماں ان کہ بغیر کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ پتہ نہیں انھوں نے کھانا کھایا ہو گا یا۔۔۔۔۔“ ”زرشہ پراٹھے کا تیسرا حصہ پیٹ میں ٹھونسنے کے بعد، انگلیاں چاٹتے، لہجہ بدل کر بولی تھی۔“ ہاں بچے، فرمانبردار اور اچھی بیوی کہ حلق سے بھلا شوہر کہ بغیر نوالہ کیسے نکلے گا۔“ اماں اب زرشہ کہ کندھے ٹٹول کر انھیں تھپک کر گویا ایک زخمی اور بیچاری دلہن کو دلاسہ دے رہی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ بیچاری دلہن چائے کہ کپ کہ علاوہ ناشتہ چٹ کرنے کہ قریب تھیں!

-----عالم کی آنکھ اس وقت کی جب اسے خواتین کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کہ اوپر چادر

Posted On Kitab Nagri

تھی، لیکن اسے اچھے سے یاد تھا، وہ تو یونہی آرام دہ کرسی پہ لیٹا تھا۔ اس کہ پاؤں، کرسی کہ سامنے پڑے ایک چھوٹی سی ٹپائی کہ اوپر تھے، پاؤں جو توں کہ قید سے یکسر آزاد تھے۔ وہ یکدم سیدھا ہوا تھا۔ ”پاکیزہ۔۔۔۔۔!!!“ اسے شدید شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ سامنے کا دروازہ جو پاکیزہ کی بیٹھک میں کھلتا تھا، وہ نیم وا تھا۔ پردہ برابر تھا۔ ہلکی روشنی آرہی تھی۔ یہ فجر کہ بعد کا وقت تھا۔ پاکیزہ چند خواتین کو نماز کی تعلیم دے رہی تھیں۔ ”بہنوں! ایک تو وہ نماز ہے ناجو بچپن میں ہم سب کو یاد کروائی گئی ہے۔“ وہ بہت دھیمابولتی تھیں۔ ”لیکن اب ضروری تو نہیں نا کہ ہم خود سے سیکھنے کی کوشش نہ کریں، اور بس اسی پہ جے رہیں۔“ عالم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ ”میں آج سے آپ کو روز تھوڑا تھوڑا کر کہ سکھاؤں گی کہ کیسے ہم نماز کو مزید خوبصورت اور پسندیدہ بنا سکتے ہیں۔“ بے اختیار عالم اپنی تمام تر حسیات سمیت پاکیزہ کہ منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ کی جانب متوجہ تھا۔ ”میں آپکو پانچ الفاظ سکھاؤں گی، یہ الفاظ آپ نے اس وقت ادا کرنے ہیں، جب رکوع سے اٹھیں گی۔“ وہ ایک ایک لفظ سہولت سے ادا کر رہی تھیں۔ ”بی بی جی! معذرت پر ہم تو“ سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد ”کہتے ہیں۔ بڑوں سے یہی سکھایا تھا جی، تو کیا ہم غلط پڑھتے رہے اب تک“ ایک عورت نے تحیر سے سوال کیا۔ مبادا اس کی اب تک کی نمازیں ضائع ہی نہ ہو گئی ہوں۔“ ارے نہیں ریشماں، ایسا ہر گز نہیں ہے۔ اب تم نے ہانڈی بنا کہ رکھ دی ہو، جیسے بناتی ہو۔ پھر اس پر گرم مصالحہ، دھنیا، مرچیں وغیرہ ڈالوں گی تو وہ مزید خوبصورت مزید ذائقہ دار ہوگی نا۔۔۔ اسی طرح نماز میں بھی ہم اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مد نظر رکھتے ہوئے، کچھ بڑھائیں گے تو وہ مزید نکھرتی جائے گی۔“ ریشماں جس کی ہانڈی گاؤں بھر میں مشہور تھی، سمجھ کر سر ہلارہی تھی۔

”آپ نے پڑھنا ہے: سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد۔ پھر ۱- حمد ۲- کثیر ۳- طیباً ۴- مبارکاً فیہ عالم نے بھی الفاظ انگلیوں پہ دھرائے تھے۔“ صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۷۹۹ میں آتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Posted On Kitab Nagri

کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو (سمع اللہ لمن حمدہ) کہتے، ایک شخص نے پیچھے سے کہا، (ربنا ولک الحمد، حمد اکثیر اطمینا مبارکافہ) آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کس نے یہ کلمات کہے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے۔ اس پر آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کہ میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کو لکھنے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے تھے۔“ پاکیزہ نے مسحور کن انداز میں گفتگو کا اختتام کیا تھا۔ عالم گواہ تھا کہ اسے آج تک اتنی خوبصورتی اور اتنی وضاحت سے کسی نے کچھ نہیں سمجھایا جتنا، پاکیزہ کہ درس نے اسے سمجھایا۔ پاکیزہ اب خواتین کو الفاظ یاد کرنے میں مدد کر رہی تھیں۔ عالم بھی دہرا رہا تھا۔ اور وہاں سے اٹھنے تک اسے الفاظ ازبر تھے۔

-----بلاخر آج مہینے کہ گیارہ تاریخ تھی۔ دلبرار بیگم کہ چھوٹے سے گھر کا کونہ کونہ مہک رہا تھا۔ عائشہ نے سارا کھانا تیار کر لیا تھا۔ آج دلبرار بیگم کہ اکلوتے سپتر عالم شاہ نے آنا تھا۔ وہ رات کہ اندھیرے میں یہاں آیا کرتا تھا۔ وہ محلہ اور علاقہ ایسا تھا کہ عالم شاہ جیسے انسان کی وہاں آمد کی بھنک بھی پڑ جاتی تو خبر لمحوں میں آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل جاتی۔ اور عالم کہ کاروباری دشمنوں کہ علاقہ اس کہ اپنے دلاور سائیں، جو سالوں سے دلبرار بیگم کی تلاش میں ہیں، وہ اس کی ماں کہ ساتھ کیا سلوک کرتے، اس کا اسے بخوبی اندازہ تھا۔ وہ بھیس بدل کر، دو سے تین گھنٹوں کہ لیے یہاں آتا تھا۔ اس کہ باپ نے خاندانی روایات، رسوم اور عقائد سے بغاوت مول لیتے ہوئے، دلبرار بیگم سے نکاح کیا تھا۔ ان کی منگنی، ان کی چچا زاد سے طے تھی۔ شادی سے چند دن قبل ہی انھوں نے خفیہ نکاح کر لیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی بیوی کر لیکر حویلی بھی پہنچ گئے۔ وہ اپنے بھائی شمشیر شاہ کہ چہیتے تھے۔ انھیں خاندانی گدی، یا پیر مریدی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ انھیں بس محبت تھی، اور وہ انھوں نے پالی تھی۔ شمشیر شاہ نے کمال عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے، اسے چھوٹے بھائی کی ضد تصور کی، وہ نہیں

Posted On Kitab Nagri

چاہتے تھے کہ بھائی ہمیشہ کہ لیے ان سے جدا ہو جائے، لہذا انھوں نے بھابھی کو قبول کر لیا۔ تب وہ نہیں جانتے تھے کہ دلبرار بیگم کا تعلق بدنام زمانہ محلے سے ہے۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے گئے۔ شمشیر شاہ کہ لیے یہی کافی تھا کہ شہباز کو خاندانی دولت، گدی نشینی اور جاہ جلال سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ان کی اولاد دلاور شاہ کو منتقل ہو جانا تھا۔ وہ ویسے بھی شہباز شاہ کو ایسے معاملات سے دور رکھتے تھے۔ جلد ہی عالم شاہ بھی دنیا میں آگیا۔ عالم جوانی کی دہلیز پہ قدم بھی نہ رکھ پایا تھا کہ اچانک سے دلبرار بیگم کی اصلیت کا شمشیر شاہ کو پتہ لگ گیا۔ بس پھر کیا تھا، رات کا وقت تھا، انھوں نے اگلی صبح شہباز سے بات کرنا مناسب سمجھا۔ وہ رات انھوں نے کانٹوں پہ گزاری۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک طوائف زادی کا نام ان کہ نام کہ ساتھ جڑا ہو۔ اب تو وہ انھیں وارث بھی دے چکی تھی۔ اس سے پہلے بات حد سے تجاوز کرتی، وہ دلبرار بیگم کا پتہ ہمیشہ کہ لیے کاٹنا چاہتے تھے۔ اگلی صبح حویلی پہ قہر بن کر ٹوٹی۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کہ مد مقابل تھے۔ عالم اس لمحہ پاکیزہ کہ پیچھے چھپا کھڑا تھا۔ شہباز شاہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر دلبرار جائے گی تو وہ بھی جائے گا، اور اسکا بیٹا بھی۔ شمشیر شاہ نے غصہ میں انھیں گھر سے نکال دیا تھا۔ الیکشن بھی سر پر تھے۔ اس وقت تو انھوں نے انتہائی قدم اٹھالیا، لیکن بعد میں بہت پچھتائے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بات نکل گئی تو خاندان کی بدنامی الگ ہوگی، اور وہ الیکشن بھی جیت جائیں گے۔ اور سب سے بڑھکر وہ عالم کو نہیں کھونا چاہتے تھے۔ اس میں انھیں اپنا مستقبل نظر آتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ دلاور اور عالم ملکر ایک دنیا پر راج کریں۔ انھوں نے شہباز کو منانے کہ لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ لیکن وہ بھی سمجھدار تھے، انھوں نے اپنی بیوی کو ایسی جگہ منتقل کیا، جسکا شمشیر شاہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور بیوی کو سختی سے تاکید کی کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، اپنا ٹھکانہ نہ چھوڑے۔ بھائی کو انھوں نے یوں مطمئن کیا کہ انھوں نے دلبرار کو طلاق دے دی ہے۔ وہ عالم کا مستقبل روشن چاہتے تھے، اور یہ تبھی ممکن تھا، جب وہ شمشیر اور

Posted On Kitab Nagri

دلاور کہ ساتھ رہتا۔ وہ تو اپنی گدی، اپنی جائیداد پہ حق نہیں جتا پائے، لیکن عالم کہ لیے انھوں نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ جب عالم بارہ پڑھ چکا، تو انھوں نے اپنے ایک جاننے والے کہ ذریعے، اسے باہر بھجوا دیا۔ بیوی کو قسم دی کہ وہ اپنے ٹھکانے کہ بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائے گی۔ انھیں عالم کی سلامتی سے آگاہ کیا جاتا رہا۔ وقت کی رفتار کبھی کم نہیں ہوئی۔ شمشیر شاہ اور شہباز شاہ کی وفات کہ بعد بھی وقت جاری رہا۔ عالم اعلیٰ تعلیم لیکر لوٹا تو حویلی کہ بجائے، اپنا کاروبار کیا۔ اور اللہ نے ایسی ترقی دی کہ ایک کہ ایک انڈسٹریز کا مالک بنتا چلا گیا۔ اسے باپ نے ماں کہ ٹھکانے کا پتہ دے دیا تھا، اور سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ ماں سے ملنا کبھی ترک نہ کرے۔ اس نے کبھی ترک کیا بھی نہیں تھا۔ وہ ترک کر ہی نہیں سکتا تھا۔ بھلا کوئی ماں سے ملنا بھی ترک کرتا ہے؟

----- پاکیزہ جب واپس کمرہ میں داخل ہوئی تو عالم کو تیار کھڑا پایا۔ اس نے وہی سفید سوٹ اور سیاہ چادر کر رکھی تھی۔ وہ جانے کہ لیے تیار لگتا تھا۔ ان دونوں میں بہت کم بات ہوتی تھی۔ “وہ میں۔۔۔ آپ کو کچھ بتانا چاہ رہا تھا۔” عالم نے بات کا آغاز کیا تھا۔ “میں بھی۔” پاکیزہ نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے ہاتھ گود میں رکھتے کہا تھا۔ “آپ بتائیں۔” عالم نے پاکیزہ کو معتبر جانا تھا۔ “پہلا حق آپ کا ہے۔” پاکیزہ اب دوپٹہ کھول رہی تھیں۔ انھیں بال بنانا مقصود تھے۔ عالم کو یاد تھا کہ پاکیزہ کہ بال اسے بہت پسند تھے۔ وہ یوں لہراتے تھے گویا کوئی جھرنابہہ رہا ہو۔ وہ اکثر انھیں چھیڑا کرتا تھا۔ آج بھی وہی خواہش دل میں جاگ اٹھی تھی۔ انھیں چھونے کی خواہش۔ بالوں کا لمس محسوس کرنے کی خواہش! وہ بے اختیار آگے بڑھا تھا۔ “میں نے سارے حقوق آپ کو تفویض کر دیے ہیں۔” اس نے پاکیزہ کا مان بڑھایا تھا۔ “آپ رہنے دیں۔” اس نے پاکیزہ کو روکا تھا۔ وہ اب خود پاکیزہ کہ چہرے کہ گرد اچھے سے لپیٹا سفید دوپٹہ کھول رہا تھا۔ پاکیزہ کا رخ اب سامنے لگے آئینے کی جانب تھا۔ وہ سفید لباس میں سامنے بیٹھی تھی۔ اس کہ پیچھے کھڑا شخص اس کا مجازی خدا تھا۔ جسے وہ چاہ کر بھی کوئی

Posted On Kitab Nagri

حق نہیں دے سکتی تھی۔ اس کی بیماری کی نوعیت ہی ایسی تھی۔ اسے بے اختیار شرمندگی ہوئی تھی۔ ”آپ شروع کریں۔“ عالم اب سر پہ پہنی سفید حجاب کیپ کو اتار رہا تھا۔ ”وہ گاؤں کی ایک لڑکی نے اونچی ذات کے لڑکے سے پسند کی شادی کی تھی۔ گھر سے بھاگ کر۔ تو دلا اور سائیں نے سزا کہ طور پر اس کی چھوٹی بہن کو، لڑکے والوں کہ سپرد بطور باندی کرنے کی سزا تجویز کی تھی۔“ پاکیزہ دھیمے بول رہی تھی۔ اس کی نگاہ اب گود میں جا ٹھہری تھی۔ جہاں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم پھنسائے ہوئے تھی۔ عالم نے جوں ہی حجاب کیپ اتاری، نجانے کتنے ہی بال اس کہ ساتھ جھڑتے چلے گئے۔ پاکیزہ کہ بال نہایت تیزی سے گر رہے تھے۔ اس کی بیماری بہت بڑھ چکی تھی۔ اس کا اندازہ عالم کو تب ہوا تھا جب اس نے پاکیزہ کہ بال سنوارنے کہ لیے ان میں ہاتھ پھیرا تھا۔ اس کا ہاتھ بالوں سے بھرچکا تھا۔ کئی جگہوں سے سر کی جلد نمایاں تھی۔ عالم کا دل پھٹ جانے کو چاہا تھا۔ پاکیزہ کتنی مضبوط تھی جو اپنی تکلیف پہ صبر کیے ہوئی تھی۔ ”میں نے اس بچی کو دلا اور سائیں سے کہہ کر اپنے پاس بطور نوکرانی رکھوایا تھا۔ لیکن اداسائیں، اب اصرار کر رہے ہیں کہ اس بچی کو ان کہ حوالے کروں، تاکہ وہ اسے اس کہ ”مالکوں“ کہ سپرد کر سکیں۔ اور میں نہیں چاہتی کہ یوں ایک معصوم بچی۔۔۔“ پاکیزہ نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی تھی۔ عالم کا دماغ سن ہو چکا تھا۔ وہ یہ منظر مزید دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس نے پاکیزہ کو دوپٹہ پھر سے ان کہ سر پہ رکھا تھا۔ ”آپ کیا چاہتی ہیں پھر۔“ اس نے کمال مضبوطی کا ثبوت دیتے ہوئے، بات کا رخ پلٹا تھا۔ ”وہ بچی بس ان ظالموں کہ حوالے نہ ہو۔ میں چاہتی ہوں، وہ یہیں میرے پاس رہے۔ اور اسکی بہن اور بہنوئی کہ لیے شہر میں چھاپے مارے جارہے ہیں، وہ لوگ اگر پکڑے گئے تو آپ تو جانتے ہیں کہ اس لڑکی کو سرعام سنگسار کیا جائے گا۔ بس انھیں محفوظ ٹھکانہ میسر آجائے۔“ مسلسل بولنے سے پاکیزہ کا تنفس بگڑ رہا تھا۔ ”آپ اطمینان رکھیں۔ مجھے بس اس کی بہن اور بہنوئی کو پتہ دیں۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔“ عالم جانتا

Posted On Kitab Nagri

تھا کہ ان دونوں کو یہاں سے بھگانے میں ضرور پاکیزہ نے مدد کی تھی۔ “آپ نے میری پریشانی کو اپنا سمجھ کر میرا بوجھ کم کیا ہے۔” وہ اب بمشکل بول رہی تھیں۔ “آپ نے مجھے اپنے لیے منتخب کر کے جو احسان مجھ پر کیا ہے نا، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔” عالم نے اپنائیت سے کہا تھا۔ اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا پاکیزہ کہ پاس وقت کم ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پاکیزہ جانتی تھی کہ وہ اب زیادہ اس دنیا میں نہیں رہنے والی، تبھی وہ اپنے معاملات نپٹا رہی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ہم سب کا قیام وقتی ہے۔ پھر بھی جب ہمیں معلوم ہو جائے، کہ ہمارا وقت اب نہایت کم رہ گیا ہے تو اس اذیت کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ “آپ میرے لیے پریشان مت ہوا کریں۔ مجھے زندگی نے وہ سب دیا جس کی مجھے ضرورت تھی۔” پاکیزہ نے عالم کو پڑھتے ہوئے کہا تھا۔ “آپ کہ لیے نہیں، خود کہ لیے پریشان ہوں۔ میں عالم ہوتے ہوئے بھی، کسی اپنے کی تکلیف سے کس قدر لاعلم تھا نا!” عالم کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔ وہ وہاں رکا نہیں تھا، تیزی سے نکل گیا تھا۔

جس طرح اس نے حویلی سے شہر کا سفر طے کیا تھا وہی جانتا تھا۔ گھر پہنچتے ہی ایک نیا امتحان اس کا منتظر تھا۔ “آج، تو میری ولیمے کی دعوت ہے، اور تُو اب آرہا ہے۔” اماں نے چھوٹے ہی جہان کی کلاس لی تھی۔ “وہ دفتر کہ کام سے کہیں جانا پڑ گیا۔” عالم دامن بچا رہا تھا۔ وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا، مزید نہیں الجھنا چاہتا تھا۔ شیر و نے پکوان تیار کروادیے تھے۔ اماں نے محلے میں باٹن کا عمل شروع کروادیا تھا۔ چند محلے والی خواتین نے آکر دِلہن کو منہ دکھائی بھی دی تھی۔ صبح کہ گیارہ بج رہے تھے۔ عالم ابھی تک بھوکا تھا۔ اسے یہ احساس کافی دیر سے جاگا تھا۔ اماں کی کام جلد از جلد نپٹانے کی عادت سے وہ بخوبی آگاہ تھا۔ “اب جلدی کرو، اور کھانا لیکر دِلہن کہ ساتھ اسکی اماں کہ گھر جاؤ۔ وہ بیمار ہیں، خود نہیں آسکتیں۔” اماں نے نیا حکم صادر کیا تھا۔ اماں کا لہجہ اور رویہ کافی بدلا ہوا تھا۔ عالم نے نوٹ کیا تھا۔ لیکن فی الوقت وہ یہ موضوع چھیڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ “دِلہن صبح سویرے بیدار ہو کر

Posted On Kitab Nagri

ناشتے کہ لیے تمہارا انتظار کرتی رہ گئی، اور یہ بر خور دار اب تشریف لائے ہیں۔ ”اماں ہنوز بولے جارہی تھیں۔ ساتھ ہی چنبیلی کو ہدایات بھی دے رہی تھیں۔ عالم اب سر جھٹکتا اپنے کمرہ کی جانب گیا۔ اسے زرشہ سے چند باتیں کرنا تھیں۔ زرشہ محلے کی خواتین سے ملے سلامی کہ پیسوں کو گن کر بیگ میں بھر رہی تھی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اس لال سوٹ پہنا تھا۔ دوپٹہ سلیقے سے کیا ہوا تھا۔ عالم کو اچھا لگا تھا۔ لیکن اسے دیکھتے ہی زرشہ کہ تیور بگڑے تھے۔“ تم دو نمبر اداکار! میں نے تمہاری ساری اداکاری کہ پر نچے نہ اڑا دیے ناتو میرا نام بھی زرشہ احسان علی نہیں۔ ”وہ اب انگلی کھڑی کر کہ اسے تنبیہ کر رہی تھی۔ پیسوں والا بیگ دانستہ پیچھے چھپا لیا تھا، مبادا، جہان اس سے چھین ہی نہ لے۔“ تو اسے عالم اور جہان کیا اصلیت کا پتہ لگ چکا ہے۔ ”عالم نے سوچا تھا۔“ چلو اچھا ہوا۔ ”دل نے گواہی دی تھی۔“ مگر اس نے اماں کو بتا دیا تو۔۔۔۔۔ ”دماغ نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا تھا۔“ وہ۔۔ میں۔۔ آپکو سب بتانا ہی چاہتا تھا گزشتہ رات، مگر۔۔۔ ”عالم پھر سے وہ واقعہ دہرا کر زرشہ کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ہاں پتہ ہے، پتہ ہے۔ میرے پیچھے جان بوجھ کر غنڈے بھیجے، تاکہ مجھے بچا کر ہیر و بن سکوں۔ میرے دل میں، زرشہ احسان علی کہ دل میں گھر کر سکوں۔ تم نے زرشہ کا پیار حاصل کرنے کہ لیے اس قدر اوجھے ہتھکنڈے استعمال کیے، واہ جہان، واہ! ”زرشہ کی گفتگو سن کر عالم کہ پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لاابالی، جلد باز ہے، مگر اس قدر بیوقوف بھی ہوگی، یہ عالم نے نہیں سوچا تھا۔“ اب یہ مت سوچو کہ میں بیوقوف کیوں نہیں بنی تم سے۔ ”زرشہ نے گم سم جہان کہ سامنے چٹکی بجائی تھی۔“ چلو، بیٹا، کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ بچی کو اسکی اماں کہ گھر لیجاؤ۔ ”اماں باہر سے آوازیں لگا رہی تھیں۔ عالم جو دو انتہاؤں (پاکیزہ اور زرشہ) کی بیچ بری طرح پھنس چکا تھا، باہر نکلتا گویا ہو:“ آپ آجائیں، میں گاڑی میں آپکا انتظار کر رہا ہوں۔“

Posted On Kitab Nagri

پاکیزہ گرنفاسٹ، پاکیزگی، عمدگی، سمجھداری اور نیکی کی انتہا پر تھی تو زرشہ بیوقوفی، ناسمجھی اور جلد بازی کی انتہا پر تھی۔ اور عالم کو دونوں انتہاؤں کو لیکر چلنا تھا۔ یہی اسکا امتحان تھا!

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کاروائی کی جائے گی۔)

”میں آپ سے کچھ اہم بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اپنے بارے میں اور اماں کہ بارے میں ایک ایسا راز ہے، جو آپ کہ علم میں ہونا نہایت ضروری ہے۔“ گاڑی چلاتے ہوئے عالم نے بلاخر بات کا آغاز کیا تھا۔ وہ زرشہ کو جہان کی اصلیت کہ علاوہ، اپنے اور پاکیزہ کہ نکاح کہ بارے میں بھی بتانا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زرشہ سے کچھ بھی چھپا رہے، پھر اس کہ بعد فیصلہ زرشہ کا تھا، وہ اس کہ ساتھ رہنے کو ترجیح دیتی ہے یا۔۔۔۔۔!!!!“ جلدی بولو، پھر مجھے بھی کہنا ہے کچھ، بلکہ مجھے جانا ہے کہیں۔“ زرشہ جو عالم شاہ کو زچ کرنے کہ سارے حربے اور ہتھیار ساتھ لائی تھی، مصنوعی ناراضگی سے گویا ہوئی۔ وہ اب سر پہ سلیقے سے کیا ہوا دوپٹہ اتار کر گلے میں ڈال رہی تھی۔ عالم کن اکھیوں سے اسے یہ سب کرتا دیکھ رہا تھا۔ وہ جو کچھ وقت پہلے تک زرشہ کہ اس حلیے کو من ہی من میں سراہ رہا تھا، اُس کی اس حرکت پہ پہلو بدل کہ رہ گیا۔“ بلکہ اپنی چھوڑیں، مجھے مارکیٹ لیکر جائیں پہلے۔ کوئی ایک بھی ڈھنگ کا سوٹ نہیں ہے میرے پاس۔ ایسے ہوتی ہے شادی، نہ کپڑے نہ جوتے نہ میچنگ بیگ، نہ جیولری اور نہ میک اپ کا سامان۔“ زرشہ اب ایک ایک کر کہ اپنی فرمائشیں گنوار ہی تھیں۔ اسے گر شادی کا کبھی شوق رہا تھا تو اس کہ پیچھے یہی عوامل کار فرما تھے۔“ شادی کہ بعد لڑکی کو ڈھیر سارا سامان ملتا ہے۔“ وہ ایک زمانہ میں یہی سوچ کر شادی کی خواہاں تھی۔ اس کا موڈ ہنوز بگڑا ہوا تھا۔ گو کہ بظاہر تو یہ سب عالم

Posted On Kitab Nagri

کو تنگ کرنے کا ڈرامہ تھا، لیکن عالم واقعی اس کی بات سنکر قدرے شرمندہ ہوا تھا۔ اس کی شادی ان حالات میں ہوئی تھی کہ وہ زرشہ کے لیے کچھ بھی نہ لے سکا۔ ”آپ نے اپنی اماں کی طرف نہیں جانا پہلے؟“ ”عالم اب گاڑی ایک طرف لگا کر زرشہ کی جانب متوجہ تھا۔ جو دوپٹہ کو گلے سے اتار کر اب گود میں رکھ رہی تھی۔ عالم نے بمشکل خود کو قابو میں کیا تھا۔“ ”نہیں بھئی، مال جانا ہے۔“ ”(زرشہ کسی چھوٹی موٹی دکان یا اتوار بازار کا تواب نہیں بولے گی۔ کسی بڑے مال لے جا کر تیری جیب خالی کر وا کہ تیری ساری تنخواہ ایک ہی بار میں نہ اڑائی تو میرا نام بھی زرشہ احسان علی نہیں۔) زرشہ نے حکم صادر کیا تھا۔ عالم نے گاڑی موڑ لی تھی۔ زرشہ گو کہ اپنی کامیابی کا جشن منا رہی تھی، لیکن اتوار بازار میں، بابا فضل کو ریڑھی والی آلو کی چپس جس کہ اوپر وہ سبز چٹنی اور لال کیچپ ڈال کر دیتا تھا، بڑی یاد آئی تھی، وہ جب بھی وہاں جاتی تھی ضرور لیتی تھی۔ اس نے بے اختیار لبوں پہ زباں پھیری تھی! کچھ ہی وقت بعد وہ ایک بڑے مال کی پارکنگ میں موجود تھے۔ عالم سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے زرشہ کو ہدایات دینے کے لیے لب واکر نے ہی لگا تھا کہ وہ گود میں پڑا دوپٹہ پچھلی سیٹ پہ اچھالتے، چھلانگ لگا کر گاڑی سے اتری۔ اس کی خوشی دیدنی تھی۔ پہلے وہ اس، ”مہنگے مال“ کو صرف باہر سے دیکھ کر ہی آئیں بھرتی تھی۔ وہ کمینہ آصف بھی اسے یہاں سے کچھ نہیں دلا سکا۔ اب اس کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا تھا۔ عالم مٹھیاں بھیچے ضبط کہ گھونٹ پی کر رہ گیا۔ لیکن اب وہ فقط ضبط پہ ہی قناعت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گاڑی لا کر کہ گھوم کر زرشہ کی جانب آیا تھا۔ زرشہ لال جوڑا پہنے، ہلکے میک اپ اور بنادوپٹہ کہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ بال دونوں جانب سے شانوں پہ بکھرے تھے، جبکہ باقی کمر پہ اٹھکلیاں کر رہے تھے۔ اس کہ دانت اندر جانے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ وہ اس وقت مہنگے والے مال میں موجود تھی، یہ خیال ہی سوہان روح تھا۔ ایسے میں عالم دیوار بن کر اس کا راستہ روکنے کی جسارت کر بیٹھا تھا: ”کیا مسئلہ ہے یار تمہارا؟“ ”زرشہ کا موڈ بگڑ رہا تھا۔“ ”برائے مہربانی

Posted On Kitab Nagri

اپنے حلیہ پہ نظر ثانی فرمائیں۔ ”عالم نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔“ کیا ہو امیرے حلیہ کو؟“ زرشہ نے سر تاپا اپنا جائزہ لیا تھا۔“ اوہ ہاں! وہ جینز میرے پاس تھی نہیں نا، تبھی یہ عجیب سا ٹراؤزر پہننا پڑا۔“ زرشہ ٹراؤزر درست کرتی گویا ہوئی تھی۔ وہ اپنی سنا کر رکی نہیں تھی، بلکہ اس نے لفٹ کی جانب قدم بڑھا دیے تھے۔“ آہ پاکیزہ!“

عالم کہ منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ وہ شدید جھنجھلایا ہوا لگتا تھا۔ اس کہ صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔ کسی بھی لمحہ چھلک سکتا تھا، اور اسے اسی لمحے کا خوف تھا۔ اسے کبھی کبھی دلہار بیگم کی ایک بات بڑی یاد آتی تھی: ”عالم مجھے تیرے بے جا صبر سے نا کبھی کبھی خوف آتا ہے، کیونکہ صبر کہ بعد جو قہر تیری رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے نا، میں دعا کرتی ہوں کہ اُس قہر سے اللہ تیرے دشمنوں کو بھی محفوظ رکھے۔“ اور اب عالم کا بے جا صبر، قہر میں تبدیل ہو رہا تھا۔

خوش بخت بیگم نے آج اپنے بھائی کو گھر مدعو کیا تھا۔ وہ ان سے مینا کہ رشتہ کو لیکر دو ٹوک انداز میں بات کرنا چاہتی تھیں۔ ان کہ بیٹے نے مینا سے منگنی ختم کی تھی، اور اس کہ بعد سے اس کہ گھر والوں نے کوئی رابطہ نہ قائم کیا تھا اور نہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ زرشہ کی رخصتی کہ بعد، خوش بخت بیگم تازہ دم ہو چکی تھیں۔ ظاہر ہے اتنی بڑی آفت، اپنے سر سے اتار کر کسی دوسرے کہ سر پہ جو تھوپ دی تھی۔ لیکن انھیں جہان سمجھدار لگا تھا، جبکہ اسکی اماں بھی زیرک اور زمانہ شناس خاتون تھیں، وہ جانتی تھیں کہ وہ زرشہ کو، ”سنجھال“ لیس گی۔“ یہ تم نے اچھا نہ کیا بھائی۔ میری بچی کا گھر بسنے سے پہلے ہی اجاڑ دیا۔ کیا ایسے ہوتے ہیں بھائی؟ کیا باز نہ ہوتے تو تمھیں یہ سب کرنے کی اجازت دیتے؟ اور اماں؟ گر اماں آج ہمارے درمیان ہوتیں تو تمھاری ہمت ہوتی یہ گھٹیا قدم اٹھانے کی؟“ مینا کی اماں بھائی سے گلے شکوے کر رہی تھیں۔ جبکہ ان کہ بھائی کا موڈ کچھ اور ہی کہانی سنارہا تھا۔ ”دیکھو بہن! مجھے جذباتی ڈرامہ کرنے اور دیکھنے کی عادت نہیں ہے، تم میری طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں مذہبی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔

Posted On Kitab Nagri

الحمد للہ! اور تم اچھے سے جانتی ہو کہ تمھاری بڑی بیٹی نے جو گل کھلایا ہے نا، اس کے بعد میں تو کیا کوئی بھی تمھاری بیٹی سے، یا تمھارے گھر سے کسی بھی قسم کا رشتہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے مرحوم اماں اور ابا کا واسطہ دینے سے پہلے اپنی بڑی بیٹی کو اس کے مرحوم باپ کا واسطہ دیتی، تو شاید آج تم اس مقام پر نہ پہنچتی۔ ”ان کے بھائی نے بنا لگی لپٹی کہ اپنے فیصلہ اور اپنی سوچ سے آگاہ کیا تھا۔“ بھائی تو کیا نہ ہی جماعت والوں کو اپنی زباں سے پھرنے اور کسی دوسرے کی بیٹی کے مستقبل سے کھیلنے کی اجازت ہوتی ہے؟ ”خوش بخت بیگم کا لہجہ بھیگ چکا تھا۔ بات ان کی مینا کی تھی، زرشہ کی ہوتی تو وہ چپ کر جاتیں، بلکہ زرشہ خود ہی نمٹ لیتی، لیکن مینا، مینا بہت سعادت مند اور فرمانبردار بچی تھی۔ اور خوش بخت بیگم اسے لیکر بے تحاشہ جذباتی ہو جایا کرتی تھیں۔ زرشہ گر مرحوم باپ کی لاڈلی تھی تو مینا اپنی ماں کی آنکھ کا تارا تھی۔ آج اسی تارے کو گرہن لگ رہا تھا، بھلا خوش بخت بیگم یہ کہاں برداشت کر سکتی تھیں۔ بیٹھک میں ماحول گرم ہو رہا تھا۔ دونوں بہن بھائی نجانے کون کون سے محاذ کھول کر بیٹھ گئے تھے۔ تبھی زرشہ اور عالم مال سے واپسی پر وہاں کھانا لیکر پہنچے تھے۔ عالم زرشہ پہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ مال میں اس کی حرکتوں کے علاوہ، اس کے حلیہ نے عالم کے صبر کا بری طرح امتحان لیا تھا۔ وہ اب صحیح معنوں میں زرشہ کو لیکر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ حیرت انگیز طور پر زرشہ گھر میں پورے اہتمام کے ساتھ داخل ہوئی تھی، یوں جیسے کوئی نیک پروین بچی، شادی کے بعد میکہ آتی ہے۔ دوپٹہ سلیقے سے سر پہ جما لیا تھا۔ نگاہیں نیچی تھیں اور لب بالکل خاموش۔ عالم سے دو قدم پیچھے چل رہی تھی، جبکہ اسی زرشہ کو عالم پورے مال ڈھونڈتا پھرتا رہا تھا۔ عالم نے اس کا سارا کھیل سمجھ لیا تھا۔ اسے اب اماں کی کہی ہوئی باتیں، ان کا لہجہ، اور بدلا رویہ یاد آیا تھا۔ مطلب یہ لڑکی میرے ساتھ ڈرامہ کر رہی ہے؟ کھیل کھیل رہی ہے؟ مجھے ستا رہی ہے؟ جان بوجھ کر مجھے تنگ کرنے کے لیے ہر وہ کام کر رہی ہے، جس سے مجھے چڑھو؟ عالم کے ذہن و دل میں جھماکے ہو رہے تھے۔ اس کے دل میں

Posted On Kitab Nagri

زرشہ کہ لیے محبت تو پہلے بھی نہیں تھی، ہاں اب نفرت ضرور پنچے گاڑ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ میں ہی الجھا ہوا تھا، جب مینارونی صورت اور سوجی ہوئی لال آنکھیں لیے اسے سلام کرنے کی غرض سے آگے بڑھی۔ اونچی آوازیں اسے حال میں واپس لے آئی تھیں۔ “وہ۔۔۔ ماموں آئے ہیں۔” مینا نے زرشہ کو مخاطب کرتے بس اتنا ہی کہا تھا۔ “تو یہ شور کیوں ہے؟” عالم کہ لبوں سے بے اختیار پھسلا تھا۔ “ماموں نے رشتہ، مطلب میرا رشتہ ختم۔۔۔!!!” مینا بس اتنا ہی کہہ پائی، اور کمرہ کی جانب بھاگ گئی۔ اسی اثناء میں اس کہ ماموں اپنے بیٹے کہ ساتھ بیٹھک سے برآمد ہوئے۔ وہ خوش بخت بیگم کو بری طرح ڈانٹ رہے تھے۔ انھیں بیٹیوں کہ گندی تربیت کرنے پر کوس رہے تھے۔ “اوہ۔۔۔ عالم شاہ صاحب آپ۔۔۔!!!!” اس کہ ماموں کی نگاہ، انھیں ہی چبتي نگاہوں سے گھورتے عالم شاہ پر پڑی تھی۔ ان کا مزاج، چال اور لہجہ یکدم یوں بدلاتا تھا جیسے کسی نے شیرینی گھول دی ہو۔ دونوں باپ بیٹا عالم کہ سامنے بچے جارہے تھے۔ خوش بخت حیرت سے سامنے کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ زرشہ پہلے ہی مینا کہ پیچھے کمرہ کی جانب نکل گئی تھی۔ “خوش بخت، تم نے بتایا نہیں کہ تم انھیں، (اشارہ عالم کی جانب تھا) جانتی ہو۔ بھی انھی کہ صدقات کی بدولت ہی تو ہمارے مدر سے چل رہے ہیں۔ اور تو اور یہ میرا بیٹا بھی انھوں نے ہی بھرتی کروایا تھا۔” اس سے پہلے کہ وہ عالم کی شان میں مزید قصیدے پڑھتے، عالم نے ہاتھ اٹھا کر انھیں مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔ “آنٹی! کیا معاملہ ہے؟” عالم کا رخ اپنی ساس کی جانب تھا۔ پہلے مینا اور پھر ساس کی سوجی آنکھوں نے کہانی عالم کو کافی حد تک سمجھا دی تھی۔ “وہ بب بیٹا، یہ۔۔۔ وہ مینا۔۔۔ میرا مطلب ہے میرے بھائی ہیں۔ اور مینا کہ ہونے والے سسر۔۔۔” خوش بخت بیگم اپنے داماد کی اصلیت سن کر پہلے ہی دم بخود تھیں، اوپر سے انھیں اپنی بے عزتی کا بھی خوف تھا۔ اور پھر زرشہ کی حقیقت گر سامنے آجاتی تو؟ جس خوف کی بنا پر انھوں نے بنا سوچے سمجھے زرشہ کو داماد کہ سر تھوپا تھا، آج وہی خوف پورے آب و تاب سے ان کہ سامنے جلوہ

Posted On Kitab Nagri

نما تھا۔ ایسے میں گھبراہٹ تو بنتی تھی!“ ان خواتین کو چھوڑیں عالم صاحب! ان کہ ڈرامے ختم نہیں ہوتے۔ بھلا کہاں میرا بچہ اور کہاں ان کی بیٹی۔ ان کی بڑی بیٹی پہلے کالج سے واپسی پر بڑی گاڑی میں بیٹھ کر غائب ہوئی، اور پھر رات کہ سیاہ اندھیرے میں بڑی گاڑی میں ہی واپس پہنچی۔ اور اتنا سب ہونے کہ بعد یہ چاہتی ہیں کہ مجھ جیسا شریف انسان ان کہ ساتھ نانا قائم رکھے۔“ زرشہ کہ ماموں تمیز الدین صاحب اب حد سے بڑھ رہے تھے۔ مینا نے زرشہ کو مختصر الفاظ میں ساری کہانی سنادی تھی۔ وہ ماموں کو منہ توڑ جواب دینے کہ لیے ہی وہاں پہنچی تھی، جہاں پہلے سے عالم کہ سامنے عدالت لگی ہوئی تھی۔“ ماموں!“ زرشہ نے دور سے ہی غصہ سے ماموں کو باوازِ بلند پکارا تھا۔ جبکہ عالم نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا۔ نجانے عالم کہ چہرے پہ ایسے کون سے سائے تھے، جنہوں نے زرشہ جیسی افلاطون کو بھی زباں بند رکھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔“ یہی ہے سروہ گھٹیا لڑکی، جو دن دھاڑے غائب ہوتی ہے اور رات کہ اندھیرے میں گل چہرے اڑا کر اپنے یار کہ ساتھ واپس آتی ہے۔ شکر ہے نہ ان کا کوئی بھائی ہے اور نہ ہی ان کا باپ زندہ ہے، ورنہ وہ دونوں تو اس بدنامی سے ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔“ اب کی بار تمیز الدین کہ صاحبزادے نے حقارت سے زرشہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے عالم کو حقیقت سے روشناس کروایا تھا۔“ تڑاخ“ کچھ ہی وقت بعد فضا اس آواز سے گونج اٹھی تھی۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ لڑکا ز میں پہ گرا پڑا تھا۔ اس کہ ہونٹ کہ کناروں سے خون رس رہا تھا۔ عالم نے اسی پر بس نہیں کیا تھا، اسے نے نیچے جھک کر اس لڑکے کو گریبان سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تھا اور دیوار سے جا لگایا تھا۔ اس کا سانس تھم رہا تھا۔ آنکھیں آسمان پہ جاٹھری تھیں۔ پاؤں خلا میں جھول رہے تھے۔ ہوش آنے پر خوش بخت اور تمیز الدین صاحب عالم کی جانب لپکے تھے۔“ بیٹا اسے چھوڑ دو۔ یہ مر جائے گا۔ بیٹا تمہیں واسطہ دیتی ہوں، چھوڑ دو اسے۔“ خوش بخت خاتون اب عالم کی منت کر رہی تھیں۔ عالم کا جنوں کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ یا اس

Posted On Kitab Nagri

کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا قہر، بلا آخر سامنے آرہا تھا۔ عالم نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا چہرہ نیلا ہو رہا تھا۔ تمیز الدین صاحب اب عالم کہ پاؤں میں بیٹھ چکے تھے۔ عالم کی گرفت ہنوز مضبوط تھی۔ مینا دوڑ کر عالم کہ پاس پہنچی تھی۔ زرشہ کو تو جیسے سانپ سو نگھ گیا تھا۔ وہ اُس کو دیکھ رہی تھی، اپنے مجازی خدا کو، اپنے محافظ، اپنے نگہبان کو، جس نے اس کہ شان میں گستاخی کرنے والے کو موت کی سزا سنائی تھی۔ اور فقط سنائی نہیں تھی بلکہ اسے موت دینے بھی جارہا تھا۔ “بھائی! اسے جانے دیں۔” “بھائی، اپنی بہن کی خاطر اس کی جان بخش دیں۔” مینا نے عالم سے التجا کی تھی۔ عالم کی گرفت لڑکے کہ گریبان پہ ڈھیلی ہوئی تھی۔ اور پھر عالم نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ اور وہ سیدھا زمیں پہ گرا تھا۔ اسے کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا۔ یوں جیسے موت کہ فرشتے دروازے سے واپس مڑ گئے تھے۔ اس کا باپ اس کی ہتھیلیاں مل رہا تھا جبکہ لوش بخت خاتون اسے پانی پیش کر رہی تھیں۔ عالم کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ وہ پھر مڑا تھا۔ اس لڑکے کہ عین سامنے پاؤں پہ بیٹھا تھا۔ نیلے اور سرخی کہ امتزاج سے رنگیں ہوتے اس کہ چہرہ کو تھوڑی سے پکڑ کر اوپر کیا تھا۔ “آئندہ اپنی زباں سے میری بیوی کہ بارے میں ایک بھی لفظ ادا کیا نا، تو ایک بار نہیں، سو بار موت دوں گا۔۔۔۔۔!!!!!!” “زرشہ بیوی ہے میری۔” “زرشہ عالم شاہ کی بیوی ہے۔” “وہ زرشہ عالم شاہ ہے۔” “زرشہ عالم شاہ۔۔۔!!!!!!” عالم شاہ نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کی تھی۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ ابھی بھی وہ اسے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اب وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ “اور ہاں ایک اور بات مولوی صاحب! گر آپ خواتین کی عزت نہیں کر سکتے، تو یقین جانے، آپ اس دھرتی پہ بوجھ سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ جس دین کا آپ دم بھرتے ہیں، اسی دین نے عورت کو جو مقام و مرتبہ دیا ہے، ذرا اس کی تعلیم خود بھی حاصل کریں اور اپنی اس ناخلف اولاد کو بھی دلوائیں۔” تمیز الدین صاحب کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ عالم کہ سامنے کچھ کہنا تو دور کی بات اونچا سانس لینے کی جسارت بھی نہیں رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عالم شاہ

Posted On Kitab Nagri

کس چیز کا نام ہے۔“ میں آپ کو کیا کسی کو بھی اس قابل نہیں سمجھتا کہ اپنے اعمال کی وضاحت دوں، پھر بھی ایک بات کلیئر کر رہا ہوں، کہ زرشہ اُس دن میرے ساتھ تھی، میری گاڑی میں یعنی ”اپنی“ گاڑی میں آئی تھی گھر۔ اپنے شوہر کے ساتھ۔ اور جس گاڑی میں وہ گئی تھی، وہ اس کے جیٹھ دلاور شاہ کی گاڑی تھی۔ آپ کہ جاننے کے لیے اتنا کافی ہے۔“ عالم نے اپنا سنا کر انھیں جانے کا اشارہ کیا تھا۔ تینوں خواتین دم بخود سی اس جوان کو دیکھ رہی تھیں، جس نے ان کے لیے باپ، بھائی، محافظ اور نگہبان کا فرض ادا کیا تھا۔ وہ زرشہ کے لیے شوہر، مینا کے لیے بھائی، اور خوش بخت خاتون کے لیے بیٹا بن کر آیا تھا۔“ عالم صاحب، ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں، مینا میری اپنی بچی ہے۔ ہم اسے جلد ہی رخصت کر کے لے جائیں گے۔ بچے کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔“ تمیز الدین صاحب نے یکدم رنگ ہی نہیں پینترا بھی بدلاتھا۔“ مینا کا بھائی ہونے کے ناطے میں اس رشتہ سے انکار کرتا ہوں۔ آپ لوگ یہاں سے جاسکتے ہیں۔ مینا کی شادی کی ذمہ داری میری ہے۔ وہ“ میری ”بہن ہے۔ عالم شاہ کی بہن ہے۔ اسے کہاں بیاہنا ہے اس کا فیصلہ مینا کا اور میرا ہو گا۔“ عالم شاہ نے انھیں دروازے کی راہ دکھائی تھی۔ اس نے بات ہی ختم کر ڈالی تھی۔ یہی نہیں اس نے خواتین کو بھی اشارہ کیا تھا کہ محفل برخواست ہو چکی ہے لہذا اندر تشریف لے جائیں۔ یہ مہمانوں کو پیغام تھا کہ ان کی دال اب نہیں گلنے والی لہذا یہاں سے رخصت لیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد، اس نے مینا سے پانی منگوایا تھا۔ وہ ان سب کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا، انھیں اپنی اصلیت بتا دینا چاہتا تھا لیکن، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی اصلیت یوں، اس طرح سب کے سامنے آجائے گی۔ پانی حلق میں اتارنے کے بعد اس نے عالم سے جہان بننے کی ساری کہانی، مختصر الفاظ میں ان سب کے گوشگزار کی تھی۔“ میں نہیں چاہتا کہ اماں کو میری اصلیت پتہ چلے۔ جب تک اور جہاں تک ہو سکا، میں اس حقیقت کو اماں کے کانوں سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔“ عالم نے یہاں پہ بات کا اختتام کیا تھا۔ اور زرشہ، وہ تو دیوانی ہو چکی تھی۔ عالم کی اصلیت

Posted On Kitab Nagri

کہ علاوہ، یوں اسکا زرشہ کو قبول کرنا، سرعام قبول کرنا۔ اس کہ لیے دیوار بن کر کھڑا ہونا۔ اس کا، اس کی ماں کا، اس کی بہن کا خیال کرنا۔ انھیں احترام دینا۔ عزت دینا۔ یہ سب زرشہ کو پاگل کر رہا تھا۔ ہاں وہ پاگل ہو چکی تھی۔ عالم کہ لیے۔ عالم شاہ کہ لیے۔ اپنے شوہر کہ لیے۔ اسی شوہر کہ لیے جس نے اسے زرشہ عالم شاہ کہہ کر پکارا تھا۔ جس نے اس کی عزت کو نیلام ہونے سے بچایا تھا۔ وہی عالم شاہ جو اس کہ فرشتہ ثابت ہوتا تھا، ہر بار، ہر جگہ۔ وہ عالم کہ نام سے منسوب تو پہلے ہی تھی، اب اس کی ذات پر فنا ہونا چاہتی تھی۔ لیکن اس کی مال والی گھٹیا حرکت کہ بعد کیا، عالم اسے معاف کر سکتا تھا؟ کیا عالم اسے وہی مان لوٹائے گا؟ اس نے جہان کو تنگ کرنے کہ لیے، جہان ہی کہ فون سے آصف کو مال بلوایا تھا۔ (اس نے جہان سے فون اس لیے لیا تھا کہ اماں کو کال کرنا ہے۔) اور وہ اس سے ملی بھی تھی۔ عالم نے اسے دیکھا بھی تھا۔ وہ اس سے بے تکلف ہو رہی تھی۔ یہ بھی عالم نے دیکھا تھا۔ اس نے یہ سب جہان کو دکھانا تھا۔ لیکن وہ عالم شاہ نے دیکھا تھا۔ اس کہ عالم شاہ نے۔۔۔۔۔

Kitab Nagri

www.kitabnagri.com

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔ www.kitabnagri.com

Posted On Kitab Nagri

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، اسٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو
ابھی ای میل کریں۔

samiyach02@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

[Fb/Pg/Kitab Nagri](https://www.facebook.com/KitabNagri)

samiyach02@gmail.com

[whatsapp _ 0335 7500595](https://www.whatsapp.com/channel/0029va3357500595)



عالم شاہ زرشہ کہ گھر زیادہ رک نہیں تھا، وہ اب رک سکتا بھی نہیں تھا۔ ”آپ رہیں یہیں، پھر مجھے بتا دیجیے گا کہ کب آنا ہے لینے۔ مجھے ذرا اہم کام ہے دفتر میں۔“ اس نے جاتے ہوئے، بنا زرشہ کی جانب دیکھے دھیمے لہجہ میں کہا تھا۔ اب کی بار زرشہ نے پہلی بار چاہا تھا کہ وہ زرشہ کو دیکھے، زرشہ احسان علی کی آنکھوں میں جھانکے، ایک بار ان میں ابھرتے وہ جذبات محسوس کرے، جنہوں نے ابھی سے زرشہ کو جھلسانا شروع کر دیا تھا۔ مگر زرشہ سوچتی ہی رہ گئی اور عالم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ زرشہ اس کی پیٹھ دیکھے گئی۔ اس کہ جانے کہ نجانے کتنی ہی دیر بعد تک بھی وہیں کھڑی رہی، بُت بنی۔ پھر دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس جگہ گئی جہاں سے وہ رخصت ہوا

Posted On Kitab Nagri

تھا۔ وہیں بالکل وہیں جہاں کچھ وقت پہلے تک وہ کھڑا تھا، وہ سفید قمیض شلوار پہنے، اپنی بڑی آنکھوں سی ہم رنگ چادر گلے میں ڈالے، وہ بالکل یہیں کھڑا تھا: ”ایسے زر شہ نے رخ موڑ کر سوچا تھا۔“ ایسے ”اس کی نگاہیں نیچے تھیں۔ زر شہ اب زمیں کو گھور رہی تھی۔“ ایسے ”اس نے بات مکمل کرنے کے بعد بازو پہ گرتی چادر کو ایک جھٹکے سے کندھے پہ ڈالا تھا۔ زر شہ نے ایک جھٹکے سے اپنا دوپٹہ کندھے پہ ڈالا تھا۔“ ایسے ”وہ پھر مڑا تھا۔ زر شہ کا رخ بیرونی دروازہ کی جانب تھا۔ یوں اس نے بایاں پاؤں باہر رکھا، وہ اب گلی میں پہنچ چکی تھی۔ اور وہ چلا گیا۔ زر شہ اب اس دھول کو دیکھ رہی تھی، جس پہ اسکی گاڑی کہ نشانات ہنوز قائم تھے۔ دھول بھی عالم کو الوداع کہنے کے بعد فرصت سے بیٹھ چکی تھی۔ اب مزے سے گالوں تلے ہاتھ رکھے اس دیوانی کو دیکھ رہی تھی، جس کہ سنہری بالوں کی لٹیں شانوں اور کمر پہ جی بھر کر اٹھکلیاں کر رہی تھیں، جس کا دوپٹہ کندھے سے نیچے زمیں پہ جھاڑو دے رہا تھا۔ بالوں کو پیشانی سے پیچھے ہٹاتے وہ تاحد نگاہ اپنے مجازی خدا کہ نشان تلاش کر رہی تھی۔ وہی زر شہ جو کل تک ”جہان“ سے انتقام لینے کے لیے مری جا رہی تھی، آج وہی زر شہ ”عالم“ کہ عشق کی آتش میں خود کو بخوشی خاکستر کر رہی تھی۔ وہی زر شہ احسان علی جو جہان کو منہ تک لگانا گوارا نہیں کرتی تھی، آج عالم شاہ کی گاڑی کی مٹی کو بھی مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اس سے حال احوال پوچھ رہی تھی۔ اپنے محبوب کا مزاج دریافت کر رہی تھی۔ نجانے مٹی نے اس سے کیا کہا تھا کہ وہ پگلی سر پیچھے گرا کہ ہنستی چلی گئی۔ اتنا ہنسی، اتنا ہنسی کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ پھر وہ روئی، جی بھر کہ روئی۔ مٹی گواہ تھی۔ اس کی بھوری آنکھیں لال ہو گئیں۔ مٹی بھی نم ہونے لگی۔ یوں جیسے وہ بھی اس کہ دکھ میں برابر کی شریک ہو۔ وہ کتنی نادان تھی نا؟ کتنی پاگل؟ کتنا انمول انسان اللہ نے اسکی تقدیر بنایا تھا اور وہ تھی کہ اسے بے مول کرنے کے درپے تھی۔ اس نے جہان کو نیچا دکھانے کے لیے کیا کیا نہیں سوچا؟ اور تو اور اسکی اماں، اسکی اماں جس کہ لیے عالم نے اپنی شناخت بدل

Posted On Kitab Nagri

ڈالی۔ اپنا آرام، چین، سکون سب غارت کر دیا۔ بنگلے میں رہنے والا، ایک عام سے محلے میں، ایک چھوٹے سے گھر میں رہنے لگا۔ ہوٹل کا مالک ہوتے ہوئے بھی گھر کہ دال چاول کھانے پہ اکتفا کیا، فقط اس لیے کہ ایک عورت، ایک ماں کا دل نہ دکھے۔ کتنا مشکل ہوا ہو گا نا اس کے لیے اتنا بڑا راز رکھنا، پھر اس راز کو ساتھ جینا۔ ایک اندھی عورت، اندھی ماں کا سہارا بننا۔ اس کا بازو بننا۔ وہ عالم شاہ، جو اتنی بڑی گدی کا جانشین ہے، جو زمینوں کا مالک ہے۔ جو جاگیر دار ہے۔ وہ لوگوں کے لیے پیر سائیں ہے۔ وہ ایک عام سے عورت کے لیے، سب چھوڑ بیٹھا، بھلا بیٹھا۔ اور پھر اسی عالم کے لیے اس نے اسکی اماں کا دل بدگماں کیا۔ اماں کے دل میں عالم کے لیے نفرت بھرتی رہی، عالم پہ جھوٹے الزامات لگاتی رہی۔ فقط اپنی ان کی تسکین کے لیے! وہ اب وہیں گلی میں، زمین پہ چوکڑی مارے بیٹھ چکی تھی۔ نہ آنسو تھم رہے تھے اور نہ دل کا غبار چھٹ رہا تھا۔ دلاور شاہ عالم کا بھائی تھا۔ یعنی اس روز اتفاقاً ہی عالم وہاں پر تھا۔ اس نے بھائی کے خلاف جا کر میری عزت بچائی ہوگی۔ اور میں نے ہوٹل میں جان بوجھ کر اسے تنگ کرنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑی۔ اور کیا ہوا میرے ساتھ؟ ہاں بتاؤ نا کیا ہوا؟ وہ هنوز ہوا سے اڑتے مٹی کے ذرات سے محو گفتگو تھی۔ “میری عزت پہ حملہ ہوا۔” اس نے سرگوشی کی تھی۔ مبادا کوئی دوسرا نہ سن لے۔“ جب بھی عورت اپنے شوهر، اپنے محرم کے خلاف جاتی ہے نا، تو وہ اسی طرح مصیبت میں پھنستی ہے۔ عورت کی عقل ناقص ہے، وہ جب بھی خود کو عقل کل سمجھتی ہے نا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ برا کرتی ہے۔ اپنے ساتھ،۔۔ بہت برا کرتی ہے۔” اڑتی گرد کہ حقیر سے ذرات نے زرشہ احسان علی، کو اتنی اہم بات سمجھا دی تھی۔ “آپی”، “آپی”

“کیا کر رہی ہو یہاں؟”، “کیسے گر گئی، دیکھو سارے کپڑے خراب کر دیے۔” مینا اسے ڈھونڈتے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔ وہ اسے اٹھا رہی تھی۔ جواب اپنے آپ میں ہی نہیں تھی۔ مینا اسے گھسیٹتے ہوئے گھریلجارہی تھی۔ جبکہ وہ هنوز اپنی ہمراز، اپنی دوست، سے سرگوشیوں میں محو گفتگو تھی۔ اس کے چہرہ پہ گرد کہ علاوہ خشک

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

تھا۔ وہ جانتا تھا اماں زمانہ شناس خاتون ہیں۔ انھوں نے نجانے زرشہ کی باتوں کا کیا مطلب نکالا ہوگا۔ نجانے زرشہ نے انھیں کیا بتایا؟ اماں یقیناً شرمندہ ہوئی ہوں گی زرشہ کہ سامنے، اور مجھ پر خفا بھی۔ گاڑی چلاتے عالم یہی سوچے جا رہا تھا۔ وہ جتنا سوچ رہا تھا اسکا دماغ اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔ ”کیوں زرشہ؟ کیوں؟“ ”عالم اب خود سے سوال کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔“ وہ لڑکا! ”جھٹ کہ عالم کہ دماغ میں گونجا تھا۔ اور گونج کی دھمک اس قدر شدید تھی کہ عالم کا پاؤں زور سے گاڑی کی بریک پہ جما تھا۔ ایک جھٹکے سے گاڑی رکی تھی۔ عالم کو جواب مل گیا تھا۔“ یہ نکاح شاید اس کی مرضی کہ خلاف ہوا ہے۔ ظاہر ہے وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے، وہ کیونکر میرے ساتھ رہنا چاہے گی۔“ ”عالم اسٹیئرنگ ویل پہ زور سے ہاتھ مارتا نتیجہ اخذ کر رہا تھا۔“ اس زبردستی کہ بندھن کو جلد ہی ختم کرنا ہوگا، ورنہ میرے ساتھ ساتھ نجانے اور کتنی زندگیاں تباہ وہ جائیں گی۔“ ”عالم نے بلا آخر فیصلہ لے لیا تھا۔

----- شیر وزرشہ کہ گھر موجود تھا۔“ ”عالم بھائی نے مجھے موبائل اور سم آپکو پہنچانے کے لیے کہا تھا۔“ ”وہ ایک بیگ زرشہ کہ حوالے کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں زمیں میں گر ٹی ہوئی تھیں۔ فقط اسکی ہی نہیں زرشہ عالم شاہ بھی خود کو اچھے سے لیپٹے، زمیں کو ہی گھور رہی تھی۔ کام مکمل کرنے کے بعد بھی اسکی نگاہیں کسی اور کی منتظر تھیں۔ اور وہی چائے لیکر حاضر ہوئی تھی۔“ ”آپ چائے لیجئے۔“ ”زشہ اتنا کہہ کر نکل آئی تھی۔ اسے اب اپنے عالم سے بات کرنا تھی۔ اسے اپنے دل کی دگرگوں ہوتی حالت کہ بارے میں بھی تو بتانا تھا نا!

”مینا!“ ”مینا چائے دیکر رخصت ہو رہی تھی کہ شیر و نے ہمت مجتمع کرتے اسے پکارا تھا۔ مینا ٹھٹھک کر رکی تھی۔ “جی“ ”گھبراتے ہوئے اتنا ہی کہہ پائی۔“ ”میں سیدھا سا بندہ ہوں۔ بات گھمانا پھرانا نہیں آتا۔ اپنے ماں باپ کو آپ کہ گھر رشتہ کہ لیے بھیجنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔“ ”شیر و اپنی جگہ پہ کھڑا ہو چکا تھا۔ وہ مینا کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس کارنگ فق ہو چکا تھا۔ اس نے نگاہ بھر کر شیر و کو دیکھا تھا اور فوراً سے کمرہ سے

Posted On Kitab Nagri

نکل گئی تھی۔ اس کی ایک نگاہ شیر و کواندر تک جھلسا گئی تھی۔ لیکن شیر و کی خوش قسمتی کہ اس کی بات بیٹھک میں قدم رکھتی خوش بخت بیگم نے سن لی تھی۔ ”مجھے مینا کہ لیے اچھے رشتہ کی تلاش ہے۔“ آپ میرے عالم کہ دوست ہو۔ عالم سے زیادہ آپکو کوئی نہیں جانتا ہوگا۔ اگر عالم نے آپ کہ حق میں ووٹ دی تو آپ اپنے والدین کو ضرور بھیجنا میرے گھر۔ مینا کہ رشتہ کی ذمہ داری عالم کہ سر ہے۔ وہ جس پہ ہاتھ رکھے گا مینا کو میں خوشی خوشی اس کہ حوالے کر دوں گی۔ ”شیر و سر جھکائے فقط سب سنتا چلا گیا۔ عالم نے اسے فقط مسیج کر کہ اتنا بتایا تھا کہ اُس نے اپنے سسرال والوں کو حقیقت بتادی ہے۔ اور وہ ز رشتہ کو اچھا سا موبائل اور سم پہنچا دے۔“ عالم ہمیشہ مطلب کی بات کرتا تھا۔ نہ تفصیل اور وضاحتیں سنتا تھا نہ دیتا تھا۔ اب بھی اس نے وہی کیا تھا، لیکن شیر و نے محسوس کیا تھا کہ عالم کی ساس، عالم کہ لیے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتی ہیں۔“ جیسے آپکا حکم!“ شیر و نے اتنا کہا اور اجازت لیکر باہر نکل آیا۔ اتنا بڑا امتحان خوش بخت خاتون یا اپنے ماں باپ کو راضی کرنے کا نہیں تھا، جتنا عالم کو منانا تھا۔ شیر و کو ابھی سے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ وہ عالم کو کیسے بتا سکتا تھا کہ اسے محبت ہو گئی، اور وہ بھی عالم کی سالی

سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر سے طویل اور تفصیلی ملاقات کہ بعد عالم کا مزاج مزید برہم ہو چکا تھا۔ پاکیزہ کہ پاس وقت نہایت کم تھا۔ ان کی بیماری کی نوعیت ایسی تھی کہ ان کا علاج ناممکن تھا۔ اب وہ دھیرے دھیرے موت کی جانب قدم بڑھا رہی تھیں، اور عالم کو بے بسی سے انہیں پل پل مرنا دیکھنا تھا۔ دلاور شاہ، جس کہ پاس سب کچھ تھا۔ وہ بھی اپنی بہن، اکلوتی بہن کہ لیے کچھ نہیں کر پائے۔ نہ کر سکتے تھے۔ عالم بھی اپنی بیوی کہ کچھ نہیں کر پایا اور نہ کر سکتا تھا۔ ہاں ایک ہی کام وہ کر سکتا تھا اور وہ تھا، پاکیزہ کہ پاس موجود بقیہ وقت کو یادگار بنانا۔ اور وہ اب وہی کرنے جارہا تھا۔ لیکن پہلے اسے دفتر کا چکر لگانا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔“ شمشیر کیا رپورٹ ہے؟” دلاور شاہ نے شہر میں موجود اپنے دستِ راست سے رپورٹ طلب کی تھی۔ خود وہ اتنی جرأت

Posted On Kitab Nagri

نہیں رکھتے تھے کہ براہ راست عالم شاہ سے اسکی سرگرمیوں کہ بارے میں پوچھ گوچھ کر سکیں۔ اب کیونکہ ان کی عزیز از جان بہن عالم کہ نکاح میں تھی، اور تھی بھی فقط چند دن کی مہمان، تو وہ چاہتے تھے کہ عالم حتی المقدور وقت پاکیزہ کہ ساتھ گزارے، اور سب سے بڑھکر وہ اپنی طوائف ماں سے دور رہے۔ ان کا اصل ہدف دلہار بیگم کو راستے سے ہٹا کر راستہ، پاک ”کرناتھا۔“ سائیں! چھوٹے سائیں دفتر جاتے ہیں اور رات گئے گھر لوٹتے ہیں، ہم ان کہ گھر اور کہ باہر ہیں ہیں۔ اپنی سیاہ گاڑی میں آتے جاتے ہیں۔ ”شمشیر نے رپورٹ باہم پہنچائی تھی۔ (عالم جانتا تھا کہ دلاور ایسی کوئی حرکت ضرور کر سکتا تھا، لہذا اس کی سیاہ شیشوں والی سیاہ لینڈ کروزر ایک مقررہ وقت پر شیر واس کہ بنگلے سے نکالتا اور دفتر کہ راستہ پر ڈال دیتا۔ اسی طرح ایک مقررہ وقت پر اس کی واپسی بھی بنگلے میں ہوتی۔ شیر و نے سیاہ عینکیں چڑھار کھی ہوتی تھیں اور حلیہ عالم جیسا تھا۔ تیز رفتاری اور سیاہ شیشوں کی وجہ سے کوئی بھی یہ گماں تک نہیں کر سکتا تھا کہ یہ عالم نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ گاڑی عالم شاہ کی پسندیدہ تھی۔ وہ اس گاڑی کو کسی دوسرے کو دینے کا متمنی ہی نہیں تھا۔)“ پھر بھی سائیں پہ نظر رکھو۔ کہیں بھی اگر یہ کسی ایسی عورت کہ ساتھ، میرا مطلب ہے اپنی ماں کہ ساتھ دکھائی دے، اسکی ماں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کرنا۔“ دلاور شاہ نے حکم صادر فرمایا تھا۔ کام مکمل کرنے کہ بعد انھیں پنچائیت میں بھی جانا تھا۔ لہذا سفید اونچی پگڑی پہنے، وہ اب باہر جانے کہ لیے نکل گئے تھے۔ پنچائیت تیار تھی۔ گاؤں کہ زمینداروں کہ علاوہ مزدور طبقہ بھی موجود تھا۔ مزدور طبقہ بوسیدہ پگڑیاں پہنے ہاتھ باندھے پتی زمیں پہ بیٹھا تھا جبکہ زمیندار سفید بے داغ پگڑیاں پہنے اونچی کرسیوں پہ نخوت سے براجمان تھے۔ یہ ذات پات کا نظام تھا۔ یہ اعلیٰ ادنیٰ کی تقسیم تھی۔ یہ دلاور شاہ کا حلقہ تھا۔ اسے یہی زیب دیتا تھا! معاملہ اسی چھوری کا تھا، جو گھر سے ملکوں کہ لڑکے کہ ساتھ بھاگی تھی۔ اسکی چھوٹی بہن جو پاکیزہ کی تحویل میں تھی، اسکی سپردگی کی تاریخ آن پہنچی تھی۔

Posted On Kitab Nagri

اس کہ ”مالکان“ اب اس بیچاری سکینہ بی بی کہ درپے تھے۔ ”کیونکہ صفیہ بی بی، ابھی تک گاؤں واپس نہیں پہنچی ہے، لہذا اسکی کودی جانے والی مدت ختم ہو گئی ہے۔ اب میرے گزشتہ فیصلے کہ مطابق اس کی چھوٹی بہن سکینہ بی بی کو ملکوں کہ سپرد کیا جائے گا۔ کل ٹھیک اسی وقت سپردگی کی تقریب ہوگی۔“ دلاور شاہ فیصلہ سناتے ہی رکے نہیں تھے، بلکہ فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انھیں اب اسمبلی کہ اجلاس میں شرکت کہ لیے جانا تھا۔ ملکوں کا گروپ جو سفید اونچی پگڑیاں پہنے موجود تھا، مونچھوں کو خوب تاؤ دے رہا تھا۔ یہ اپنی اعلیٰ ذات کا گھمنڈ تھا۔ جبکہ سکینہ کا بوڑھا باپ اور دیگر خاندان والے ہاتھ باندھے، آنکھوں میں آنسو لیے بے آواز ہی بیٹی کی جان و عزت بخشی کی بھیک مانگ رہے تھے۔ کچھ وقت بعد بات پاکیزہ تک پہنچ چکی تھی۔ سکینہ کی ماں بھی پاکیزہ کا درس سنتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ وہ پاکیزہ کی ملازمہ بھی تھی۔ پاکیزہ نے اسے سکینہ کی جان بخشی کا یقین دلایا تھا۔ اس نے فوراً اسے بیشتر عالم کا نمبر ملایا تھا۔ عالم اس وقت دلہار بیگم کہ گھر موجود تھا۔ آج خیر سے گیارہ تاریخ تھی۔ اور یہ وہ وقت تھا جب عالم کا نمبر بند ملتا تھا۔ عالم جب بھی ماں کہ پاس آتا تھا بیرونی دنیا کو دروازے کی دہلیز سے باہر ہی خدا حافظ کہہ آتا تھا۔ آج بھی وہی ہوا تھا۔ عالم کا نمبر بند تھا۔ پاکیزہ نے بارہا کوشش کی، مگر نتیجہ صفر۔ وہ سخت پریشان تھی، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ عالم کا نمبر نہ ملے۔ اسے یاد آیا تھا عالم نے اسے ایک اور نمبر بھی لکھ کہ دیا تھا۔ کسی بھی مشکل وقت میں وہ اس نمبر پہ رابطہ کر سکتی تھی۔ پاکیزہ نے وہ نمبر ملایا تھا۔ وہ نمبر شیر و کا تھا!

-----عالم صبح سے بھوکا تھا۔ یہ احساس اسے ماں کہ پاس آکر ہوا تھا۔ ماں کہ ہاتھ کہ مزیدار اور پسندیدہ پکوان نے اس کی بھوک میں دوچند اضافہ کیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ فرصت سے ماں کہ پاس موجود تھا۔ دلہار بیگم تو ماہ کی اس تاریخ کو عمر سے دس سال چھوٹی لگتی تھیں۔ ان کہ چہرہ کی خوشی اور چمک دیدنی تھی۔ عالم نے ضرورت سے زیادہ کھا لیا تھا۔ اب گرما گرم قہوہ کو گھونٹ گھونٹ حلق میں اتار رہا تھا۔ دلہار بیگم

Posted On Kitab Nagri

جذب سے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں ایک لمحہ کہ لیے بھی خشک نہیں ہوئی تھیں۔ بار بار گیلی سانس اندر کھینچتے وہ دوپٹے کہ پلو سے آنکھیں رگڑتی تھیں۔ ”ماں! اب بس کریں گی یا میں چلا جاؤں؟“ ”عالم ماں کہ بے تحاشہ رونے پہ زچ ہوا تھا۔“ ”ہائے جانِ جہاں، میرے جہاں، میرے عالم!“ ”عالم کی ماں نے گال تلے ہاتھ رکھے، محبت سے مخمور الفاظ سے کہا تھا۔“ ”جانِ عالم!“ ”عالم نے جو اب پیار سے ماں کہ گال پہ بوسہ دیتے کہا تھا۔ پیالی ایک طرف رکھ کہ اب وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ چکا تھا۔ سر رکھتے ہی، یوں جیسے جہاں بھر کا سکوں اس کہ رگ و پے میں سرایت کر گیا ہو۔ اس نے آنکھیں بند کر گہری سانس اندر کھینچی تھی۔ اس انمول خزانے کو اپنے اندر اتار ا تھا۔ محسوس کیا تھا! اور پھر جو وہ شروع ہوا تو رکا نہیں۔ اس نے پاکیزہ سے نکاح سے لیکر زرشہ کہ نکاح تک ساری روداد ماں کہ گوشگزار کی تھی۔ وہ ماں سے کچھ نہیں چھپاتا تھا، چھپا سکتا ہی نہیں تھا۔ وہ بن کہے سب جان جاتی تھی۔ سب سمجھ جاتی تھی۔ پاکیزہ، دلبرہار بیگم کو بہت پسند تھی۔ انھیں خوشی ہوئی تھی کہ ان کہ بیٹے نے پاکیزہ کو چنا۔ وہ بھی تب جب اسے عالم شاہ جیسے انسان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ انھیں، ”جہان کی اماں“ پہ بھی فخر محسوس ہوا تھا، جنہیں ان کہ عالم کا ساتھ ملا ہوا تھا۔ اور زرشہ، زرشہ انھیں شرارتی لگی تھی، چلبلی سی، معصوم سی! انھوں نے اپنے آراء سے عالم کو نوازا تھا۔ دھیرے دھیرے شام اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ دوسری طرف وقت نے الٹی چال چل دی تھی۔ زرشہ کہ دل میں اٹھنے والا طوفان اسے کسی طور چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ وہ بے چین تھی۔ بے قرار تھی۔ شام کہ اس پہر بھی وہ صحن میں ننگے سر، ننگے پاؤں بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم دکھائی دیتی تھی۔ اور پھر، ”اُس“ ”مکان خیال آتے ہی نجانے کیوں گود میں دھرا دوپٹے اس نے سر پہ لے لیا تھا۔ اور ادھر، دلبرہار بیگم کی گود میں سر رکھے، زرشہ کا ذکر ماں کہ منہ سے سنتے ہی، ایک ہی منظر عالم شاہ کی

Posted On Kitab Nagri

سیاہ آنکھوں کہ پردہ پہ لہرایا تھا۔ اور وہ تھا: ”زرشہ کا آصف سے بے تکلفی کا منظر۔“ وہی منظر زرشہ کو ہمیشہ کہ لیے عالم کی نگاہوں میں گرانے کا موجب تھا!



عالم شاہ اپنی ہی سوچ میں گم تھا، اور دلبر بیگم کی باتیں و نصیحتیں ہنوز جاری و ساری تھیں۔ اسے زرشہ سے محبت نہیں تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ وہ اس کے نکاح میں آگئی۔ ہاں اس بندھن کو وہ دل و جان سے نبھانا چاہتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ زرشہ کو حویلی لیجانے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے زرشہ کو ہی نہیں بلکہ اس کے خاندان کو بھی قبول کیا تھا۔ اسکی ماں کو اپنی ماں اور بہن کو اپنی بہن سمجھا تھا۔ لیکن زرشہ کا رویہ پہلے پہل تو اسے بچکانہ لگا تھا۔ لیکن آصف والے واقعہ کے بعد عالم کے دماغ نے ہی نہیں سوچ نے بھی پلٹا کھایا تھا۔ یہ کسی بھی مرد کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ نجانے اس نے کیسے ضبط کیا تھا، اسے خود بھی حیرت تھی۔ اس نے زرشہ اور آصف کیساتھ ایک تصویر لی تھی۔ وہ نہ صرف آصف کے متعلق جاننا چاہتا تھا بلکہ خود کو بار بار یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ زرشہ کے وجود پر تو شاید وہ حق جتا پائے لیکن اس کے دل پر اس کا اختیار کبھی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور زبردستی کے رشتوں کا وہ قائل نہیں تھا۔ اسے جلد ہی کوئی راہ کوئی حل ڈھونڈنا تھا۔----- پاکیزہ نے شیر وکوساری صورتحال سے آگاہ کیا تھا۔ وہ کبھی بھی یوں کسی نامحرم سے بات نہ کرتی، مگر معاملہ اتنا سنگین نہ ہوتا۔ شیر وکو پہلے ہی عالم نے صورتحال سمجھا رکھی تھی۔ یہی نہیں بلکہ شیر ونے اپنے قابل بندے بھی اس معاملہ کے پیچھے لگا رکھے تھے۔ وہ مسلسل سکینہ کی بہن اور بہنوئی کی نگرانی کر رہے تھے۔ انھیں تحفظ فراہم کرنا اور دلاورشاہ کے آدمیوں سے حتی المقدور محفوظ رکھنا ان کا عزم تھا۔ کیونکہ اگر ایک بار وہ لوگ دلاورشاہ کے ہاتھ لگ گئے تو صورتحال بگڑ سکتی تھی۔

Posted On Kitab Nagri

شیر و نے سکینہ کو یقین دہانی کروائی تھی کہ عالم نے سب کچھ پلان کر رکھا ہے، اسے ہر گز فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کال بند ہونے کے بعد بھی پاکیزہ ایک جانب عالم شاہ کو لیکر پریشان تھی، کیونکہ اس نے یوں کبھی فون بند نہیں کیا تھا تو دوسری جانب سکینہ کو لیکر۔ جسکی حفاظت کی اس نے قسم کھائی تھی۔ کل ہر حال میں اسے سکینہ سے دست بردار ہونا تھا۔ اور وہ یہ بالکل بھی نہیں چاہتی تھی۔ اب اسے فقط صبح کا انتظار تھا!

----- زرشہ نئے نمبر سے بارہا عالم شاہ کو کال ملا چکی تھی، لیکن اسکا نمبر مسلسل بند مل رہا تھا۔ اس نے واپس آکر زرشہ سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ دوسری جانب زرشہ کی ماں بھی عالم سے رابطہ کرنا چاہتی تھی، تاکہ اس سے مینا اور شیر و کہ رشتہ کی بابت مشورہ کر سکے۔ زرشہ کو اماں نے بھی کال کی تھی۔ وہ بھی جہان کو لیکر پریشان تھیں۔ اس کے علاوہ ان کی طبیعت بھی خاصی ناساز تھی، لہذا وہ زرشہ کے ساتھ ہسپتال جانا چاہتی تھیں۔ عالم کو تو فون لگ نہیں رہا تھا، لہذا زرشہ خود ہی خوش بخت بیگم کے ساتھ گھر واپس آگئی تھی۔ رات دھیرے دھیرے پر پھیلا رہی تھی۔ اماں کی طبیعت سنبھلے نہیں سنبھل رہی تھی۔ زرشہ کو مجبوراً کوئی فیصلہ لینا تھا۔ خوش بخت بیگم مینا کے پاس واپس چلی گئی تھیں۔ زرشہ نے خود ہی اماں کو ہسپتال لیجانا چاہا۔ لیکن اماں صرف جہان کو چاہتی تھیں۔ زرشہ نے بلاآخر شیر و سے رابطہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ شیر و عالم کے بارے میں ضرور جانتا ہوگا۔“ بھابھی! آپ وہیں رہیں، میں آ رہا ہوں۔“ شیر و نے عالم کے گھر سے نکلتے ہوئے، زرشہ کو تسلی دیتے کہا تھا۔ وہ اسوقت عالم کے بنگلہ میں ہوتا تھا۔ لیکن اب نکلنا مجبوری تھی۔ جوں ہی وہ نکلا، شمشیر اور اسکا آدمی جو پہلے

سے ہی گھات لگائے ہوئے تھے، اسکی گاڑی کے پیچھے ہو لیے۔ شیر و زرشہ کے ذریعے اماں کی طبیعت سے آگاہ تھا۔“ ہمارے پاس گلی میں آنے کا وقت نہیں ہے۔ آپ کسی طرح اماں کو لیکر روڈ تک آئیں۔“ شیر و زرشہ کو ہدایات دے رہا تھا۔ زرشہ نے من و عن عمل کیا تھا۔ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ اماں مسلسل اپنے جہان کو یاد کر رہی

Posted On Kitab Nagri

تھیں۔ اور زرشہ بلکل بے بس تھی۔ اسے تب عالم کہ ”جہان“ بننے کہ فیصلہ پہ فخر ہوا تھا۔ اماں واقعی جہان کہ لیے بہت جذباتی تھیں۔ سیاہ چادر میں اپنے وجود کو اچھے سے لپیٹے زرشہ سڑک کنارے اماں کو تھامے کھڑی تھی۔ شیر و نہایت تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا پہنچا تھا۔ اسی تیز رفتاری اور پریشانی میں وہ پیچھے کرتے ہوئے شمشیر اور اس کہ آدمیوں کو نظر انداز کر گیا۔ اور یہیں اس سے بھول ہو گئی! جب زرشہ اور اماں گاڑی میں سوار ہوئیں تو شمشیر نے دلاور شاہ کو کال ملائی: ”سائیں! شکار بلا آخر کچھار سے باہر آ گیا۔ کیا حکم ہے؟“ شمشیر نے بالوں کی لٹوں کو انگلیوں پہ گھماتے، معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ ”وہی کرنا ہے، جو پہلے بتا دیا تھا۔“ دلاور شاہ نے مختصر بات کر کہ کال کاٹ دی تھی۔ ”خس کم، جہاں پاک!“ ”فون بند کرنے کہ بعد انھوں نے خود کلامی کہ سے انداز میں تبصرہ کیا تھا۔ ادھر وہ لوگ ہسپتال پہنچ چکے تھے۔ ہسپتال پہنچتے ہی، شیر و سے پہلے زرشہ اماں کو لیکر گاڑی سے اتری تھی۔ شیر و نے گاڑی سائیڈ پر لگائی ہی تھی کہ اسے پھر سے پاکیزہ کی کال آ گئی۔ پاکیزہ عالم کو لیکر فکر مند تھی۔ اس نے سکینہ کہ بارے میں شیر و کو لیکر حالات حاضرہ سے آگاہ کیا تھا۔ شمشیر کو موقع ٹھیک لگا تھا۔ اس کہ مطابق عالم ابھی تک گاڑی میں ہی تھا، لہذا اس نے اماں کو لیکر نشانہ باندھا تھا۔ جو نہی زرشہ نے اماں کو تھامے سیڑھیوں پہ قدم رکھا، شمشیر نے گولی چلا دی۔ اس کا نشانہ خطا نہیں ہوا تھا۔ گولی سیدھا اماں کہ سر پہ لگی تھی۔ وہ وہیں سیڑھیوں پہ گر گئی تھیں۔ شمشیر اور اس کا آدمی جائے وقوعہ سے گدھے کہ سر سے سینگ کی طرح غائب ہوئے تھے۔ گولی کی آواز سنتے ہی شیر و بھی ہڑبڑایا تھا۔ وہ بھاگ کر زرشہ کہ پاس پہنچا۔ لیکن تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔ ہر جانب بھگدڑ مچ چکی تھی۔ اماں کو خون میں لت پت دیکھ کر زرشہ کہ پاؤں تلے سے بھی زمیں نکل گئی تھی۔ وہ فلک شکاف چیخ مارتے ہوئے سیڑھیوں پہ اماں کہ ساتھ ہی گری تھی۔ اماں کا سفید لباس خون سے ترتر تھا۔ ان کا سر زرشہ کی گود میں تھا۔ زرشہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ ہسپتال کا عملہ اسٹرپچر کہ ساتھ موجود تھا۔ عجب

Posted On Kitab Nagri

افرا تفری کا عالم تھا۔ شیر و نے اماں کو اٹھا کر اسٹرپچر پہ ڈالا تھا۔ اس کا بدن مسلسل کانپ رہا تھا۔ نجانے یہ آنافاناً کیا ہو گیا تھا؟ زرشہ اسٹرپچر کے ساتھ ہی گھسیٹتی چلی جا رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں اماں کو آپریشن تھیٹر میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ زرشہ وہیں ہسپتال کے فرش پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ وہ غم سے نڈھال نظر آرہی تھی۔ اُدھر شیر و مسلسل عالم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر، نہ عالم سے رابطہ ہونا تھا نہ ہوا!

----- اگلی صبح حویلی پہ بھی نہایت غمگین طلوع ہوئی تھی۔ پاکیزہ نے رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔ جسکی وجہ سے انکی طبیعت بگڑ چکی تھی۔ ادھر مقررہ وقت پر جرگہ پھر سے بیٹھ چکا تھا۔ کاروائی شروع کی جا چکی تھی۔ “سائیں! اپنے وعدہ کے مطابق لڑکی ہمارے سپرد کریں۔” ملکوں کی جانب سے ان کے نمائندے نے بات کا آغاز کیا تھا۔ سکینہ کا بوڑھا باپ مارے غم کے لرز رہا تھا۔ “زنان خانے میں پیغام پہنچاؤ کہ سکینہ کو سپردگی کے لیے حاضر کریں۔” دلاور شاہ نے پنچائیت کے سربراہ کی حیثیت سے فیصلہ سنایا تھا۔ ان کا حکم سنتے ہی ان کا ملازم زنان خانے کی جانب دوڑا تھا۔ وہاں سے پیغام سیدھا، اوپر پاکیزہ کی جانب پہنچایا گیا تھا۔ پاکیزہ اس وقت اپنے کمرہ میں آرام فرما رہی تھیں۔ جب ملازمہ نے انھیں سکینہ کے حوالے سے خبردار کیا۔ انھوں نے ملازمہ کو حکم دیا کہ نیچے جا کر بتادے، جس نے بھی سکینہ کا قبضہ لینا ہے، ان کی بیٹھک میں آجائے۔ (جہاں وہ درس دیتی تھیں۔) ملازمہ نے من و عن پیغام پہنچایا تھا۔ ملکوں کے آدمی دلاور شاہ کے گارڈز کے ساتھ آئے تھے۔ انھوں نے بیٹھک پہ دھاوا بولا تھا۔ پاکیزہ کے کمرہ اور بیٹھک کے درمیان ایک دروازہ تھا۔ جو نیم وا تھا۔ جس پر پردہ ڈالا گیا تھا۔ یوں کہ دوسری جانب موجود افراد کہ ہیولے دکھائی دیتے تھے۔ (پاکیزہ خود ان سے بات کرنا چاہتی تھی۔ شاید وہ سکینہ سے دست بردار ہو جائیں۔ شاید ان کے پتھر دلوں پہ پاکیزہ کی بات اثر کر جائے۔) پاکیزہ نے وہی کیا تھا۔ اب وہ شدید پریشانی کے عالم میں تھیں۔ سکینہ بھی بیٹھک میں ہی موجود تھی۔ وہ کل پانچ آدمی تھی۔ سکینہ فی الوقت

Posted On Kitab Nagri

وہاں تنہا تھی۔ انہوں نے جوں ہی سکینہ کو دیکھا تو مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے آگے بڑھے۔ سکینہ گھٹی گھٹی آواز میں رو رہی تھی۔ پاکیزہ نے اسے اپنا یا تھا، اسے تحفظ دیا تھا۔ اب کیسے وہ سب جانتے بوجھتے اسے دشمنوں کے سپرد کر سکتی تھی؟ لیکن وہ ایسا کر رہی تھی۔ نجانے وہ کیسے ان سے بات کرنے جا رہی تھی؟ وہ اسکی بات مانیں گے بھی یا نہیں؟ کہیں وہ غصہ میں پاکیزہ کو ہی کوئی نقصان نہ پہنچا دیں؟ وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔ اوپر سے عالم، نجانے کہاں غائب تھا۔ لیکن وہ اب یہی کرنے پر مجبور تھی۔ اور اب تو شیر و بھی کال نہیں اٹھا رہا تھا۔ پاکیزہ ان پانچ سایوں کو دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اسکا وجود سکینہ کے بارے میں سوچ کر ہی لرز رہا تھا، تو اس معصوم کا کیا حال ہوگا؟ جلد ہی سکینہ کی چیخوں سے در و بام لرز اٹھے تھے۔ وہ سکینہ کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ وہ پردہ کی اوٹ سے چیخ چیخ کر انھیں تنبیہ کر رہی تھی۔ انھیں اپنا نام اور مقام بتا رہی تھی۔ جبکہ باہر موجود وحشی درندے پاگل ہو چکے تھے۔ وہ معصوم ان کے مضبوط حصار میں کسی مہینے کی طرح تڑپ رہی تھی۔ ادھر پاکیزہ کی جان حلق میں اٹک چکی تھی۔ ان کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ سکینہ کی چیخیں ان کے بدن کو چھلنی کر رہی تھیں۔ انہوں نے عالم کے سپرد یہ معاملہ کیا تھا، عالم نے انھیں یقین دہانی کروائی تھی، لیکن اب؟ کہاں تھا عالم؟ عالم ایسا تو نہیں تھا کہ زباں دے کر پھر جاتا۔ یا یوں اتنے کڑے وقت میں پاکیزہ کو تنہا چھوڑ دیتا۔ کیا عالم نے پاکیزہ کو تنہا چھوڑ دیا تھا؟ آرام دہ کرسی پہ بے دم ہو کر گرتے پاکیزہ نے سوچا تھا۔ ان کا چیخنا چلانا کسی کام نہیں آ رہا تھا۔ انھیں اب خود پہ غصہ آ رہا تھا، کیوں انہوں نے سکینہ کو باہر چھوڑ دیا۔ کیوں اسے کھینچ کر اندر نہیں لائیں؟؟ وہ عالم کو لیکر کچھ بھی منفی سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن پھر بھی وہ یہی سوچنے پر مجبور تھیں کہ شاید عالم نے انھیں بھلا دیا ہے!“ بچی سے انتقام لیتے ہو، ہمت ہے تو مرد سے بات کرو۔“ سکینہ کی چیخیں یکدم تھمی تھیں، جب ایک رعب دار مردانہ آواز بیٹھک میں گونجی تھی۔ آواز کے ساتھ ہی ان مردوں کے قہقہے دب کر رہ گئے تھے۔ عالم نے

Posted On Kitab Nagri

شاید سکینہ کا ہاتھ تھامتا تھا۔ وہ اسے واپس لایا تھا۔ پاکیزہ نے پردے میں ”اُس“ کا ہیولہ تھا۔ وہ جو گردن تانے سکینہ کا ہاتھ تھامے، شان سے چل رہا تھا۔ پاکیزہ کی سانس میں سانس آئی تھی۔ ”عالم نے اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔“

”عالم اسے بھولا نہیں تھا۔“ ”عالم بھول سکتا ہی نہیں تھا!“ ”عالم اب پاکیزہ کی نشست پہ براجمان تھا۔ سکینہ اس کہ دائیں جانب کھڑی تھی۔ اب وہ کافی پرسکون تھی۔ پاکیزہ بھی پرسکون ہو چکی تھی۔ اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اب، اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ سائیں! سائیں سرکار کا حکم ہے۔ چھوری کو ہمارے حوالے کریں۔ ”ان کا ایک آدمی آگے بڑھا تھا۔ گو کہ وہ سب عالم شاہ کا احترام کرتے تھے۔ عالم ان کہ لیے ویسے ہی معتبر تھا جیسے دلاور شاہ، لیکن اب کی بار معاملہ مختلف تھا۔“ ”گرہمت ہے تو، آؤ لے جاؤ پچی کو۔ تمہارے سامنے ہی کھڑی ہے۔“ ”عالم نے ٹانگ پہ ٹانگ جماتے رعب سے کہا تھا۔“ سائیں! ہمارے لیے مشکل مت کھڑی کریں۔ آپ جانتے ہیں پنچائیت کہ فیصلے کہ خلاف جانے کی کسی میں بھی مجال نہیں ہے۔۔۔۔۔ آپ میں بھی نہیں۔۔۔!!!“ ”اب کی بار دوسرا آگے بڑھا تھا۔ عالم اب سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ سکینہ اس کہ پیچھے چھپ گئی تھی۔ عالم نے سر کو ہلا کر انھیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تھا۔ اب کی بار تیسرا آگے آیا تھا۔ اس نے عالم کی دائیں جانب سے ہاتھ گزار کر اس کہ پیچھے چھپی سکینہ کو پکڑنا چاہا تھا۔ عالم اسی لمحہ کی تاک میں تھا۔ اس نے ایک ہی جھٹکے میں اس کا بڑھا ہوا بازو توڑ ڈالا تھا۔ اس کی چیخیں حویلی میں گونجی تھیں۔ اس کہ ساتھ موجود دیگر افراد اس کی طرف لپکے تھے۔ تبھی عالم اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا تھا۔ رعب سے، تمکنت سے۔“ ”عالم شاہ سے اس وقت تک تم کوئی چیز نہیں لے سکتے، جب تک کہ وہ خود دینا نہ چاہے۔“ ”عالم نے پھر سے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ اب اسے بری طرح جھٹک رہا تھا۔“ ”آؤ، لیجاؤ پچی کو۔“ ”عالم نے سکینہ کو ان کہ سامنے کھڑا کیا۔ وہ ان قدم قدم دور ہٹ رہے تھے۔ ان کہ ساتھی کا ہاتھ ہنوز عالم کی گرفت میں تھا۔ وہ درد سے بلبلا تا ہوا ز میں پہ بیٹھ چکا تھا۔

Posted On Kitab Nagri

عالم نے اسے ٹھوکر مار کر سکینہ کہ پاؤں میں ڈالا تھا۔ “سکینہ میری ذمہ داری ہے، عالم شاہ کی۔ اسے ہاتھ لگانا تو دور کی بات ہے، اسکی طرف دیکھنے کی بھی جرأت کی تو یہیں۔۔۔ یہیں زمیں میں زندہ گاڑ دوں گا۔” عالم اسے مسلسل ٹھوکریں مار رہا تھا۔ وہ جنوبی ہو چکا تھا۔ اس کا یہی جنون دیکھتے ہوئے آدمی کی دیگر ساتھی اسے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے گئے۔ “اور ہاں جا کر دلاور شاہ کو بتا دینا، عالم شاہ ابھی زندہ ہے۔۔۔!!!!!!” عالم نے باواز بلند کہا تھا۔ اس کا تنفس بری طرح بگڑ چکا تھا۔ دل تھا کہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ کمرہ میں موجود اس کی بیوی، عالم کہ اس روپ پر انگلیاں دانتوں میں دبائے محو حیرت تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عالم کا جنوں خطرناک ہے، مگر اس حد تک خطرناک ہو گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں اس نے اتنے نازک کام کی ذمہ داری عالم کہ سپرد کی۔ عالم واپس جا کر اپنی جگہ پہ بیٹھ چکا تھا۔ اس نے دلاور شاہ کو لگا رہا تھا۔ دلاور شاہ کہ انصاف اور گدی کو۔ بلکہ پنچائیت کہ سربراہ کو۔ وہ جانتا تھا کہ اب آگے اس کا رد عمل کیا ہو گا، وہ اس کہ لیے بھی خود کو کب سے تیار کر رہا تھا۔ گدی پہ اُس کا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا دلاور کا۔ اب دونوں بھائی نہیں بلکہ دو حقدار آمنے سامنے تھے۔ فرق اتنا تھا کہ ایک حقدار کہ ساتھ، پاکیزہ کھڑی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔۔۔؟؟؟؟ سکینہ اب عالم کہ پاؤں میں بیٹھی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ عالم نے شانوں سے پکڑ کر اسے اٹھایا، اور اپنے پاس بٹھایا۔ سکینہ کا چہرہ آنسو اور پسینے سے تر تھا۔ اس نے بے دھیانی سے جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ رومال نکال سکے۔ تب اس کا ہاتھ موبائل سے جا ٹکرایا۔ اس نے رومال سکینہ کو پکڑ لیا اور خود فوراً موبائل نکالا اور اسے آن کیا۔ دلہنار بیگم کہ گھر سے نکلنے کہ بعد وہ فوراً حویلی کی جانب نکل آیا تھا۔ اسے ماں کی صحت کہ مطابق پاکیزہ کہ ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا تھا۔ لیکن یہاں آ کر اس نے جو صورت حال دیکھی، وہ سب بھول کر اس جانب جُت گیا۔ سکینہ اٹھ کر بھاگ بھاگ پاکیزہ کی جانب لپکی تھی۔ عالم کا فون جو نہی آن ہوا، ایک کہ بعد

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

تھاجب وہ مجھ سے بدلہ لے سکتی تھی۔ وہ بھلا اسے ہاتھ سے کیسے جانے دیتی۔ اس نے مجھے اماں کی نظروں میں گرانے کے لیے ساری حقیقت اماں کو بتادی ہوگی۔ جسے سنتے ہی ان کی طبیعت بگڑی اور یہ سب ہوا۔ جتنا ذمہ دار میری اماں کو گولی مارنے والا ہے اتنی ہی ان کی موت کی ذمہ دار تم ہو زرشہ۔ نہ تم انھیں بھڑکاتی اور نہ وہ ہسپتال پہنچتیں۔ ”عالم کا دماغ عجیب ہی تانے بانے بن رہا تھا۔“ چائے! ”وہ اسی سب میں الجھا تھا کہ زرشہ چائے لیکر حاضر ہو گئی۔“ میری اماں کو موت کہ منہ میں دھکیلنے کے بعد مجھے چائے پیش کی جا رہی ہے۔۔۔۔ واہ! ”عالم نے چائے کی پیالی کو زور سے دور اچھالا تھا۔ وہ اس وقت زرشہ کا چہرہ دیکھنے کا رواد تک نہیں تھا۔“ آپ پلیز یہاں سے چلی جائیں۔ اور جب تک میں آپ کو لیکر کوئی حتمی فیصلہ نہ کر لوں، میں نہیں چاہتا آپ میرے سامنے آئیں۔ آپ کو شیر و آپ کی امی کی طرف چھوڑ آئے گا۔ ”عالم اپنی سنا کر رکنا نہیں تھا بلکہ باہر نکل گیا تھا۔ بنایہ دیکھے کہ اس کی جانب سے پھینکی گئی گرم چائے نے زرشہ کا ہاتھ بری طرح جھلسا دیا تھا۔ اور وہ جو من ہی من میں اپنے شوہر سے اقرارِ محبت کرنا چاہتی تھی، اس کا دکھ بانٹنا چاہتی تھی۔ اسے اپنا ناچاہتی تھی، وہیں زمیں پہ جھلسا ہاتھ لیکر بیٹھتی چلی گئی۔ اسے تکلیف ہاتھ کی جلن نہیں بلکہ دل میں لگی آگ دے رہی تھی۔۔۔۔

www.kitabnagri.com

عالم گھر سے سیدھا دفتر آیا تھا۔ جہاں بہت سے کام اس کے منتظر تھے۔ کچھ وہ جان بوجھ کر بھی خود کو مصروف رکھ رہا تھا۔ لیکن مصروف رہنے سے حالات تھوڑی نہ بدل جاتے ہیں؟ بکھرے ہوئے حالات کا سامنا تو بہر حال کرنا پڑتا ہے، انھیں سمیٹنے کے لیے! زرشہ، عالم کا حکم بھلا ٹال سکتی تھی، اس نے شیر و کو بلایا اور اپنی اماں کے گھر چلی گئی۔ اسے بھی اماں کی موت نے گہرے صدمہ سے دوچار کیا تھا۔ گو کہ اس کا زیادہ وقت اماں کے ساتھ نہیں گزرا

Posted On Kitab Nagri

تھا، لیکن جو بھی لمحات گزرے تھے وہ یاد گار تھے۔ اور سب سے زیادہ دکھ اسے اس بات کا تھا کہ اس نے اماں سے عالم کو لیکر جھوٹ بولے تھے۔ اور پھر وقت نے اسے سب درست کرنے کی مہلت بھی نہیں دی۔ اماں نجانے اپنے دل و دماغ میں عالم کہ لیے کتنے ابہام اور کتنی کڑواہٹ لیکر اس دنیا سے رخصت ہوئی ہوں گی؟ یہی سوچ زرشہ کو تیر کی مانند چیر رہی تھی۔ اس نے عالم کہ ساتھ ظلم کیا تھا۔ جس کا کفارہ بھی ممکن نہیں تھا۔ اسے یاد تھا اماں نے عالم کا حکم دیا تھا کہ زرشہ کو اس کی ماں کہ گھر چھوڑ آئے۔ تب اماں کا موڈ خراب تھا۔ وہ جہان کو لیکر بد ظن تھیں۔ سب زرشہ کی وجہ سے، اس کہ جھوٹ کی وجہ سے۔ کبھی کبھی ہم جھوٹ بولتے ہوئے، ضد یا حسد کی آڑ میں کسی دوسرے کو فقط ذلیل کرنے کہ لیے اس کی ذات کو لیکر جھوٹ بول تو دیتے ہیں، لیکن پھر قدرت ہمیں جھوٹ درست کرنے کا موقع نہیں دیتی۔ اور ہمارے پاس زندگی بھر کا پچھتاوا اور چھن رہ جاتی ہے۔ جھوٹ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اور کسی دوسرے کی ذات کو لیکر فقط اس لیے بولے جانا والے جھوٹ (کہ اس کی عزت و تکریم یا مرتبہ میں کمی واقع ہو) کا تریاق تو حکیم لقمان کہ پاس بھی نہیں تھا۔ یہی زرشہ کی سزا تھی۔ کہ ساری عمر وہ اسی پھانس کہ ساتھ گزار دیتی۔ یہی اس کہ جھوٹ کی، اس گڑھے کی سزا تھی جو اس نے عالم کہ لیے کھودا تھا۔ وہ بھی تب جب عالم خلوص نیت سے ایک بوڑھی عورت کا سہارا بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

-----دلاور شاہ کو بھی عالم والے واقعہ کی خبر مل چکی تھی۔ ملکوں نے بھری پنچائیت میں ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ وہ دلاور شاہ کہ انصاف کو لٹکار رہے تھے۔ اب چونکہ مد مقابل ان کا بہنوئی تھا، لہذا وہ چپ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ نا انصافی نہیں کر سکتے تھے۔ جبکہ سکینہ کہ گھر والوں جھولیاں پھیلا پھیلا کہ عالم کو دعائیں دے رہے تھے۔ وہ بخوشی وہاں سے رخصت ہوئے، جبکہ دیگر کو دلاور نے ایک ہفتہ کی مہلت مانگ کر بمشکل وہاں سے بھیجا تھا۔ شمشیر کی جانب سے بھی خوشی کی خبر موصول ہوئی تھی۔“ بلاآخر، دلہن بیگم، تمہارے ناپاک وجود

Posted On Kitab Nagri

تک بھی نظر نہ آند۔ ”وہ کہنے کیا آیا تھا اور کہہ کیا رہا تھا، وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ آصف کہ حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ وہ بے اختیار سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ”کک کک کیا مطلب؟ کک کک کون زرشہ؟“ ”آصف نے مصنوعی حیرانگی کا اظہار کیا۔“ مجھے دہرانے کی عادت نہیں ہے۔ جتنا کہا ہے اسے گرہ سے باندھ لو۔ ورنہ تمہارا باپ رھتی عمر تک تمہاری راہ تکتا رہ جائے گا۔“ ”عالم اب اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ اس کا غصہ جنون میں بدل رہا تھا۔ وہ یہاں سے جلد از جلد جانا چاہتا تھا۔“ مجھے سمجھانے سے بہتر ہے، اُس زرشہ کو سمجھاؤ۔ جس نے خود کال کر کے مجھے بلوایا۔ میں اُس جیسی لڑکی کو لفٹ کروانا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔“ ”آصف اپنی جگہ پہ کھڑا ہو چکا تھا۔“ اسے لیکر زیادہ جذباتی مت ہو۔ شکار بدلنا اس کی فطرت ہے۔ اور فطرت کبھی نہیں بدلتی۔“ ”آصف نے ایک اور چوٹ لگائی تھی۔“ ”جانتے ہو میری فطرت کیا ہے؟“ ”عالم دھاڑتا ہوا آصف تک پہنچا تھا۔“ اپنی بیوی کی جانب دیکھنے والے کی آنکھیں نوچ لینا، اور اس کا اس طرح ذکر کرنے والے کی زباں کاٹ دینا۔ ”عالم نے میز پر پڑا کانٹا ہاتھ میں اٹھا کر آصف کے سامنے لہرایا تھا۔“ ”اوہ سر آپ! آپ نے انفارم کیوں نہیں کیا، آپ آج یہاں آرہے ہیں؟“ ”قبل اس کہ، کہ عالم کہ ہاتھوں آصف کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا، ہوٹل مینجر عالم کو دیکھتے ہی وہاں آن پہنچا۔ عالم نے کانٹا وہیں پھینکا اور مینجر کی جانب مسکراہٹ اچھالتے ہوئے کچھ اس طرح گویا ہوا:“ ”مجھے چھوڑو، ان صاحب کی خوب خاطر کرو۔ اور بل مت لینا۔“ ”عالم نے کندھے پہ موجود سیاہ چادر کو درست کیا اور آصف پہ آخری معنی خیز نگاہ ڈالتے وہاں سے نکل گیا۔ اس کہ جانے کہ بعد آصف کی سانسیں بحال ہوئیں تو اس نے عالم کہ بارے میں مینجر سے استفسار کیا۔ جوں جوں وہ عالم کی اصلیت سن رہا تھا، اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل رہی تھیں۔“ ”مطلب زرشہ نے اب کی بار لمبا ہاتھ مارا ہے۔“ ”بے اختیار اس نے سوچا تھا۔ وہاں سے آجانے کہ بعد، عالم کافی دیر تک گاڑی یونہی روڈ پہ دوڑاتا رہا تھا۔ وہ آصف سے پوچھنے گیا تھا کہ وہ واقعی زرشہ کو لیکر سنجیدہ ہے؟ اگر ہے تو وہ زرشہ

Posted On Kitab Nagri

کو چھوڑ سکتا ہے۔ لیکن نجانے اسے کیا ہو گیا تھا کہ وہ کچھ اور کہہ بیٹھا؟“ جب ایک لڑکی تیرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی، تیرے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے مرد کو ترجیح دیتی ہے تو تو کیوں، ایسی لڑکی کو زبردستی اپنے نکاح میں قید کرنا چاہتا ہے عالم؟ اس کہ لا شعور سے کوئی چیخ چیخ کر اسے کہہ رہا تھا۔“ وہ بیوی ہے میری؟“ عالم نے جواب دیا تھا۔“ اچھا۔۔۔ بیوی۔۔۔ کیسی بیوی ہے، جسے اب تک جی بھر کر دیکھا تک نہیں تم نے؟“ جواب اسی درشتی سے آیا تھا۔“ میری عزت ہے۔“ عالم کو ایک اور جواز مل گیا تھا۔“ کیسی عزت؟ جو دوسرے مردوں کہ ساتھ ہنسی ٹھٹھہ کرتی ہے۔“ ترنت جواب ملا تھا۔“ اماں کی پسند ہے وہ۔“ عالم نے ایک اور سہارا لینا چاہا۔“ اماں اب یہاں نہیں ہیں۔ اور وہ اماں کہ جہان کی دلہن تھی، عالم شاہ کی نہیں۔“ لا شعور پوری طرح تیار بیٹھا تھا۔“ اماں کو محبت تھی اس سے۔ اور مجھے اماں سے محبت ہے۔ بس اسی لیے۔۔۔“ عالم کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔“ کیا صرف اماں کو محبت ہے اس سے۔۔۔؟؟؟؟“ اب کی بار لا شعور گال تلے ہاتھ رکھے، زبان دانتوں تلے دبائے، شرارت سے عالم سے سراپہ سوال تھا۔“ ہاں!“ عالم نے یک لفظی جواب دینے پہ اکتفا کیا تھا۔ لیکن اس ایک سوال نے عالم کہ اندر سب برباد کر دیا تھا۔ اس نے چہرہ چھپانا چاہا تھا۔ کیونکہ اسے جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اسکا لا شعور اس کہ چہرہ سے سچ نہ جان لے۔۔۔۔۔۔ ایس عشق دی ریت انوکھی اے اے تے نین ملا کہ لٹ لیندا لو کی دشمن بنا کہ لٹ دے نے اے تے یار بنا کہ لٹ لیندا جتھے عشق نے چاہتی پائی اے اتھے عقل نے ہوش گوائی اے اے بادشاہاں دے پُتراں نوں ہتھ کا سے پھڑا کہ لٹ لیندا۔۔۔۔۔۔ اسے لا شعور کہ قہقہے سنائی دیے تھے۔ اس نے ریس پہ پاؤں بڑھایا تھا۔ وہ یہاں سے فرار چاہتا تھا۔ لا شعور کہ تند و تیز قہقہے اس کا جینا عذاب کر رہے تھے۔ عالم تیز رفتاری سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ زرشہ کو لیکر وہ بدگمان تھا، اس سے بدظن تھا۔ لیکن اسے چھوڑنے کا سوچ کر ہی وہ کانپ جاتا تھا۔ وہ زرشہ کو نہیں چھوڑے گا۔ ہاں۔۔۔ وہ زرشہ کو

Posted On Kitab Nagri

چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ وہ زرشہ عالم شاہ کو ہمیشہ اپنے نکاح میں رکھے گا۔ ہاں، اپنی زندگی میں کب شامل کرتا ہے اسکا فیصلہ وہ وقت پہ چھوڑتا ہے! بلاخر اس کہ دماغ نے فیصلہ سنایا تھا، حتیٰ فیصلہ!----- خوش بخت بیگم بارہا زرشہ سے عالم کہ بارے میں استفسار کر چکی تھیں، لیکن زرشہ نے ابھی تک کوئی معقول جواب نہیں دیا تھا۔ دیتی بھی کیسے؟ اس کہ پاس بتانے کو بچا ہی کیا تھا؟ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ناؤ گہرے پانیوں کی نذر کی تھی۔ اب تو فقط دور ساحل پہ بیٹھ کر ناؤ کہ ڈوبنے کا منظر دیکھنا رہ گیا تھا۔ وہ گہری سوچ میں گم بیٹھی تھی جب اس کی اماں اس کہ قریب آکر بیٹھیں۔ انھوں نے اسے شانوں سے تھاما، اسکا رخ اب اماں کی جانب تھا: ”تُو شادی کہ بعد کتنا بدل گئی ہے نازرشہ؟ کہاں گئی وہ ہر وقت ناک میں دم کرنے والی زرشہ؟ وہ زرشہ جس کی تاک میں ہر وقت میری جوتی رھا کرتی تھی؟“ وہ بھی ماں تھیں، زرشہ کی بدلی حالت بھلا کیسے نظر انداز کر سکتی تھیں؟ زرشہ جو پہلے ہی بمشکل دل کہ ٹکڑے جوڑنے کی تگ و دو میں جُستی ہوئی تھی، ماں کہ منہ سے یہ الفاظ سننے کہ بعد، سب بھول کر ماں کہ گلے لگ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ رونے کہ لیے اس کہ پاس بے پناہ جواز تھے۔ اپنی ایک ایک خطا اسے یاد آرہی تھی۔ سب سے بڑھکر جہان کی ماں، آہ، کتنا ظلم کیا اس نے ایک بوڑھی پر، اُسے اپنے اکلوتے بیٹے سے بدظن کر کہ----- زرشہ کہ آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ کافی وقت بعد جب دل کا غبار ہلکا ہوا تو وہ ماں سے الگ ہوئی۔ اس کی آنکھیں سوچ چکی تھیں۔ ناک اور گال لال ہو رہے تھے۔ خوش بخت بیگم اتنا توا جان ہی چکی تھیں کہ معاملہ سنگین ہے، ورنہ زرشہ جیسی لڑکی اتنا کبھی نہ روتی۔ اب بس زرشہ سے سب اگلوانا تھا۔ جس کہ لیے انھیں محنت نہیں کرنا پڑی۔ زرشہ نے خود ہی شروع سے آخر تک ساری داستان ان کہ گوشگزار کی۔ داستان سنانے کہ بعد، وہ تو دل ہلکا کر کہ بیٹھ گئی، لیکن خوش بخت خاتون، کا دل کانپ کہ رہ گیا۔ ان کی نادان بیٹی کی غلطیاں ناقابلِ معافی تھیں۔ کسی بھی مرد کہ لیے، کسی بھی شوہر کہ لیے اور

Posted On Kitab Nagri

کسی بھی فرمانبردار بیٹے کے لیے زرشہ کو معاف کرنا بہت مشکل تھا۔ ”کیا کر بیٹھی تو زرشہ؟“ بلاخر اس کی اماں نے سکتہ توڑا تھا۔ ”اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر برباد کر بیٹھی۔“ وہ سینے پہ ہاتھ مار رہی تھیں۔ ”تو جانتی ہے، مرد خاص کر شوہر کہ دل میں ایک بار اگر بیوی کو لیکر بدگمانی گھر کر جائے تو اسے مٹانا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔“ وہ ہنوز بے یقینی کی کیفیت میں تھیں۔ ”اماں! اب میں کیا کروں؟ کیا عالم مجھے چھوڑ دیں گے؟ میں عالم کو کھودوں گی؟“ زرشہ زمیں پہ ماں کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔ دل میں چھپے دوسو سے بلاخر زباں پہ آگئے تھے۔ اماں نے اپنی گود میں دھرے زرشہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔ ان کی بیٹی واقعی پاگل تھی، انھیں آج یقین ہو گیا تھا۔ ”اماں! تو بولتی کیوں نہیں ہے؟ مجھے بتانا، کیا وہ مجھے چھوڑ دیں گے؟ وہ کہتے ہیں میں ان کی اماں کی قاتل ہوں۔ وہ مجھے معاف نہیں کریں گے نا۔۔۔۔۔“ زرشہ ماں کے چہرے کو ہاتھوں سے تھامے استفسار کر رہی تھی۔ وہ خود بھی روئے چلی جا رہی تھی۔ اماں کی خاموشی زرشہ کا دل دہلا رہی تھی۔ ”اماں بول نا۔۔۔ اگر عالم نے مجھے چھوڑا تو تیری زرشہ، مر جائے گی۔“ زرشہ نے اپنی ماں کی برستی آنکھوں میں لال آنکھیں ڈالتے اس قدر جذبات سے کہا تھا کہ اس کی اماں نے اسے جھک کر سینے سے لگا لیا۔ ”جس استحقاق سے عالم بھائی نے آپکو زرشہ عالم شاہ کہا تھا، یاد ہے۔۔۔؟؟؟؟ اس وقت ان کی آنکھیں پڑھی تھیں آپ نے؟ میں نے پڑھی تھیں۔ ان میں جانتی ہو آپ کہ لیے کیا تھا؟ محبت تھی! عزت تھی! مان تھا! غرور تھا!“ مینا جو نجانے کب سے ماں بیٹی کی باتیں سن رہی تھیں، تڑپ کر آگے بڑھی اور گھٹنوں کے بل زمیں پہ زرشہ کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے کہا۔ زرشہ اب دلچسپی اور شرم کی ملی جلی کیفیات سے مینا کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے اتنی محبت سے بہن کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ”مینا پھر سے بتانا۔۔۔“ زرشہ کی معصومیت اور بھولا پن عروج پہ تھا۔ ”عالم بھائی کی زباں ہی نہیں آنکھیں اور دل بھی بول رہا تھا آپ۔ ان کے لہجہ کی کھنک میں بھی آپ کہ عزت تھی۔ اور

Posted On Kitab Nagri

وہ آپ سے وقتی طور بدگمان تو ہو سکتے ہیں لیکن آپ سے دستبردار کبھی نہیں ہو سکتے۔ ”مینا نے زرشہ کہ لال ہوتے گالوں کو محبت سے چھوتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔ اور زرشہ کو لگا تھا کہ وہ اس وقت ساتویں آسمان پہ پہنچ گئی ہے۔ اسے یہی تو چاہیے تھا۔ بس عالم اسے کبھی چھوڑے نہیں۔ وہ عالم کہ نام کہ سہارے ساری زندگی گزارنے کہ لیے تیار تھی۔ اور جہاں تک بات رہی عالم کہ قرب کی، تو وہ خود کو اس قابل ہی نہیں سمجھتی تھی کہ عالم جیسے انسان کا اسے قرب عطا ہو سکتا ہے۔ اسے عالم کا نام مل گیا تھا، یہ اس کہ لیے کافی تھا۔“ اماں عالم مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے، وہ چھوڑ سکتے ہی نہیں ہیں۔ ”زرشہ اب ماں کو تسلی دے رہی تھی۔ اس کی آواز میں اب، یقین شامل ہو گیا تھا۔“ میرے بچے! اللہ سے اپنے شوہر کو واپس مانگ۔ وہ کبھی تجھے خالی دامن نہیں لوٹائے گا۔“ خوش بخت خاتون نے زرشہ کو راستہ دکھایا تھا۔ جسے زرشہ نے کھلے دل سے قبول کیا تھا۔ اسے اللہ کہ قریب ہونا تھا۔ کچھ حادثے آتے ہی اس لیے ہیں کہ آپ کو خالق کہ قریب کر سکیں۔ اسے اماں کہ لیے مغفرت اور اپنے لیے معافی کی درخواست کرنا تھی۔ جب اللہ اسے مل جائے گا تو عالم تو، خود ہی اس کہ پاس چلا آئے گا۔ اور ایک دن ایسا ضرور ہو گا! زرشہ نے وہاں سے اٹھتے ہوئے سوچا تھا۔ اس کا رخ و اشروم کی جانب تھا۔ اسے وضو کرنا تھا۔ اپنے رب کہ حضور حاضری دینا تھی۔ اس نے راہ پالی تھی۔ اسے اب اسی راہ پہ چلنا تھا! -----

دلاور شاہ نے عالم کو حویلی رات کہ کھانے پہ بلوایا تھا۔ اور عالم اسی غرض سے وہاں موجود تھا۔ رات کہ کھانے پہ دلاور کی بیوی، اور بیٹا بھی موجود تھے۔ اس کہ علاوہ پاکیزہ بھی عالم کی منتظر تھیں۔ عالم کو حیرت تو ہوئی، لیکن وہ بھی پوری تیاری کہ ساتھ آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دلاور شاہ اس سے کس بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔ اور پاکیزہ کو وہاں بٹھانے کا مقصد بھی اس کہ علم میں تھا۔“صفیہ اور اس کہ شوہر کو میں نے شہر میں اپنے ایک گھر میں پناہ دی ہے۔ آپ ملکوں کو بتادیں کہ وہ اس معاملے سے دور رہیں۔ بچوں نے اپنی پسند سے شادی کی ہے۔ وہ اگر انھیں

Posted On Kitab Nagri

قبول نہیں کرتے تو کم از کم ان کا پیچھا بھی مت کریں۔ ”عالم نے چائینیز رائس پلیٹ میں نکالتے بات کا آغاز کیا تھا۔“ تم پچھلے چار دن سے کہاں غائب تھے؟ سکینہ کہ واقعہ کہ بعد تم نظر ہی نہیں آئے۔ ”دلاور شاہ بھی تیار بیٹھے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ عالم اپنی ماں کی موت کا تذکرہ سب کہ سامنے کرے گا یا نہیں، کیونکہ اتنا انھیں علم تھا کہ عالم کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ سن کہ سامنے سچ اگلوانے کا اچھا موقع تھا۔“ اگر آپ ملکوں سے بات نہیں کر سکتے تو میں خود پنچائیت میں بیٹھ کر انھیں خبردار کروں گا۔ کیونکہ میرا بھی گدی بھی اتنا ہی حق ہے جتنا آپکا۔ ”عالم نے پاکیزہ کہ ہاتھ سے مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے، چکن منچورین کا ڈونگا پکڑتے اپنی گفتگو جاری رکھی تھی۔ یوں جیسے اسے دلاور شاہ کہ سوال سے فرق ہی نہ پڑا ہو۔“ بڑے بھائی نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔ ”اب کی بار دلاور شاہ کی بیوی نے مداخلت کی تھی۔“ جب مرد بات کر رہے ہوں تو خواتین نہیں بولا کرتیں بھابھی!“ ”عالم نے لہجہ حتی المقدور نرم رکھا تھا۔“ میرے سوال کا جواب دینا تم پر لازم ہے عالم شاہ!“ ”جواب دلاور شاہ کی جانب سے آیا تھا۔ بھائیوں کہ مابین سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔“ پہلے سوال میں نے کیا تھا، سائیں!“ ”عالم نے کھانے کی پلیٹ سائیڈ پہ کرتے ہوئے، ہاتھ میز پہ رکھتے کہا تھا۔ گویا جنگ کا جھنڈا عالم نے بھی اٹھالیا تھا۔“ اگلی پنچائیت میں تم آجانا، سب کہ سامنے بات ہوگی۔ جن کا بیٹا گیا ہے، ان کہ سوالات کہ جواب دینا تمھاری ذمہ داری ہے۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ ”دلاور شاہ نے زچ ہوتے ہوئے عالم کو جواب دیا تھا۔ وہ جانتے تھے عالم اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑنے والا۔ اب وہ بھی پلیٹ سائیڈ پہ کیے ہمہ تن گوش تھے۔ وہ عالم کہ منہ سے سننا چاہتے تھے کہ دلہنار بیگم کا انتقال ہو چکا ہے، گویا ان کہ پاک خاندان پہ لگانا پاکی کا دھبہ اہل چکا ہے۔ وہ دلچسپی سے عالم کو گھور رہے تھے۔ یوں جیسے کہہ رہے ہوں“ اب تمھاری باری!“ ”میرے آفس میں کام کرنے والے لڑکے کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہیں مصروف تھا۔ انھیں ہسپتال کی سیڑھیوں پہ کسی نے گولی ماری تھی۔

Posted On Kitab Nagri

“عالم نے کرب پہ بمشکل قابو پاتے جواب دیا تھا۔ اس کا دکھ اس کہ چہرے سے عیاں تھا۔ اسے اماں کا چہرہ یاد آیا تھا۔ شدت غم سے اسنے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔“ دفتر میں کام کرنے والی لڑکے کی ماں، تمھیں تمھاری بیوی سے زیادہ عزیز ہو گئی، کہ تم نے مڑ کر اس کی خیریت دریافت کرنے کا سوچا تک نہیں۔۔۔۔۔” دلاور شاہ کو من چاہا جواب نہیں ملا تھا۔ ان کا غصہ بجا تھا۔ وہ جانتے تھے عالم جھوٹ نہیں بولتا، پھر وہ کیا کہہ رہا تھا؟ ضرور کوئی گڑبڑ تھی۔“ دفتر میں کام کرنے والا لڑکا بھی مرچکا ہے۔ اس کی ماں کا میرے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس کا بیٹا تھا میں۔ اس کی آخری رسومات ادا کرنا میرا فرض تھا!“ عالم جذباتی ہو رہا تھا۔ اس کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔ پاکیزہ نے تڑپ کر اسکی جانب دیکھا تھا۔ اسکی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ یوں جیسے اس نے کسی بہت اپنے کو کھویا ہو! عالم اپنی سنا کر رکا نہیں تھا، بلکہ پاکیزہ کہ کمرہ کی جانب نکل گیا تھا۔ جبکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے پیچھے دلاور شاہ کو کس عذاب میں مبتلا کر گیا ہے!

حویلی میں رات کا کھانا بد مزہ ہو چکا تھا۔ عالم کہ جانے کہ بعد دلاور شاہ بھی اٹھ گئے تھے۔ جبکہ ان کی بیوی بھی اپنے بیٹے کو لیکر رخصت ہو گئی۔ پاکیزہ وہاں تنہا بیٹھی رہ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ زندگی کہ آخری پل وہ اپنے چھوٹے سے خاندان کہ ساتھ ہنسی خوشی گزارے، لیکن یہاں تو صورتحال مزید قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ دلاور شاہ کو بھی جانتی تھی جو خاندانی رسومات و رواج سے ذرہ برابر بھی انحراف کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ انھیں خاندان ہر شے پہ مقدم تھا۔ جبکہ دوسری جانب عالم، اس کا عالم شاہ! جس کہ نزدیک انسانیت سے بڑا کوئی خاندان کوئی رواج نہیں تھا۔ دونوں میں انگاری کی طرح جلتی بجھتی سرد جنگ بلاخر باقاعدہ طور پر آگ پکڑ چکی تھی۔ اب

Posted On Kitab Nagri

اس آگ میں کون کون جل کر خاکستر ہوتا تھا، یہ تو وقت پہ موقوف تھا۔ پاکیزہ کچھ سوچتے ہوئے وہاں سے اٹھی اور قدم قدم چلتی دلاور شاہ سے بات کرنے کی غرض سے ان کی اسٹڈی کی جانب بڑھتی گئی۔ اس نے ذاتی ملازماؤں کو آج رخصت دے دی تھی۔ وہ تنہا ہی دیوار کہ سہارے چل رہی تھی۔ دل و دماغ طرح طرح کی سوچوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ وہ جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جاتی۔ وہ جانتی تھی اسکا بھائی غلط ہے۔ وہ جانتی تھی اسکا شوہر ٹھیک ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی دلاور شاہ، عالم سے محبت کرتا ہے۔ عالم بھی دلاور سے کم محبت نہیں کرتا۔ اس کہ دل میں بھی جتنا احترام و محبت عالم کہ لیے تھا اتنا ہی دلاور کہ لیے بھی تھا۔ لیکن انا اور روایات کی دیوار ان دونوں بھائیوں کہ مابین حائل ہو چکی ہے۔ پاکیزہ اسی دیوار پہ ضرب لگانا چاہتی تھی۔ وہ اب چلتے چلتے بلا آخر اسٹڈی کہ دروازہ تک پہنچ چکی تھی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ دلاور شاہ دیوار پہ لگی کتابوں کی شیلف پہ غصہ سے ہاتھ مار رہے تھے۔ وہ سخت جھنجھلائے ہوئے لگتے تھے۔ “ہاں شمشیر!” ان کی رعب دار آواز گونجی تھی۔ پاکیزہ جو قدم اندر رکھنے ہی لگی تھی کہ اس پہ یہ ادراک ہوا کہ دلاور فون پہ کسی سے بات کر رہا ہے۔ یہاں سے چونکہ نیم رخ نیم واضح تھا لہذا وہ دلاور شاہ کو مکمل نہیں دیکھ پائی۔ بات کرنے تک اس نے خود باہر کھڑا رہنا ضروری سمجھا۔ وہ اب اسٹڈی سے دور ہٹ رہی تھی جب اس کی سماعتوں سے دلاور شاہ کی آواز ٹکرائی: “کس بڑھیا کو گولی ماری تو نے؟ وہ دبہار بیگم نہیں تھی۔ کوئی اور تھی۔ عالم کی ماں ابھی تک اسی زمیں پہ اسی ہوا میں سانس لے رہی ہے۔ ایک کام ڈھنگ سے نہیں ہو پایا تم سے نمک حرام۔۔۔!!!” دلاور شاہ نے غصہ میں فون بند کر دیا، لیکن باہر موجود ان کی بہن کہ ناتوا وجود پہ جو قیامت گزری اسکا شاید وہ کبھی اندازہ بھی نہ کر پائیں۔ پاکیزہ نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ وہ اب قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اس کا وجود لرز رہا تھا۔ رنگ فق ہو چکا تھا۔ اس کا بھائی، اسکا اپنا بھائی، اس کہ شوہر کو اتنا بڑا، اتنا گہرا زخم دینے جارہا تھا۔ وہ عالم کی ماں کو، عالم کی محبت کو، عالم کہ جہان کو ختم کرنا چاہتا تھا؟

Posted On Kitab Nagri

جبکہ وہ سب جانتے تھے کہ عالم کی ماں، عالم کہ لیے کیا معنی رکھتی ہے۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔
نہیں۔۔۔۔۔ میرا بھائی، میرا دادا سائیں، ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ اپنی ہی چچی کو جان سے مارنے کا نہیں سوچ سکتا۔
پاکیزہ ہنوز اٹے قدموں پیچھے ہٹ رہی تھی۔ دل و دماغ میں چلتی آندھیاں شدت اختیار کر چکی تھیں۔ ان کا سر
بری طرح چکرارہا تھا۔ چکراتے ہوئے انھوں نے دائیں بائیں ٹٹولتے ہوئے کوئی سہارا تھا مناجاھا، لیکن کوئی
سہارا میسر نہ آیا۔ لہذا بند ہوتی آنکھوں سے وہ لڑکھڑائیں اور گھومتی ہوئی زمیں بوس ہونے جا رہی تھیں کہ
کسی کہ مضبوط بازوؤں نے انھیں تھام لیا۔ تھامنے والا اب گھٹنوں کہ بل زمیں پہ بیٹھا تھا۔ اس کہ گود میں پاکیزہ کا
پیلہ پڑتا چہرہ تھا۔ پاکیزہ نے آخری منظر جو نگاہوں میں قید کیا تھا، وہ عالم شاہ تھا، جو اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اسے
ہوش میں لانے کی جستجو میں مگن تھا۔ پاکیزہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں۔ عالم پاکیزہ کو چلا چلا کر پکار
رہا تھا۔ جبکہ پاکیزہ بے سدھ ہو چکی تھی۔ اس کی آواز سنکر دلاور شاہ ہڑبڑاہٹ میں باہر کی جانب بھاگے تھے،
سامنے کا منظر ان کہ پاؤں تلے سے زمیں کھینچنے کہ لیے کافی تھا۔ وہ بھاگ کر پاکیزہ کی جانب بڑھے تھے۔
“پاکیزہ۔۔۔ اس وقت۔۔۔ یہاں۔۔۔” میرا مطلب ہے اسے، اس وقت اپنے کمرہ میں ہونا چاہیے تھا۔ ”دلاور
شاہ اب عالم کو کھری کھری سنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔“ میں انھیں آپ کہ پاس، آپ کی حفاظت میں چھوڑ کر کمرہ
میں گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ گاؤں کو سنبھالنے والا دلاور شاہ، اپنی بہن کو نہیں سنبھال سکتا، ورنہ انھیں لیے بنا
یہاں سے نہ ہٹتا۔۔۔ وہ تو صد شکر کہ میں انھیں ڈھونڈتا ہوا وقت پر یہاں آیا ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ”عالم اب پاکیزہ
کو باہوں میں اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبکہ دلاور کہ دماغ میں جہاں پاکیزہ کو کیکر پریشانی تھی، وہیں اس بات
کی فکر لاحق تھی کہ اگر پاکیزہ نے ان کی گفتگو سن لی ہوئی تو۔۔۔۔۔ وہ کبھی بھی اپنی بہن کہ سامنے شرمندہ نہیں
ہونا چاہتے تھے۔۔۔ وہ بھی اس طور۔۔۔!!!!!! دلاور نے مدد کہ لیے آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن عالم نے ہاتھ اٹھا کر

Posted On Kitab Nagri

انہیں روک دیا تھا۔“ عالم اپنی ذمہ داری اٹھانا چھے سے جانتا ہے۔۔۔!!! ”عالم اب پاکیزہ کو اٹھائے، کمرہ کی جانب رواں دواں تھا۔ دلاور شاہ فیملی ڈاکٹر کو جلد از جلد گھر آنے کی ہدایات دے رہے تھے۔ ان کے قدموں میں یکدم پھرتی بھرچکی تھی۔ اپنی بیوی کو باوازِ بلند پکارتے ہوئے وہ اب پاکیزہ کے کمرہ کی جانب بڑھ گئے تھے۔۔۔

----- صبح سے ہی زرشہ کا دل عجیب سا ہورھا تھا۔ اس نے اپنے لیے جو نئی راہ چنی تھی، وہ ہرگز آسان نہیں تھی۔ وہ اچھے سے جانتی تھی۔ تہجد کے وقت سے وہ جاگ رہی تھی۔ دل تھا کہ کہیں چین نہیں لے رہا تھا۔ اللہ کے پاک نام کی تسبیحات مسلسل پڑھ رہی تھی۔ وہ اب عالم کے ساتھ کی گئی آخری شاپنگ کھول کر بیٹھی تھی۔ تب سے اس نے ان کپڑوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ آج انہیں کھولاتا کہ کچھ اچھا پہن سکے۔ لیکن جوں جوں وہ بیگز کھولتی جارہی تھی، آنکھوں سے آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔ اس نے جان بوجھ کو عالم کو تنگ کرنے کے لیے سات جینز خریدی تھیں۔ وہ جانتی تھی عالم کو سب پسند نہیں ہے، پھر بھی اس نے اسے چڑانے کے لیے سب کیا۔ اس کے علاوہ کرتے بے حساب تھے۔ کوئی بھی ڈھنگ کا مکمل جوڑا نہیں تھا جو وہ پہن سکے۔ جسے پہن کر نماز ادا کر سکے۔ رب کے حضور حاضر ہو سکے۔ عالم ٹھیک تھا، اسکی پسندا چھی تھی۔ وہ عورت کو مکمل لباس میں دیکھنا چاہتا تھا۔ جینز، کرتا اور جو گرز پہننے والی زرشہ اب اپنی الماری کھولے بیٹھی تھی۔ وہاں بھی یہی حال تھا۔ کوئی مکمل جوڑا نہیں تھا۔ وہ اب زمیں پہ سرہاتھوں میں گرائے بیٹھ گئی تھی۔ آنسو آنکھوں سے نکل کر سخت فرش پہ گر رہے تھے۔ کتنی انجان تھی نا وہ۔ کتنی پاگل۔۔۔ پاکیزگی اور معصومیت سے کتنا دور تھی۔۔۔ عورت کے اصل زیور سے کتنی انجان تھی۔۔۔ اسے یوں بیٹھے وقت گزر تا گیا، حتیٰ کہ مؤذن نے ظہر کی نوید سنائی۔ وہ آنکھیں ملتے اٹھی۔۔۔ اس کا رخ اماں کے کمرہ کی جانب تھا۔ شاید وہاں سے کوئی پہننے لائق ڈھنگ کا جوڑہ مل جائے۔۔۔ اماں کی طبیعت خراب تھی، لہذا وہ سو رہی تھیں، جبکہ مینا کالج گئی تھی۔ زرشہ نے چپکے سے اماں کی

Posted On Kitab Nagri

الماری سے ایک مکمل جوڑا نکالا، اور نہادھو کر اسے زیب تن کیا۔ جوڑا اسے کافی کھلا اور لمبا تھا، وہ کافی عجیب لگ رہی تھی۔ لیکن وہ پرسکون اور مطمئن تھی۔ گھٹنوں سے نیچے آتی قمیض اور کھلے پائنجوں والی شلواریں وہ عمر سے بڑی لگ رہی تھیں۔ دوپٹہ اچھے سے اس نے لپیٹ رکھا تھا۔ وہ نماز ادا کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار تھی۔ اس نے ذوق سے نماز ادا کی تھی۔ نماز ادا کرنے کے بعد بھی دل کی بے چینی رفع نہیں ہوئی تھی۔ وہ وہیں جائے نماز پہ سر گھٹنوں میں دیے بیٹھی رہی۔ اسے بے اختیار عالم یاد آیا تھا۔ شاید اس کو لیکر اسکا دل بے چین تھا۔ وہ جتنا اسے دل سے محو کرنے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی اسے یاد آتا ہے۔ گو کہ اللہ کے ساتھ لو لگانے کے بعد اسکی اندر کی دنیا کافی بدل چکی تھی۔ لیکن عالم کو لیکر دل میں موجود بے چینی ویسی ہی تھی۔ وہ اسکا محرم تھا، اس کے بارے میں سوچنا اسکا حق تھا۔ اس نے جتنا برا عالم کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد عالم کا رویہ بجا تھا۔ لیکن وہ بار بار اللہ سے ایک ہی دعا کرتی تھی کہ عالم اسے چھوڑنے کا فیصلہ نہ لے، چاہے کچھ ہو جائے، وہ اس سے دور تو رہ سکتی تھی، لیکن اس کے نام کے بغیر جینے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی! ----- بروقت طبی امداد ملنے پر پاکیزہ کی حالت بحال ہوئی تھی۔ وہ اب کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ رات گئے ان کی آنکھ کھلی تو خود کو آرام دہ بستر پہ پایا، دائیں بائیں گردن گھمائی تو، عالم کو آرام دہ کرسی پہ آڑھتا ترچھا لیٹا ہوا دیکھ کر بے اختیار ان کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ عالم نے یونہی ساری رات گزار دی تھی۔ وہ جانتی تھیں! انھیں عالم پہ پیار آیا تھا۔ وہ ان کا شوہر تھا، لیکن وہ چاہ کر بھی اسے وہ حقوق نہیں دے سکتی تھیں جن کا وہ حقدار تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ عالم کو ایسی لڑکی ملے، جو اس کے قابل ہو۔ وہ اپنی زندگی میں عالم کو آباد دیکھنا چاہتی تھیں۔ انھوں نے اپنے ملنے والوں میں ایسی لڑکی کے تلاش کے لیے نگاہیں دوڑائیں تھیں، لیکن عالم کے شاہانِ شان کوئی لڑکی بھی انھیں نظر نہیں آئی تھی۔ ”آہ ادا سائیں آہ۔۔۔۔۔“

سوچ کا رخ بدلاتو دلاور شاہ کی یاد آئی۔ رات والا واقعہ جزئیات سمیت یاد آیا تھا۔ دلاور شاہ نے اچھا نہیں کیا تھا۔ وہ

Posted On Kitab Nagri

جانتی تھیں کہ دلاور شاہ نے کبھی بھی دلہنار بیگم کو قبول نہیں کیا تھا، لیکن دلاور ان سے اس حد تک نفرت کرتے تھے، یہ پاکیزہ کہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ فی الوقت یہ سب عالم سے چھپانا چاہتی تھیں، کیونکہ وہ دونوں بھائیوں کے مابین جاری سرد جنگ کو مزید ہوا نہیں دینا چاہتی تھیں۔ عالم لیٹے لیٹے کسمپاس تھا۔ اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ پاکیزہ کو جاگتا ہوا پا کر وہ تڑپ کر سیدھا ہوا تھا، اور اگلے ہی لمحے پاکیزہ کے پاس بستر پہ بیٹھا تھا۔ ”آپ ٹھیک ہیں؟“ ڈاکٹر کے مطابق ٹینشن کی وجہ سے بی پی ہائی ہوا۔ اور آپ کہ لیے ہائی بی پی کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، اسکا آپ کو اندازہ ہے۔۔۔ کیا بات تھی؟ میرا مطلب ہے کس وجہ سے آپ کا بی پی اتنی ہائی ہوا؟ ”عالم پاکیزہ کے بالوں میں انگلیاں چلاتے محبت سے پوچھ رہا تھا۔ پاکیزہ کے بال نہایت تیزی سے جھڑ رہے تھے۔ اب تو وہ آدھے سے بھی کم رہ گئے تھے۔ عالم نے انھیں دیکھ کر بمشکل جذبات پہ قابو پایا تھا۔“ پاکیزہ سُن سی لیٹی رہیں۔۔۔۔۔ ”اب وہ عالم کو کیا بتائیں۔۔۔ جھوٹ نہ وہ بولتی تھیں، نہ بولنا چاہتی تھیں۔“ کھانے کی میز پر میرے اور سائیں کے درمیان ہونے والی گفتگو شاید آپ کے لیے موجب تکلیف تھی۔ میں اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل، جہان کی اماں کی اچانک موت نے مجھے اتنا توڑ دیا تھا کہ میں آپ سے باہر ہو گیا۔ وہ مجھے اپنی ماں جیسی عزیز تھیں۔ میرا ان کے ساتھ نہایت اچھا وقت گزرا تھا۔ میں انھیں نہیں بھلا سکتا۔ بس شاید اسی لیے میں جذباتی ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے میں حویلی بھی نہیں آیا۔“ عالم دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ پاکیزہ اپنی جگہ سُن سی لیٹی عالم کو سن رہی تھیں۔ اس لمحہ انھوں نے چاہا تھا کہ وقت یہیں تھم جائے، وہ یونہی لیٹی رہیں، عالم یونہی ان کے پاس موجود رہے، اور یونہی وہ بولتا رہے۔۔۔۔۔ پھر نجانے کیوں ایک آنسو بائیں آنکھ سے ٹپک کر تکیہ میں جذب ہوا تھا۔ ایک بیوقوف سی خواہش دل میں اٹھی تھی کہ وہ اگر بیمار نہ ہوتیں، تو اب ان کی زندگی مختلف ہوتی۔۔۔ لیکن پھر فوراً ہی دماغ نے دل کو سرزنش کی تھی، وہ اللہ کے فیصلوں پہ راضی رہنے والوں میں سے

Posted On Kitab Nagri

تھیں، بھلا وہ ”اگر“، ”مگر“ کا کیسے سوچ سکتی تھیں؟ انھیں ”قدر“ پہ کامل ایمان تھا۔ جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے، وہی مل کر رہتا ہے۔ ”گر بیمار نہ ہوتی تو عالم کا تم سے نکاح تھوڑی نہ ہوتا پاگل۔۔۔۔۔!!!!“ ”دل نے بھی کچھ سوچ کر پاکیزہ کو مطمئن کیا تھا۔ کہتا تو وہ بھی ٹھیک تھا، ان کی بیماری نے عالم کو ان کی تقدیر بنایا تھا۔ بھلا اب وہ تقدیر سے مزید کیا مانگنا چاہتی تھیں۔۔۔ عالم ہنوز بول رہا تھا۔ وہ انھیں بتا رہا تھا کہ دلہنار بیگم نے پاکیزہ کے لیے نیک خواہشات اور دعائیں بھیجی ہیں۔ انھوں نے اس موقع کو غنیمت جانا تھا۔ عالم کا ہاتھ تھامے وہ اسے سنتی جا رہی تھیں۔ اب وہ اپنے بچپن کے قصے سن رہا تھا۔ کبھی دونوں ہنس دیتے، کبھی افسردہ ہو جاتے۔ اگلی صبح ان کا بڑا درس تھا۔ جس میں ساتھ والے گاؤں کے علاوہ شہر سے بھی خواتین نے بھی شرکت کرنا تھی۔ عالم نے خواتین کے بیٹھنے اور کھانے کے لیے اعلیٰ انتظامات کروائے تھے۔ وہ اب وہی بتا رہا تھا۔ پاکیزہ نے اس درس کے بارے میں عالم کو ہفتہ پہلے یونہی باتوں باتوں میں بتایا تھا۔ عالم کو سب یاد تھا، پاکیزہ کو حیرت ہوئی تھی۔ ”عالم جس لڑکی کا بھی مقدر بنے گا، وہ خوش نصیب ہوگی۔“ انھوں نے سوچا تھا۔ کیونکہ انھوں نے عالم جیسا ذمہ دار انسان نہیں دیکھا تھا۔ نجانے کب باتیں سنتے سنتے ان کی آنکھ لگی تو فجر کی آذان پہ کھلی۔ عالم وہیں بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ پاکیزہ آرام سے وہاں سے اٹھی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں، عالم اب کچھ دیر آرام کر لے، لیکن ان کے اٹھتے ہی عالم یکدم سیدھا ہوا تھا: ”کک کیا ہوا؟ کچھ چاہیے؟“ بے اختیار اس کے منہ سے پھسلا تھا۔ ”نماز کے لیے اٹھی تھی۔ آپ بھی پڑھ لیں، پھر سو جانا۔“ پاکیزہ نے رائے دی تھی۔ عالم نے تائید میں سر ہلایا تھا۔ اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ پاکیزہ کو عالم پہ ترس آیا تھا۔ اسکی وجہ سے وہ کس قدر ڈسٹرب ہو چکا تھا۔ ”آج ملکوں کا جرگہ بھی ہے۔ میں نے سکینہ کی بہن اور بہنوئی کو بھی بلوایا ہے۔ وہ سب کے سامنے بیان دیں گے کہ انھوں نے نکاح کیا ہے، پولیس بھی وہیں ہوگی۔ جب وہ دونوں یہ کہیں گے کہ وہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو کوئی بھی مداخلت نہیں کر

Posted On Kitab Nagri

پائے گا۔ ”عالم نے آنکھیں ملتے پاکیزہ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تھا۔“ اور رہی بات سکینہ کی تو، اس کہ لیے قریبی سکول میں بات کی ہے میں نے۔ وہ وہاں پڑھے گی اور پھر یہاں آپ کہ پاس وقت گزارے گی۔ ”عالم نے ساری پلاننگ پہلے سے کر رکھی تھی۔“ چونکہ الیکشن سر پہ ہیں، دلاور شاہ کسی بھی جھگڑے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں نے میڈیا اور مخالف پارٹی کہ ارکان کو بھی جرگہ میں مدعو کیا ہے۔ دلاور شاہ چاہ کہ بھی مخالفت نہیں کر پائے گا۔ ”عالم کہ لہجہ میں دلاور کہ لیے واضح نفرت موجود تھی۔ پاکیزہ یہ سوچ کر ہی لرز گئی تھی کہ اگر اسے دلاور شاہ کہ ایک اور کارنامے کا پتہ لگ گیا تو کیا ہو گا۔۔۔۔۔؟؟؟؟۔۔۔۔۔ اگلی صبح حویلی پہ خاصی مصروف طلوع ہوئی تھی۔ خواتین درس کی تیاریوں میں مگن تھیں، جبکہ عالم کہ ملازم جرگہ کہ انتظامات دیکھ رہے تھے۔ جرگہ دلاور شاہ کہ لیے غیر متوقع ہونے والا تھا۔ عالم جہاں دلاور شاہ کو سبق سکھانا چاہتا تھا وہیں وہ یہ چاہتا تھا کہ آئندہ کہ لیے دلاور شاہ ایسے فیصلے کرنے سے اجتناب کرے۔ عالم نے شیر و کو میڈیا ٹیم کو لانے کا کہا تھا۔ وہ بھی جلد ہی پہنچ گیا تھا۔ میڈیا والے مردانہ بیٹھک میں موجود تھے۔ ان کی بابت دلاور کو کچھ خبر نہیں تھی۔ عالم خواتین کی محفل کہ لیے بھی انتظامات کروا رہا تھا۔ خواتین کی آمد کہ لیے راستہ مکمل الگ تھا۔ ان کہ بیٹھنے کہ لیے شاہانہ انتظام کیا گیا تھا۔ ظہر کہ بعد سے خواتین کی آمد کا سلسلہ شروع کر ہو گیا تھا۔ حویلی کہ پچھلی سمت خالی برآمدے میں خواتین کہ لیے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ درس عصر تک شروع ہونا تھا۔ اُدھر زرشہ ظہر کہ بعد جائے نماز پہ بیٹھے بیٹھے ہی دل کہ ہاتھوں مجبور ہو کر عالم کا نمبر ملا بیٹھی تھی۔ وہ فقط اس کی آواز سننا چاہتی تھی۔ یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ وہ ٹھیک ہے۔ عالم نے اس کا نمبر نہیں اٹھایا تھا۔ اس نے شیر و کا نمبر ملا یا تھا۔ شیر و نے دوسری بیل پہ کال ریسپو کی تھی۔ ”بھابھی میں آپ کی بات کروانا ہوں عالم سے۔“ شیر و جانتا تھا کہ عالم زرشہ کو انکسور کر رہا ہے۔ وہ زرشہ کی پریشانی سے بھی آشنا تھا۔ لہذا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مزید پریشان رہے۔ وہ موبائل

Posted On Kitab Nagri

اٹھائے اٹھائے عالم کہ پاس پہنچا تھا۔ کال چل رہی تھی۔ عالم پہلے ہی کسی کو کال ملائے فون کان کہ ساتھ لگائے کھڑا تھا۔ شاید مخالف پارٹی کا ممبر تھا۔ شیر و نے زبردستی اسے فون تھمایا تھا، اور اشارہ کر کہ زرشہ کا بتایا تھا۔ عالم نے فون کان کہ ساتھ لگا کر گھمبیر سی آواز میں ”ہیلو“ کہا تھا۔ ”کوئی کام تھا کیا؟“ ”میں حویلی آیا ہوں۔“

دوسری جانب سے نجانے کیا پوچھا جا رہا تھا جو عالم ایسے جواب دے رہا تھا۔ شیر و اس کہ چہرے کہ بدلتے زاویے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت عالم کہ اپنے فون پہ چلتی کال کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ شاید دوسری جانب سے کال اٹھالی گئی تھی۔ زرشہ اس سے انجان نجانے کیا بول رہی تھی۔ عالم نے فون کان سے دور ہٹا دیا تھا۔ وہ اب اپنے فون کی جانب متوجہ تھا: ”ہاں ہاں، یہی حویلی آجائیں۔ یہیں ملاقات ہوتی ہے۔ بہت ضروری کام ہے مجھے بھی آپ سے۔۔۔“ عالم نے شیر و کو اس کا فون واپس پکڑا یا، اور خود بات کرتا ہوا مخالف سمت نکل گیا۔

شیر و نے کال منقطع کر دی تھی۔ اسے مزید کام دیکھنا تھے، صد شکر اس نے بات تو کی۔ بے اختیار شیر و نے سوچا تھا۔ کال منقطع ہوتے ہی زرشہ عجیب ہی نہج پہ سوچ رہی تھی: ”عالم مجھے حویلی بلوارھے ہیں؟ کیوں؟ کہہ رہے ہیں ضروری کام ہے۔۔۔ ایسا کونسا کام ہے جو وہ مجھے خود حویلی آنے کا کہہ رہے ہیں؟“ زرشہ کہ دماغ میں مختلف سوچیں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔ جو بھی تھا، اس شوہر کا حکم تھا، اسے بہر صورت بجالانا تھا۔ وہ اس بات سے انجان کہ عالم نے اسے نہیں کسی اور کو بلوایا ہے، حویلی جانے کہ لیے اماں سے اجازت لینے ان کہ کمرہ کی جانب گامزن تھی! ”میں کیسے تجھے اکیلے جانے دوں زرشہ؟ وہ بھی حویلی؟ نجانے وہاں کون کون ہو؟ تو ان کی بہو ہے، نجانے وہ تجھ سے کیسا برتاؤ کریں؟ میں خود جاؤں گی تیرے ساتھ۔۔۔۔۔“ اماں زرشہ کی بات سنتے ہی اٹھکر بیٹھ گئیں۔

”اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ میری پیاری اماں۔۔۔ تو کیوں پریشان ہوتی ہے؟ وہ ساتھ والے ڈرائیور چچا سے بات کر، وہ مجھے چھوڑ آئیں، واپسی پہ عالم چھوڑ جائیں گے۔ انھوں نے صرف مجھے بلوایا ہے۔ میں اب ان کی بات کا انکار تو

Posted On Kitab Nagri

نہیں کر سکتی نا۔۔۔!!! ”زرشہ کا انگ انگ خوشی سے سرشار تھا۔ اس کہ عالم نے اسے مدعو کیا تھا۔ وہ کیسے نہ جاتی۔۔۔؟؟؟ اسکی اماں اپنی جھلی کودیکھ دیکھ کر بے آواز رہی تھیں۔ اماں کہ لباس وہ جھلی، بلکل پاگل لگ رہی تھے۔ پانچے پاؤں میں جھاڑو دے رہے تھے۔ کھلی قمیض، سر پہ لیپٹا دوپٹہ، اور خوشی کہ مارے دائیں بائیں پڑتے اس کہ متوالے قدم۔۔۔ زرشہ کیا تھی، اور کیا بن گئی تھی؟ اماں اب قدم گھسیٹتے ساتھ والے کہ گھر جارہی تھیں۔ وہ ان کا جاننے والا تھا۔ اس سے زیادہ قابل اعتماد انسان انھیں زرشہ کو لیجانے کہ لیے نہیں ملنے والا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حویلی میں آمدورفت عروج پر تھی۔ مردوں اور خواتین کہ لیے علیحدہ علیحدہ راستے بنائے گئے تھے۔ مرد حضرات جرگہ کہ لیے آرہے تھے، جبکہ خواتین درس کہ لیے۔ زرشہ کو راستہ معلوم تھا۔ ٹیکسی زنانہ راستہ پہ آکر رکی تھی۔ وہاں پہ چہل پہل اور رش دیکھکر زرشہ کو حیرت ہوئی تھی۔ لیکن وہ برقعہ سنجالتی، آگے بڑھتے گئی۔ وہاں نمائندگی کرنے کہ لیے بہت سی خواتین ملازماں موجود تھیں۔ مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی بلاخر وہ ایک بڑے ہال میں پہنچی تھی۔ جہاں خواتین کا میلا سا لگا تھا۔ کچھ خواتین تو دیہاتی تھیں جبکہ دیگر اعلیٰ طبقہ کی معلوم ہوتی تھیں۔ زرشہ نے جہاں تک معلومات اکٹھی کی تھیں اسے معلوم ہوا تھا کہ پاکیزہ بی بی کا سالانہ درس ہے۔“ شاید عالم نے اسی لیے مجھے بلوایا ہو۔” زرشہ نے سوچا تھا۔“ پر اسے میرے استقبال کہ لیے تو آنا چاہیے تھا۔” دل میں ایک سوچ نے سراٹھایا تھا۔“ تیرے اعمال تو جیسے بہت اچھے ہیں نا۔۔۔۔” دماغ نے چوٹ لگائی تھی۔ وہ سر جھٹک کر اب آگے بڑھ رہی تھی۔ سفید چادریں بچھی تھیں۔ سامنے ایک چھوٹا سا سیٹیج تھا۔ جہاں ایک کرسی اور میزدھرا تھا۔ جہاں شاید پاکیزہ بی بی نے براجمان ہونا تھا۔ زرشہ اپنے تیئں کافی آگے جا کر بیٹھی تھی، تاکہ درس کو ٹھیک سے سن اور سمجھ سکے۔ وہاں موجود تمام ہی خواتین پاکیزہ بی بی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھیں، انکی نیک نامی کی معترف تھیں۔ زرشہ کو ان سے بن دیکھے ہی انسیت

Posted On Kitab Nagri

محسوس ہوئی تھی۔ اور اس نے جب سے اللہ کی جانب قدم بڑھائے تھے، اللہ اس کے لیے اپنی جانب آنے کے لیے راہیں کھول رہا تھا۔ یوں ہی ہوتا ہے، آپ اللہ کی جانب ایک قدم چلتے ہیں، اللہ دس قدم آگے بڑھتا ہے۔ زرشہ سرشار سے بیٹھی ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ یہ اس کے عالم شاہ کی حویلی تھی۔ نجانے پاکیزہ کا عالم سے کیا رشتہ تھا؟ اس سے پہلے وہ کسی سے یہ پوچھتی، سامنے موجود دروازہ میں ہلچل مچی تھی۔ شاید پاکیزہ بی بی آرہی تھیں۔ پھر کچھ ہی وقت بعد دو ملازماؤں کے ساتھ سر تا پا سفید لباس میں ملبوس ایک خاتون نے وہاں قدم رکھا۔ زرشہ نے اسے دیکھا تو یک ٹک دیکھتی رہ گئی۔ وہ کوئی پری تھی۔ کوئی اپسرہ۔ انھوں نے اسٹیج کے قریب پہنچ کر پاؤں جو تلوں کی قید سے آزاد کیے، اور آگے بڑھ کر کرسی پر براجمان ہو گئیں۔ وہ بہت سادہ اور عاجزی پسند تھیں۔ انھوں نے سر جھکا رکھا تھا۔ روئی جیسے نرم و نازک ہاتھ گود میں دھرے تھے۔ انھوں نے میز پر پڑا قرآن اٹھایا اسے بوسہ دیا پھر کھول کر تلاوت کا آغاز کیا۔ ان کی آواز جہاں کانوں میں رس گھول رہی تھی وہیں رونگٹے بھی کھڑے کر رہی تھی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد اس کا ترجمہ پیش کیا وہ بہت دھیمابولتی تھیں۔ سامنے مائیک پڑا تھا۔ آواز دور دور تک جا رہی تھی ان کا عرب شاندار تھا۔ شخصیت بے مثال تھی۔ ان کا چہرہ گویا، نور کا ہالہ تھا۔ اور سب سے بڑھکر ان کی عاجزی۔۔ یوں جیسے وہ سب سے کمتر ہوں۔ لہجہ میں مٹھاس تھی۔ بات سیدھا دل میں اتر رہی تھی۔ “عالم شاہ کو ایسی خواتین پسند ہیں، وہ ایسی نیک اور پاک خواتین کا حقدار ہے، مجھ جیسی بد کردار نہیں۔” زرشہ انھیں دیکھ دیکھ کر سوچے جا رہی تھی۔ اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھے۔ پاکیزہ کے سامنے وہ چاروں خانے چت ہو چکی تھی۔ “آپ سب جانتے ہیں مجھے، پھر بھی اپنا تعارف کروا رہی ہوں۔ وہ خواتین کو یہاں نئی آئی ہیں ان کے لیے۔” وہ اب ہاتھوں کو گود میں رکھے، دھیرے دھیرے بول رہی تھیں۔ آنکھیں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔ “میں پاکیزہ شاہ ہوں” (عالم کہ خاندان سے ہیں۔) زرشہ نے سوچا تھا۔ “پاکیزہ عالم شاہ!” (زرشہ کو لگا تھا کہ

Posted On Kitab Nagri

اسے سننے میں مسئلہ ہوا ہے۔) زرشہ نے بے اختیار نگاہیں اٹھا کر انھیں گھورا تھا۔ اپنا یہ تعارف کرواتے ہوئے ان کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ”پاکیزہ عالم شاہ!“ انھوں نے شاید اگلی بات کی شروعات کر دی تھی، لیکن زرشہ وہیں پھنس کر رہ گئی۔ (تو عالم نے اس لیے مجھے یہاں بلوایا تھا۔ آہ۔۔۔۔۔ اس نے مجھے دکھانے کہ بلوایا کہ وہ کیسی عورت کا حقدار ہے، اور میں کیسی ہوں؟ ”وہ تو“، پاکیزہ ”کا حقدار ہے، مجھ جیسی ناپاک کا تو نہیں۔۔۔۔۔)“

”زرشہ عالم شاہ“ اس کہ کانوں میں عالم کی آواز گونجی تھی۔ یوں جیسے وہ اسکی ہنسی اڑا رہا ہو۔ وہ عالم کہ نام کی حقدار تھی ہی نہیں۔ کبھی بن ہی نہیں سکتی تھی۔ عالم کہ نام کی صحیح حقدار اور وارث سامنے بیٹھی تھی۔ جسکا ایک بھرا ہوا مجمع معترف تھا۔ جو بات کر کہ مد مقابل کو مسحور کر دیتی تھی۔ جسکا اخلاق بلند تھا۔ جسکا کردار اعلیٰ تھا۔۔۔۔۔ ہاں وہی عالم شاہ کو ڈیزرو کرتی تھی، زرشہ نہیں۔۔۔۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اماں کا سیاہ برقعہ آنسو جذب کر رہا تھا۔ اس نے دانستہ سیاہ چادر سے کیا گیناقاب اتارا نہیں تھا۔ اب تو وہ اتار سکتی ہی نہیں تھی۔ اسے لگ رہا تھا پاکیزہ اور عالم مل کر بھرے مجمع میں اس کا تمسخر اڑا رہے ہوں۔۔۔۔۔ ”وہ دیکھو، وہ دیکھو، بڑی آئی عالم شاہ پہ حق جتانے والی۔۔۔۔۔ اس بد کردار کو دیکھو۔۔۔۔۔ اس بیہودہ کو دیکھو۔۔۔۔۔ اس بے عزت کو دیکھو۔۔۔۔۔ عالم اور پاکیزہ ہنس رہے تھے اور وہ روئے چلی جا رہی تھی۔ ** ہے

زرشہ نے پھر سے سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا تھا۔ اس کہ اندر کوئی مسلسل چیخ رہا تھا۔ اسے احساسِ کمتری میں مبتلا کر رہا تھا۔ اور پھر وہی ہوا جیسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ جب بھی ہم احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں تو شیطان اپنے وسوسوں سمیت عود آتا ہے۔ زرشہ کہ جی میں بھی شیطان نے مداخلت کر ڈالی تھی۔ اور زباں سے وہ اگلوادیا تھا، جیسے الفاظ ہم کسی دوسرے کہ پاس موجود کوئی نعمت دیکھ کر نکالتے ہیں۔ ناشکری کہ الفاظ! اللہ سے گلے اور

Posted On Kitab Nagri

شکوے سے بھرپور الفاظ!“ کیا ہوتا اللہ پاک اگر میرا کردار، ظاہر اور باطن بھی پاکیزہ کہ جیسا پاکیزہ ہوتا، میں بھی ویسی ہی مکمل ہوتی جیسی وہ ہے۔۔۔۔!!!!!!” آنسوؤں کہ بیچ بمشکل یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔ لال انگارہ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اب وہ از سر نو پاکیزہ کا جائزہ لے رہی تھی۔ جواب مزید دھیمابول رہی تھیں۔ ان کا لہجہ لڑکھڑا رہا تھا۔ بار بار آواز گلے میں آکر دم توڑ رہی تھی۔ ان کا درس اب عروج پہ پہنچ چکا تھا۔ نجانے کتنے ہی لاپرواہ اور بھول بھلیوں میں بھٹکتے دلوں پہ ان کہ الفاظ نے دستک دیکر جگادیا تھا۔ لیکن اب وہی الفاظ نہ فقط کانپ رہے تھے، بلکہ مکمل ادا بھی نہیں ہو رہے تھے۔ سامعین کو اب سمجھ نہیں آرہی تھی۔ جسکی وجہ سے محفل میں بے چینی گردش کر گئی تھی۔ زرشہ نے بھی تعصب کی عینک اتار کر پاکیزہ کو دیکھا تھا، ان کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ ہاتھ اور پاؤں کی لغزش باوجود چھپانے کہ بھی واضح تھی۔ ان کی خادماں ان کہ پہلو میں آکر کھڑی ہو چکی تھیں۔ ایک نے پانی کا گلاس آگے بڑھایا تھا، پاکیزہ نے وہ تھا منا چاہا تھا لیکن ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے وہ چھوٹ کر زمیں پہ گرا تھا۔ پاکیزہ واضح طور شرمندہ ہو رہی تھیں۔ لیکن ان کہ ساتھ جو بھی ہو رہا تھا، وہ ان کہ کنٹرول سے باہر تھا۔ انھوں نے اب سر پیچھے گرا دیا تھا۔ محفل میں چہمگوئیاں عروج پر تھیں۔ خادماؤں نے انھیں سہارا دے کر اٹھایا اور کمرہ کی جانب لے گئیں۔ ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی۔ محفل میں ہلچل دوڑ گئی۔“ سنا ہے بی بی جی کو جان لیوا مرض لاحق ہے۔ بیچاری کو اللہ نے سب کچھ دیا، عزت، دولت، پیسہ، شہرت، لیکن صحت نہیں دی۔“

“بیچاری! کتنی معصوم اور نازک لگتی ہیں، لیکن کون جان سکتا ہے کہ وہ کتنی بڑی بیماری سے لڑ رہی ہیں۔“ سنا ہے ان کی بیماری انھیں زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہنے دے گی۔“ ایسی بہت سی سرگوشیاں زرشہ کہ کانوں میں بھی پڑی تھیں۔ اور تب اس کا جی چاہا تھا کہ زمیں پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ کتنی کم ظرف، کتنی چھوٹی سوچ کی مالک تھی نہ وہ۔۔۔ اسی کی گندی نظروں نے شاید پاکیزہ کا یہ حال کر دیا تھا۔ کسی کہ اندر کا حال جانے بنا ہم کیسے

Posted On Kitab Nagri

کیسے اندازے قائم کر لیتے ہیں؟ اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ پاکیزہ اپنے اندر کتنی بڑی لڑائی لڑ رہی تھیں۔ اور وہ۔۔۔ وہ اللہ کی پاک ذات سے گلے لیکر بیٹھ گئی۔۔۔ ناشکری کی انتہا تھی نایہ۔۔۔“ ہوں تو میں وہی زرشہ نا۔۔۔ بدکردار اور دین سے کوسوں دور۔۔۔ ابھی تو میرے پاؤں پہ آبلے پڑے ہی نہیں، اور میں پاکیزہ کا مقابلہ کرنے کا سوچ رہی ہوں۔۔۔ پاکیزہ کا۔۔۔ جنہوں نے یہ عزت، یہ مقام نجانے کتنے محاذ سے گزر کر کمایا تھا۔ واقعی میں کبھی بھی اللہ والی نہیں بن سکتی، نہ میری سوچ ایسی ہے، اور نہ ہی میری اوقات۔ میں زمیں سے اٹھ ہی نہیں سکتی، میں اپنی ذات سے، دنیاوی خواہشات اور اپنے نفس سے منہ موڑ ہی نہیں سکتی۔۔۔ میں زرشہ تھی، اور زرشہ ہی رہوں گی، میں کبھی پاکیزہ بن ہی نہیں سکتی۔۔۔!!!!!!” زرشہ وہاں سے نجانے کب کی اٹھ گئی تھی۔ اب وہ انھی راستوں پہ گامزن تھی، جہاں سے وہ آئی تھی۔ باہر ٹیکسی والا اسکا منتظر تھا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھی اور گھر واپس آگئی۔ لیکن گھر واپس آنے والی وہ زرشہ نہیں تھی جو گھر سے جاتے وقت تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی زرشہ تھی۔

----- اُدھر محفل برخواست کر کے کھانے لگوادیا گیا تھا۔ پاکیزہ کو ادویات دیکر سلا دیا گیا۔ جبکہ اگر مردانہ سائیڈ پہ نظر دوڑائی جائے تو وہاں محفل عروج پہ تھی۔ دلاور شاہ ابھی ابھی آکر براجمان ہوا تھا۔ حلیہ ویسا ہی شاندار تھا، انداز مستحکم تھا اور لہجہ جاندار! جبکہ عالم شاہ بھی پوری تیاری کے ساتھ موجود تھا۔ سکینہ کی بہن اور بہنوئی بھی پہنچ چکے تھے۔ ملکوں کے آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ کمی ذات کی لڑکی دیکھ کر جی ہی جی میں کڑھ رہے تھے۔ جرگہ کا باقاعدہ آغاز کیا جا چکا تھا۔ لڑکی نے اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔ پھر لڑکے کی باری تھی، اس نے بھی اپنا بیان جرگہ کے سامنے دہرایا۔ دونوں اپنی شادی پہ رضامند اور ساتھ رہنے کے لیے بخوشی بغیر کسی دباؤ کے رہنے کے لیے تیار تھے۔ اب بال دلاور شاہ کے کوٹ میں جا پہنچی تھی۔ وہ پہلے سے ہی اس صورتحال کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ وہ منجھے ہوئے کھلاڑی تھے، انھیں مات دینا بھلا کسی کے بس میں کہاں تھا؟ ایسا وہ سوچتے تھے۔“ دونوں اطراف کے

Posted On Kitab Nagri

بیانات بخوشی سننے کے بعد میں اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے چند گواہان کو بھی سننا پسند کروں گا۔ ”دلاور شاہ کا اشارہ دائیں جانب تھا۔ جہاں چار لڑکے درمیانی عمر کے موجود تھے۔ ایک دلاور شاہ کا اشارہ ملتے ہی سامنے آکر کھڑا ہوا تھا: “میرا نام عاقب جاوید ہے، میں شہر کہ کالج میں بارہویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ میں گاؤں کم ہی آتا ہوں۔ میرا گھر صفیہ بی بی کے گھر ساتھ ہی واقع ہے۔ صفیہ بی بی کردار کی بری لڑکی ہے۔ اس نے مجھ پر ڈورے ڈالنے چاہے تھے۔ اس کے لکھے گئے خطوط میرے پاس ابھی بھی محفوظ ہیں۔ یہی نہیں جب میں یہاں سے شہر چلا گیا پڑھائی کے لیے تو یہ بھی میرے پیچھے شہر پہنچ گئی۔ وہاں بھی اس نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہ ملک ذات کو بدنام کرنا چاہتی ہے، اس نے پلاننگ کے تحت ملک عمار کو بہلا پھسلا کہ شادی کی ہے۔ ”جوں جوں وہ لڑکا رٹا یا سبق دہرا رہا تھا، صفیہ اور اس کے گھر والوں کے پاؤں تلے سے زمیں نکلتی جا رہی تھی۔ اسکا بوڑھا باپ عاقب کو گالیوں سے نوا “زرہا تھا۔ جبکہ عالم شان سے بیٹھا سب سنتا رہا۔ عاقب کے بعد دلاور نے اگلا گواہ بلوایا تھا: “میرا نام میرب ہے۔ میری شہر میں دکان ہے۔ میری دکان صفیہ بی بی کے گھر سے پچھلے گلی میں ہے، جبکہ میرا گھر صفیہ بی بی کے شہر والے گھر کے ساتھ ہے۔ صفیہ بی بی انتہائی بد کردار اور بری عورت ہے۔ اس نے نہ صرف مجھ پر بلکہ میرے چھوٹے بھائی قیوم کو بھی ورغلا یا۔ وہ ہم سے پیسے اینٹھنا چاہتی تھی۔ یہی نہیں میری گھر والی نے صفیہ بی بی کے کردار کو لیکر ایسی باتیں بتائیں کہ میں کہنے سے بھی ڈر رہا ہوں۔ ”میرب نے تو الزامات میں عاقب کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ دلاور شاہ مزید سکون سے بیٹھ چکے تھے۔ اگلے دونوں لڑکوں نے بھی کچھ اسی قسم کی کہانی سنائی تھی۔ جرگہ میں چمگو بیاں عروج پر تھیں۔ سب صفیہ کے کردار پر نہ صرف انگلیاں اٹھا رہے تھے بلکہ اسے برا بھلا بھی کہہ رہے تھے۔ اسکا شوہر عمار جب بھی اس کے حق میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہتا، اس کے پیچھے کھڑا ایک چوکیدار بندوق دکھا کر اسکا منہ بند کروا دیتا۔ جبکہ صفیہ۔۔ وہ سر جھکائے آنسو بہانے کے سوا کچھ بھی کیا سکتی

Posted On Kitab Nagri

تھی؟ صفیہ کی برادری اب عالم شاہ کی جانب التجائی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ”بس یا، اور گواہان بھی ہیں؟“

عالم نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا تھا۔ یوں جیسے وہ اس ساری کاروائی سے اکتا گیا ہو۔ ”کیا آپ کہ پاس کوئی گواہان ہیں؟“ دلاور شاہ نے روایتی انداز میں آواز بلند سوال دہرایا تھا۔ دوسری جانب مکمل سکوت طاری تھا۔ ہلکی سسکیاں اور زیر لب بددعائیں ہوا میں شامل ہو رہی تھیں۔ دلاور شاہ سمیت سب کی نظریں عالم پہ تھیں۔ ”تو سنائیں فیصلہ سائیں، آپ کا جو بھی فیصلہ ہو گا ہمیں منظور ہے۔“ عالم نے ہاتھ جھاڑتے دلاور شاہ سے کہا تھا۔ جبکہ عالم کہ الفاظ سنکر نہ فقط عمار اور صفیہ چونکے تھے بلکہ صفیہ کی برادری والے بھی سخت رنجیدہ ہوئے تھے۔ ”چونکہ گواہان نے آپ سب کے سامنے بیانات دیے ہیں۔ جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ صفیہ بی بی کردار کی بری عورت ہے۔ اس نے ملک عمار کو بھی دھوکے سے اپنے جال میں پھنسا یا اور شہر بھاگ گئی۔ صفیہ بی بی کہ گناہ ناقابل معافی ہیں۔ اُسے ایسی سزا دی جائے گی، کہ دوسری خواتین بھی عبرت حاصل کریں۔۔۔۔۔ میرا پرانا فیصلہ برقرار ہے، ملک عمار اسی جرگہ میں صفیہ کو طلاق دیگا، اور صفیہ کو سنگسار۔۔۔۔۔“ ”دلاور شاہ نخوت سے فیصلہ سنارھے تھے کہ یکدم ڈیرے پہ گاڑیوں کے آکر رکنے کی آوازیں گونجنے لگی۔ یوں جیسے بہت سی گاڑیاں ایک ساتھ آکر رکی ہوں۔ دو گاڑیوں میں سائرَن بھی تھا۔ جرگہ میں ہلچل دوڑ گئی تھی۔ سب کی نگاہیں اب دلاور شاہ سے ہٹ کر بڑے دروازے کی جانب تھیں، جہاں سے دلاور شاہ کا سب سے بڑا حریف، ملک قاسم علی، اپنے ذاتی گارڈز اور دیگر معزز حضرات کے ساتھ داخل ہوا۔ میڈیا والے بھی ان کے ساتھ آئے تھے۔ جبکہ دیگر مایہ ناز اور نامور صحافی بھی ملک قاسم کے قدم سے قدم ملا کر دلاور شاہ کے سر تک آگئے تھے۔ جہاں عالم نے سکوں کی سانس خارج کی تھیں، وہیں دلاور شاہ کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ ایک منجھے ہوئے سیاست دان تھے، لیکن ایسی صورت حال کا سامنا انھیں پہلی دفعہ کرنا پڑا تھا۔ ویسے اگر دیکھا جائے

Posted On Kitab Nagri

تو عالم شاہ سے ٹکر بھی تو انھوں نے پہلی بار ہی لی تھاندا۔۔۔ خیر! دلاور شاہ ہی نہیں سارا گاؤں ہی اپنی نشتوں پہ کھڑا ہو چکا تھا۔ دلاور شاہ نے یکدم پینتر ابد لا تھا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر ملک قاسم علی کو گلے سے لگایا تھا۔ گو کہ وہ اس وقت اس کا خون کر دینا چاہتے تھے لیکن میڈیا اور عوام کہ سامنے وہ ایسی حرکت کرنا تو دور کی بات، ایسا ویسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، وہ فقط اچھائی دکھا سکتے تھے، اور وہ بھرپور انداز میں دکھا رہے تھے۔ انھوں نے اپنی نشست قاسم علی کو پیش کی تھی۔ “ہاں دلاور! ہم یہاں سے گزر رہے تھے، سوچا آپ کہ حلقہ کا چکر لگالیں۔ یہ میڈیا والے میرے حلقہ میں بھی آئے تھے، لوگوں سے انٹرویو وغیرہ لیے، اب تمہارے حلقہ کی باری ہے۔“

ملک قاسم اب ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے، معنی خیز انداز میں پاس براجمان دلاور شاہ کو دیکھ کر بولے تھے۔ “یہاں تو لگتا ہے کوئی جرگہ وغیرہ چل رہا ہے، چلو اچھا ہے، تمہاری کارکردگی کہ علاوہ تمہارا انصاف بھی دیکھ لیں گے۔“

ملک قاسم نے توقف کہ بعد کہا تھا۔ عالم شاہ اس سارے وقت میں اپنی جگہ براجمان رہا تھا۔ وہ بس سکوں سے بیٹھا سب دیکھ رہا تھا۔ “بس معمول کی کارروائی ہے ملک صاحب! آپ تو جانتے ہیں عوام کہ جھمیلے۔“ دلاور شاہ نے آنکھ کہ اشارہ سے اپنے آدمیوں کو کچھ سمجھایا تھا۔ “چلو جرگہ برخاست ہو گیا ہے۔ باقی کی کارروائی کل کی جائے گی۔“ دلاور کہ آدمیوں نے لوگوں کو اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ “سائیں! سائیں! ملک صاحب! یہ سب مجھ پر ظلم کر رہے ہیں۔ آپ ہی اب میری جان بچا سکتے ہیں۔ یہ میرا شوہر ہے، ہم نے پسند کی شادی کی۔ لیکن۔۔۔

لیکن۔۔۔!!!!!!“ صفیہ کو نجانے کیا سوچھی کہ وہ بھاگ کر ملک قاسم کے پاؤں میں بیٹھ گئی اور گڑ گڑاتے ہوئے اپنی درخواست پیش کرنے لگی۔ لیکن اسکی اس حرکت پر بھلا دلاور سائیں کہ آدمی کہاں خاموش تماشائی بنے فقط دیکھنے پہ اکتفا کر سکتے تھے۔ ایک نے آگے بڑھ کر اسے کندھے سے پکڑ کر دھکیلنا چاہا تھا۔ صفیہ کی زباں وہیں بند ہو کہ رہ گئی۔ “چھوڑ دی عورت کو۔۔۔ خواتین کی عزت کرنا نہیں سکھایا تمہیں کسی نے۔۔۔ ملک قاسم

Posted On Kitab Nagri

نے آدمی کو دھکا دیا تھا۔“ دلاور شاہ! آپ کہ آدمیوں کو تو تمیز چھو کہ بھی نہیں گزری۔۔۔۔۔“ ایک صحافی نے دلاور شاہ کو چوٹ لگائی تھی۔“ ہاں بی بی! بولو۔۔۔“ ملک قاسم نے اب کی بار قدرے نرمی سے گفتگو کی تھی۔ بس پھر کیا تھا، صفیہ بی بی اور ملک عمار کہ علاوہ صفیہ کی برادری والوں میں بھی ہمت آگئی تھی۔ وہ سب ملک قاسم کہ سامنے بیٹھ گئے اور الف سے ے تک تمام کہانی ان کہ گو شگلزار کی۔ دلاور شاہ اپنی جگہ پر بیٹھے پیچ و تاب کھانے کہ علاوہ اب کر بھی کیا سکتی تھے۔“ میں اس بچی اور اس کہ شوہر کو اپنی حفاظت و تحویل میں لیتا ہوں۔ یہ شہر میں موجود میرے گھر میں رہیں گے، اور اگر انھیں، یا صفیہ بی بی کی برادری کہ کسی بھی فرد کو کچھ بھی ہوا تو اس کا ذمہ دار میں دلاور شاہ کہ آدمیوں کو سمجھوں گا۔“ ملک قاسم شاہ نے سب کی موجودگی میں حتمی فیصلہ سنایا تھا۔ جرگہ کا ماحول ہی بدل گیا تھا۔ ملکوں کا طبقہ دور کھڑا دیکھتا رہ گیا، اور غریب طبقہ بازی لے گیا۔ صفیہ مقدمہ جیت چکی تھی۔ اسکی سچائی ثابت ہوئی تھی۔ صفیہ اور اسکی برادری والوں کو مالک قاسم کہ محافظوں نے نزعہ میں لیکر رخصت کیا تھا۔ صفیہ جس کا وجود چادر میں مقید تھا، بہتی آنکھوں سے عالم شاہ دیکھا تھا۔ یوں جیسے کہہ رہی ہو: “بھائی! تم نے حق ادا کیا۔“ عالم نے سر کو ہلکی سی جنبش دیکر اس کا شکریہ قبول کیا تھا۔“ دلاور شاہ! عوام کو آپ سے انصاف کی امید ہے۔ اسکو یقینی بنائیں، تاکہ دنیا اور آخرت میں آپکی جیت یقینی ہو۔۔۔“ اب ملیں گے، الیکشن والے روز۔۔۔ گرا اللہ نے چاہا تو۔۔۔“ ملک قاسم نے اٹھتے ہوئے، دلاور شاہ کو کہا تھا۔ ان کہ ساتھ ہی دیگر افراد بھی اٹھ گئے تھے۔“ ملک صاحب! میرے حلقہ میں مداخلت کہیں آپکو مہنگی ہی نہ پڑ جائے۔ وہ کیا ہے نا، جیسی کرنی ویسی بھرنی کی کہاوت ہمیں بھی بہت پسند ہے۔“ دلاور شاہ نے جھکتے ہوئے نلک قاسم کہ کان میں کہا تھا۔ جو اب اوہ فقط مسکرا کر رہ گئے۔ وہ جس شان سے آئے تھے، اسی شان سے رخصت بھی ہو گئے۔ جبکہ ملک برادری بھی، ملک قاسم کہ خلاف آوازیں کستے اور نعریں بلند کرتے اب تتر بتر ہو رہے تھے۔“ جلد از جلد ایک پریس

Posted On Kitab Nagri

کانفرنس کا انتظام کرو، ہم اپنا بیانیہ دیں گے کہ ملک نے ہمارے ڈیرے پہ مسلح افراد کہ ساتھ چھاپہ مارا، ہمارے آدمیوں کو مارا پیٹا، ہمارے جرگہ میں مداخلت کی اور ایک جرائم پیشہ گروہ کو بھی چھڑا کر لے گئی ”دلاور شاہ نے فوراً سے پیشتر اپنے باڈی گارڈ کو ہدایات دیں تھیں۔ ان کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔“ تم کیوں خاموش بیٹھے تماشہ ہوتا دیکھتے رہے۔ ”دلاور شاہ کی توپوں کا رخ اب عالم کی جانب تھا۔“ آپ بھی تو خاموش رہے۔“ عالم نے اپنی جگہ پہ اٹھتے ہوئے چادر درست کرتے کہا تھا۔“ آج پہلی بار مجھے مات ہوئی، کیونکہ مد مقابل شاید میرا بھائی تھا!“ ”دلاور شاہ نے زخمی لہجہ سے کہا تھا۔ اور رخ پھیر لیا۔“ گر آپ کہ فیصلے ایسے ہی رہے تو پھر۔۔ (عالم پل بھر کہ لیے خاموش ہوا تھا، پھر دلاور شاہ کہ کان کہ قریب جھکتے ہوئے گویا ہوا) شہ مات کا انتظار کیجیے گا۔ ”وہ رکا نہیں تھا بلکہ نکل گیا تھا۔ اسے اب پاکیزہ کہ پاس جانا تھا، انھیں بھی تو خوشخبری سنانی تھی۔ دلاور شاہ اسے جاتا دیکھتے رہ گئے، اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ جب سے عالم حویلی آیا تھا، اس نے دلاور شاہ کو ٹف ٹائم دیا تھا۔ نجانے آگے کیا ہونے والا تھا۔۔۔ دلاور شاہ پہلی بار انتہائی گہری سوچ میں گم دکھائی دیتے تھے۔۔۔

----- گھر واپس آنے کہ بعد زرشہ نے خود کو کمرہ میں مقید کر لیا تھا۔ اسے اس قدر شرمندگی تھی کہ وہ کسی کا سامنا کرنے کی جرأت ہی نہ کر پائی۔ وہ کس قدر ناشکری اور بد عہد ثابت ہوئی تھی، یہ حقیقت اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اس نے اس راستے کو خود چنا تھا نا، پھر کیوں وہ شیطان کہ بہکاوے میں آگئی؟ کیوں اس نے اپنے اللہ پہ یقین نہیں کیا؟ وہ ہوتی کون تھی اللہ سے سوال کرنے والی؟ اس کی اوقات کیا تھی؟ کیا یہ کافی نہیں تھا کہ اس کی گزشتہ زندگی و اعمال کہ باوجود اللہ نے اس پر سے اپنا فضل نہیں پھیرا تھا۔۔۔ وہ اللہ کی زمیں پہ چل رہی تھی، اس کی ہوا میں سانس لے رہی تھی، اس کہ پاس اپنا خاندان تھا، شوہر تھا، سب کچھ تو تھا۔ پھر کیوں۔۔۔ کیوں وہ اتنی کم ظرف ہو گئی۔ ”وہ جتنا سوچے جارہی تھی، ندامت بڑھتی ہی جارہی تھی۔ کچھ ہی

Posted On Kitab Nagri

پل مزید سر کے ہوں گے کہ اس کا فون بجا تھا۔ عالم کی کال آرہی تھی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے فون آنسوؤں سے ترچہ کہ سامنے کیا تھا۔ دھندلا سا عالم کا نام نظر آیا تھا۔ آنسوؤں کہ بہنے میں تیزی آگئی تھی۔ عالم نے یوں پہلی بار اسے کال کی تھی۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ زرشہ کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کال ریسپونڈ کرنے کی۔

نجانے کیسے دل پہ ہاتھ رکھ کر اس نے کال ریسپونڈ کرنے کہ بعد فون کان کہ ساتھ لگایا تھا۔ اسی تگ و دو میں دوبار فون اس کہ ہاتھ سے گرتے گرتے بجا تھا۔ ”لگتا ہے آپ کو میرا کال کرنا برا لگ گیا۔“ عالم نے تلخی سے اسے کہا تھا۔

وجہ ظاہر ہی اتنی دیر سے کال اٹھانا تھی۔ زرشہ منہ پہ ہاتھ رکھے، آنسوؤں اور ہچکیوں کو دبانے کی سعی کر رہی تھی۔ اب وہ کیسے عالم کو بتاتی کہ عالم کا کال کرنا، اسے دنیا کی معزز ترین ہستی بنا گیا تھا۔ ”آپ کو نہیں بات کرنا تو ٹھیک ہے۔ میں نے بس آپ کا حال۔۔۔“ (اب وہ کیسے بتاتا کہ وہ زرشہ کو یاد کر رہا تھا، اسکی آواز سننا چاہتا تھا، اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔۔۔) پوچھنا تھا۔۔۔!!! ”دوسری جانب عالم نے بھی تھوک نکلتے کہا تھا۔ ادھر ہنوز خاموشی تھی۔ عالم کو اسکی پرواہ تھی۔ زرشہ کہ لب مسکراہٹ میں پھیلے تھے۔ بہتی لال ہوتی آنکھوں سے وہ مسکراہٹ دانتوں تلے دبائے جواب دینے کی ہمت مجتمع کرتی رہی۔۔۔“ اوکے اللہ حافظ! ”عالم نے درشتی سے کہا تھا۔ اسے یوں نظر انداز کبھی نہیں کیا تھا۔ بھلا وہ کہاں برداشت کرنے والا تھا۔“ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ ”وہ فون کان سے ہٹانے ہی لگا تھا کہ دوسری جانب سے سوال کیا گیا۔ سوال سنتے ہی اس کہ گلے کی گلٹی ڈوب کر ابھری تھی۔ یوں جیسے اسکی چوری پکڑی گئی ہو۔ اسے یاد آیا تھا بچپن میں وہ دبے پاؤں کچن میں داخل ہوتا تھا، اسٹول کھینچ کر الماری کہ قریب کرتا، اوپر وہاں سے بسکٹ کا جارنگال کر کھانے ہی لگا ہوتا تھا کہ اس کہ بابا پہنچ جاتے تھے۔“ پکڑی گئی ناچوری!“ ”وہ شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہتے اور قدم قدم اسکی جانب بڑھتے تھے۔ پھر اسے کان سے پکڑ ہلکی سی جھاڑ پلاتے۔۔۔۔۔۔“ ”اس خاموشی کو کیا سمجھوں میں۔۔۔۔۔؟“

Posted On Kitab Nagri

“نہ۔۔۔۔۔!!!!” عالم نے یک لفظی جواب دیا تھا۔ اور کال کاٹ دی تھی۔ نجانے کیوں عالم کمزور پڑ گیا تھا۔ کیوں وہ دل کہ ہاتھوں مجبور ہو کر زرشہ کا کال کر بیٹھا تھا۔ ابھی اماں والا زخم بھرا تو نہیں تھا۔ کیوں اسکا دل زرشہ کی جانب جھک رہا تھا۔ اور جھکتا ہی چلا جا رہا تھا۔ کونسی قوت تھی جو عالم جیسے انسان کہ دل میں زرشہ کی محبت ڈال رہی تھی؟ آخر زرشہ کی ساری برائیاں اس نے کیسے معاف کر دیں؟ اُدھر زرشہ کہ ہاتھ سے انکار سنتے ہی فون چھوٹ کر زمیں پہ گرا تھا۔ “یا اللہ! میں تیری رضا میں راضی۔ مجھے اپنی راہ کہ لیے منتخب کر لے۔ مجھے ہمت دے، قوت دے۔ میری ذمہ داریاں پوری کرنے کا حوصلہ عنایت فرما۔ اور میرے شوہر، میرے جہان، میرے عالم کو محفوظ رکھ۔ ان کہ دل میں میرے لیے محبت ڈال دے۔ مجھے اپنے قابل بنا۔ مجھے فقط تیرے قابل بنا ہے۔ مجھ سے شیطان کو دور رکھ۔ مجھے اتنا مضبوط بنا کہ مرد و شیطان کہ وسوسے مجھ پہ اثر نہ کر پائیں۔ مجھے عاجزی عنایت کر۔“ زرشہ اب مستحکم لہجہ سے دعا کر رہی تھی۔ دل کو سکون میسر آیا تھا۔ پہلے جو دل میں اُبال اٹھا تھا، اب دھل گیا تھا۔ شاید اللہ نے اسے معاف فرما دیا تھا، تبھی انعام کہ طور پر اسے عالم کی آواز سننے کو ملی تھی۔ کیا یہ کم تھا کہ عالم نے اسے کال کی تھی؟ اب یاد کیا تھا تو کال کی تھی نہ۔ کیا یہ کم تھا کہ زرشہ، عالم کو یاد تھی؟ زرشہ سوچتے ہوئے زیر لب مسکراتی چلی جا رہی تھی۔ اور عالم شاہ ہنوز اپنے دل کی حالت پہ سراپا سوال تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ نادیدہ قوت اس کہ دل کو زرشہ کی جانب پھیر رہی ہے۔۔۔۔۔ اس کا دل پہلی بار دوسری طرح دھڑکا تھا۔ “جب کوئی ہمیں دعاؤں میں مانگ رہا ہو تو، دل بھی اس کی جانب کھینچا چلا جاتا ہے۔ دل گواہی دیتا ہے، عالم! یہ اللہ ہے جو دلوں کو اور رشتوں کو جوڑتا ہے۔ اللہ ہے جو محبت پیدا کرتا ہے۔ اور یہ فقط حلال اور خالص رشتوں میں ہوتا ہے۔ یہ فقط محرم رشتوں کہ ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اللہ خود خالص ہے۔ پاک ہے، ہر برائی ہر کثافت سے۔ اسے بھی حلال رشتوں میں فقط ایک چیز پسند ہے۔۔۔۔۔ جانتے ہو کیا:۔“ مخلصی!”

Posted On Kitab Nagri

عالم کو دلہنار بیگم کی گفتگو یاد آئی تھی۔ “مطلب زرشہ واقعی میرے ساتھ مخلص ہے۔ تبھی میرا دل بھی۔۔۔۔
یعنی، فقط میرے ساتھ! پھر وہ آصف۔۔۔۔
عالم کا دل بار بار ڈوب کر ابھر رہا تھا۔۔

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو
www.kitabnagri.com آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔
اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، اسٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو
ابھی ای میل کریں۔
www.kitabnagri.com

samiyach02@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

samiyach02@gmail.com

Posted On Kitab Nagri
whatsapp _ 0335 7500595

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کاروائی کی جائے گی۔)

عالم شاہ کہ اگلے دور و زپاکیزہ کہ ساتھ گزرے۔ جوں ہی ان کی حالت کچھ سنبھلی تو جہاں پاکیزہ کو اپنی سر گرمیاں پھر سے جاری کرنے کا خیال آیا وہیں، عالم کو بھی اپنا کاروبار یاد آیا۔ ڈاکٹر ز کہ مطابق پاکیزہ کہ زندگی کہ بقیہ ماندہ شب و روزیوں زندگی اور موت کی باریک ڈور پہ لڑ کھڑاتے ہوئے گزریں گے۔ لہجہ ٹھیک ہو جائیں گی، اور کبھی بالکل ایسے جیسے ان کہ پاس اب ایک لمحہ بھی نہیں بچا۔ پاکیزہ نے درس کا اعلان کیا۔ اب سے انھوں نے روز ہی درس دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ عالم شہر کہ لیے نکل آیا تھا۔ شہر کا خیال آتے ہی، ایک ہی شخص اسے یاد آتا تھا۔ اسی شخص سے دور و ز سے اس کی بات نہیں ہوئی تھی۔ زرشہ نے دوبار کال کی تھی، لیکن عالم پک نہیں کر پایا۔ یا کرنا چاہتا ہی نہیں تھا۔ اس نے نجانے کیوں زرشہ سے جھوٹ بولا تھا۔ وہ تو جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے تو جھوٹ اور جھوٹے شخص سے سخت نفرت تھی۔ پھر کیوں وہ اپنے احساسات اپنی ہی بیوی سے مخفی رکھنے پر مجبور ہو گیا؟ گاڑی دوڑاتے یہی خیالات اس کہ دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے۔ “ہو سکتا ہے، عالم تجھے محبت ہو ہی نہ زرشہ سے۔ یہ فقط نکاح کا اثر ہو۔۔۔۔۔!!!!!!” عالم کہ شعور نے اسے ایک نقطہ فراہم کیا تھا۔ لاشعور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ عالم نے فی الوقت شعور کہ نقطہ کو ترجیع دیکر معاملہ ختم کیا تھا۔ تبھی اس کا موبائل بج اٹھا۔ شیر و کی کال تھی۔ جب سے وہ حویلی تھا، شیر و کوئی پینتالیس دفعہ اسے کال کر چکا تھا۔ مدعا ایک ہی تھا، شیر و کا

Posted On Kitab Nagri

رشتہ لیکر مینا کہ گھر جانا تھا۔ اور عالم تھا کہ ہاتھ آکہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ “میں آ رہا ہوں تجھے پک کرنے، بات کرتے ہیں خوش بخت آنٹی سے۔ تیرے رشتہ کہ لیے۔” نجانے عالم کو کیا سوچھی کہ اس نے کال اٹھاتے ہی شیر و کو خوشخبری سنا ڈالی۔ ادھر شیر و کا تو مارے خوشی کہ برا حال تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا عالم یوں مان بھی جائے گا۔ پر وہ عالم تھا، اپنی مرضی کا مالک۔ اس سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی تھی۔ ادھر لاشعور بھی عالم کا فیصلہ سنتے ہی ہونٹ دانتوں تلے دبائے شرارت سے عالم کو تاک رہا تھا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہاں جانے کا اصل مقصد شیر و کا رشتہ نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔۔۔ لیکن جب سے لاشعور نے عالم کو حقیقت کا آئینہ دکھانا شروع کیا تھا، عالم اس کی کم ہی سنتا تھا۔ کچھ ہی وقت بعد وہ دونوں زرشہ کہ گھر کہ باہر کھڑے تھے۔ دستک کہ بعد دروازہ کھلنے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ابھی انھیں وہاں دو منٹ ہی گزرے ہوں گے، کہ دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھولنے والی نے فروزی رنگ کی لمبی اور کھلی قمیض ہمرنگ شلوار کہ ساتھ زیب تن کر رکھی تھی۔ دوپٹہ چہرے اور جسم کہ گرد اچھے سے لپیٹ رکھا تھا۔ پاؤں میں عام سے جوتے تھے۔ اس کا چہرہ دھلا دھلا لگ رہا تھا، یوں جیسے ابھی منہ دھو کہ آئی ہو۔۔۔ یا وضو کر کہ۔۔۔ عالم نے پاؤں پہ موجود پانی دیکھ کر اندازہ لگایا تھا۔ دروازہ کھولنے کہ بعد وہ دروازہ کی اوٹ لیکر کھڑی ہو گئی۔ یوں کہ شیر و اسے نہیں دیکھ پایا اور نگاہیں جھکا کر بیٹھک کی جانب نکل گیا۔ زرشہ نے بھی نگاہیں نہیں اٹھائی تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ عالم بھی موجود ہے۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی لگی تھی، دروازہ ایک ہی جھٹکے سے پیچھے کسی نے دھکیل کر کھولا اور تیزی سے اندر داخل ہوا۔ زرشہ اس اچانک حملہ کہ لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بوکھلائی اور فوراً دوپٹہ سے چہرہ ڈھک لیا۔ منہ سے ہلکی سسکی برآمد ہوئی۔ دل تھا کہ مانو اچھل کر حلق میں آنا چاہتا تھا۔ اس نے جب اندر سے آواز لگائی تھی تو شیر و نے جواب دیا تھا۔ وہ سمجھی تھی شاید فقط شیر و ہی آیا ہے۔ لیکن شیر و کہ ساتھ اس کا شوہر بھی موجود تھا، یہ اپنے آپ میں ایک دھماکا تھا۔ “اب کیا گھر

Posted On Kitab Nagri

میں بھی نہیں آنے دینا چاہتی آپ مجھے۔ اتنا برا لگتا ہوں؟ ”عالم بھلا کہاں زرشہ کو معاف کرنے والا تھا۔ وہ زرشہ کہ مد مقابل کھڑے ہو کر سرتاپا اس کا جائزہ لیتے کڑوے لہجہ میں بولا تھا۔ زرشہ کہ حلیہ سے صاف لگ رہا تھا، وہ اسکی اماں کہ کپڑے ہیں۔ پرانی کرتا اور جینز والی زرشہ سے، یہ والی تو بالکل مختلف تھی۔ زرشہ اتنی زیادہ کیسے بدل گئی؟ آڑھاتر چھادوپٹہ بار بار گردن کہ نیچے سے نکل جاتا تھا۔ جسے وہ ٹھونسنے کی تگ و دو کرتی رہی۔ عالم نے بمشکل ہنسی دانتوں تلے دبائی تھی۔ وہ جسے دوپٹہ کہ نام سے الرجی تھی، دوپٹہ گلے میں لٹکانا تک وہ برا گردانتی تھی، آج دوپٹہ سے اپنا وجود کو ڈھانکنے کی کوشش میں لگی اسے وہ بہت معصوم لگی تھی۔ اس کہ انداز بتا رہے تھے، اسے ایسے حلیہ کی عادت نہیں ہے۔ عالم کی جانچتی نگاہیں اس کا سانس حلق میں اٹکار ہی تھیں۔ منہ میں کانٹے یوں چُج رہے تھے جیسے صدیوں کی پیاسی ہو۔ گلا اس قدر خشک ہو چکا تھا کہ آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ آ۔۔۔ آپ۔۔۔ اندر آئیں۔۔۔ بمشکل زرشہ نے چند الفاظ عالم سے کہے تھے اور رخ پھیر لیا۔ اس کا دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا گویا کی تیز رفتار گھوڑے میدانوں میں دوڑ رہے ہوں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عالم اس کہ دل کی حالت سے واقف ہو۔ عالم اس کی حالت سے محفوظ ہوتا اس کہ پیچھے آیا تھا۔ لیکن عالم بیٹھک جانے کہ بجائے زرشہ کہ کمرہ کی جانب مڑ گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے آگے چلتی زرشہ کو بازو سے تھام کر گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے گیا۔ اسی تگ و دو میں اس کا دوپٹہ کھل کر سر سے اتر چکا تھا۔ وہ عجیب تذبذب کا شکار لگتی تھی۔ کبھی دوپٹہ پکڑتی، کبھی اپنی کلائی پہ عالم کی گرفت ڈھیلی کرنے کی کوشش کرتی۔ عالم نے کمرہ میں لا کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔ اور خود بستر پہ بیٹھ گیا تھا۔ ”آئی۔۔۔؟؟؟؟“ اماں اور مینا بازار گئیں ہیں۔ آتی ہی ہوں گی۔ ”زرشہ اب خود کو سمیٹ رہی تھی۔“ آپ نہیں گئیں مینا کہ ساتھ؟ ”(ویسے تو بازاروں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔) عالم نے سوال کرتے من میں سوچا تھا۔“ نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ اب اچھا نہیں لگتا۔“ ”زرشہ نے

Posted On Kitab Nagri

جھوٹ بولنے کہ بجائے سچ کا سہارا لیا تھا۔ کیونکہ جھوٹ آپ کو ہمیشہ ڈبوتا ہے، جبکہ سچ۔۔۔ سچ کنارے پہ لاتا ہے۔ عالم نے اسکی صاف گوئی کی من ہی من میں تعریف کی تھی۔ ”کیوں اچھا نہیں لگتا؟“ عالم نے کریدنا چاہا تھا۔ ”کیونکہ اللہ کو بنا مقصد بازروں میں پھرنا نہیں پسند۔“ زرشہ اب عالم کہ سامنے زمیں پہ بیٹھ گئی تھی۔ عالم نے بھی اسے نہیں روکا تھا۔ کم از کم یوں دونوں آمنے سامنے تو تھے۔ ”بدل گئی ہو۔“ عالم کہ منہ سے پھسل گیا تھا۔ ”بن گئی ہوں۔“ زرشہ نے دوبدو جواب دیا تھا۔ ”مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“ عالم کو نجانے کیا سوچھی تھی۔ ”آپ کی خوشی۔“ زرشہ اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ وہ کتنی بار ٹوٹ کہ جڑی تھی۔ اس سفر نے اسے کتنا تھکا دیا تھا۔ اسکا وجود گواہی دے رہا تھا۔ اس کا پیلا پڑتا رنگ، کمزور بدن، اور آنکھوں کہ حلقے، چیخ چیخ کر زرشہ کہ درد سے بھرپور سفر کی داستان سنارھے تھے۔ زرشہ کہ دماغ میں پاکیزہ کا وجود گھوما تھا۔ وہ عالم سے کچھ مطالبہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی اسکی خوشی پاکیزہ کہ ساتھ وابستہ ہے۔ وہ دونوں شاید ایک دوسرے کہ لیے ہی بنے تھے۔ وہ عالم کو اپنے ساتھ زبردستی نہ تھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ عالم سے عالم کو مانگتی، لیکن اب پاکیزہ سے مل لینے کہ بعد، وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ عالم کو من چاہا جواب نہیں ملا تھا۔ وہ چاہتا تھا زرشہ عالم سے اسے مانگے، اسکا وقت مانگے، اسکا ساتھ مانگے۔ تو وہ ابھی اسے اپنے ساتھ لیجاتا۔ لیکن زرشہ قدم تو بڑھاتی۔ ”عالم ابھی بھی وقت ہے۔ اٹھ اسکا ہاتھ پکڑ اور اپنے ساتھ لیجا۔“ اندر سے کوئی چیخ چیخ کر عالم کو کہہ رہا تھا۔ مگر وہی عزت نفس اور انا کی دیوار آڑے آگئی تھی۔ ”حلیہ درست رکھا کرو۔“ عالم نے ہر طرح کہ خیالات جھٹکتے، اسے مشورہ دیا تھا۔ ”میں تمھاری چیزیں، میرا مطلب ہے کپڑے وغیرہ آج شام ہی شیر و کہ ہاتھ بھجوادوں گا۔“ عالم کو اسے اس حلیہ میں دیکھ کر گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ وہ عالم کی بیوی تھی، عالم شاہ کی شریک حیات تھی، وہ ایسے حلیہ کی تو کسی طور مستحق نہیں تھی۔ ”کاش یہی کہہ دیتے کہ میرا ساتھ آجاؤ۔۔۔۔۔!!!“ زرشہ کہ

Posted On Kitab Nagri

پاگل دل نے سوچا تھا۔ ظاہر ہے رشتہ تھا، اور جہاں رشتہ ہو وہاں امیدیں بھی تو ہوتی ہیں نا۔۔۔۔۔“ زر شہ عقل کر۔۔ کیا یہ کم ہے کہ وہ تیرے سامنے بیٹھا ہے۔۔۔۔۔” زر شہ کہ دماغ نے اسے سرزنش کی تھی۔ عالم کا نام اس کے لیے کافی تھا، اس کے ساتھ کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کیونکہ وہ خود کو اس قابل ہی نہیں سمجھتی تھی۔ عالم اب فرش کو گھور رہا تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ تھا۔ زر شہ نے موقع غنیمت جانا تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اپنے مجازی خدا کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ وہ کتنا وجیع کتنا بارعب تھا نا۔۔۔ بلکل کسی پہاڑ کے جیسا مضبوط۔۔۔ سیاہ چادر اور سفید لباس میں وہ حسین لگتا تھا۔ زر شہ نے سوچا تھا۔ بلکہ بہت حسین لگتا تھا۔ زر شہ نے اپنی تصحیح کی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی رتبجے کی داستان سنارھی تھیں۔“ شاید پاکیزہ کی بیماری۔“ زر شہ نے خود کو خود ہی عذر پیش کیا تھا۔“ بڑھی شیو۔“ ان کی اس حالت میں اپنا خیال کہاں رکھ پاتے۔ ابھی شاید وہیں سے آئے ہیں۔“ زر شہ کہ من نے ایک اور اندازہ لگا یا تھا۔ زر شہ نے اب گٹھنے سینے کے ساتھ لگا لیے تھے۔ ہاتھ گٹھنوں کے پہ بندھے، تھوڑی ہاتھوں پہ ٹکائے، وہ دلجمعی سے اپنے محرم کو دیکھ رہی تھی۔ کتنا پاک اور خوبصورت رشتہ تھا نا یہ۔۔۔ کتنی طاقت اور پاکیزگی رکھی تھی رب نے اس رشتہ میں۔۔۔ تبھی اللہ نے عورت کے لیے باقی رشتے نامحرم قرار دے دیے، تاکہ وہ شوہر کا حق نبھاپائے۔ جب شوہر موجود ہو تو باقی رشتوں کی ضرورت ہی کہاں باقی رہتی ہے۔۔۔ زر شہ کو بھی یہی لگا تھا کہ اسکا سارا عالم، ساری کائنات اس کے سامنے ہے۔ اسے کسی اور کی نہ ضرورت تھی، اور نہ چاہت۔“ یہ رشتہ اماں نے کروایا تھا۔ اب اماں اس دنیا میں نہیں ہیں۔ آپ اپنی مرضی کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ اگر آپ میرے ساتھ بندھی نہیں رہ سکتی، تو میں آپکو مجبور نہیں کروں گا۔ آپ اپنی زندگی کے لیے آزاد۔۔۔۔۔!!!!!!“ عالم نے جس تیزی سے “تم” سے “آپ” کا سفر طے کیا تھا زر شہ کو حیرت تھی۔ کیونکہ یہ محض الفاظ کا سفر نہیں تھا، یہ اپنے سے بیگانہ کر دینے کا سفر تھا۔ اس نے پل بھر میں زر شہ کو اجنبی بنا دیا

Posted On Kitab Nagri

تھا۔ عالم ابھی اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا کل زرشہ زمیں پہ گھسیٹتی ہوئے آگے بڑھی اور اس کہ منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ وہ پاگل یہ سوچ رہی تھی کہ اگر ابھی اسی وقت عالم نے اسے اپنے رشتہ سے آزاد کر دیا تو وہ کیا کرے گی۔ وہ تو جیتے جی مر جائے گی، یا مردہ سے بھی بدتر ہو جائے گی۔ زرشہ کا غیر متوقعہ رد عمل، عالم کو گھبراہٹ میں مبتلا کرنے کہ لیے کافی تھا۔ “مم مجھے پلینز چھوڑیے گامت۔۔۔ آپ جہاں دل چاہے رہیں۔ میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ میری کوئی خواہش نہیں ہے۔ کوئی امید نہیں ہے۔ آپ کا نام میرے نام کہ ساتھ رہے، مجھ اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے۔ بس آپ کی نسبت چاہیے۔ میں جانتی ہوں میں شاید اسکی بھی حقدار نہیں ہوں۔۔۔ لیکن۔۔۔ خیرات۔۔۔!!!!!!” زرشہ کی آنکھیں ہی نہیں گال بھی تر ہو چکے تھے۔ اس نے عالم کہ ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے تھے۔ اس کا لہجہ ڈمگڑھا تھا۔ آنسوؤں اور ہچکیوں کہ بیچ بمشکل اس نے بات مکمل کرنا چاہی تھی۔ “خیرات” پہ پہنچ کر عالم نے اس کہ منہ پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ زرشہ بے صبری سے، سوالیہ نگاہیں لیکر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت اپنی بات کی تائید چاہتی تھی۔ اسے عالم کی آنکھوں میں کسی جذبہ کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو فقط عالم کہ نام کی متمنی تھی۔ تاحیات وہ اسی نام کہ سہارے رہ سکتی تھی۔ اسے رب کا راستہ مل گیا تھا، وہ اس پر چل پڑی تھی۔ عالم کا نام ساتھ رہتا تو اسے کس چیز کی تمنا تھی؟ تمنا ہو بھی کیسے سکتی تھی؟ بھلا اس سے بڑھکر کر بھی کوئی لڑکی کوئی تمنا پا ل سکتی ہے؟ “آئی۔۔۔ پتہ نہیں کب آئیں؟ ہمیں شاید چلنا چاہیے۔” اس سے پہلے کہ عالم کہ دل میں ٹھاٹھیں مارتا اور اسے پل پل برقرار رکھتا جذبہ زباں پہ آتا، اس نے پہلو بدلا تھا، اور پہلو بدلتے ہی بات اور لہجہ بھی بدل لیا تھا! “آہ۔۔۔ یہ انا کی دیوار۔۔۔!!!!!!” زرشہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ وہ جو بنا مقصد دائیں بائیں نگاہیں گھما رہا تھا۔ زرشہ نے ہاتھ سے اسکی تھوڑی کو پکڑا، چہرہ پھر سے اپنے عین سامنے کیا۔ زمیں پہ گھسیٹ کر اس کہ مزید قریب ہوئی: “مجھے اماں کہ لیے معاف کر دیں۔ مجھے میری

Posted On Kitab Nagri

حکمتوں کے لیے معاف کر دیں۔ مجھے میری کوتاہیوں کے لیے معاف کر دیں۔ میرا رویہ اماں سے برابر تھا۔ آپ کو لیکر میں نے اماں سے جھوٹ بولا۔ مجھے اس کے لیے معاف کر دیں۔ یہی سمجھیں کہ زمانہ جاہلیت میں کیے گئے گناہوں کی تلافی چاہتی ہوں۔ ”زرشہ کہ آنسو گو کہ تھم چکے تھے، لیکن لہجہ ہنوز نرم تھا۔ بار بار گیلی سانس اندر کھینچ رہی تھی۔ ناک اور آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ عالم جو بار بار پہلو بدل رہا تھا، زرشہ کی جرأت مندی پہ حیران رہ گیا۔ کتنی آسانی سے زرشہ نے اپنے سارے گناہ گنوا دیے تھے۔ کتنی آسان تھا نا اس کے لیے معافی مانگنا؟ آگے بڑھنا۔۔۔ اور وہ۔۔۔ وہ مرد ہو کہ بھی ایک لڑکی سے زیادہ کمزور کیوں تھا؟ کیوں وہ ان جذبات کا اظہار نہیں کر پایا جنہیں وہ پیل پیل محسوس کرتا تھا؟ وہ مرد ہو کہ بھی کیوں؟ کیوں قدم آگے نہیں بڑھا رہا تھا؟“ آپ کو یوں دیکھنا، اور دیکھتے رہنا میری زندگی کا واحد حاصل ہے،۔۔۔۔۔۔ ”زرشہ نجانے جذبات کی رو میں بہہ کر کیا سے کیا بولے جا رہی تھی۔ بولتی بھی کیوں نہ؟ وہ اس کا محرم تھا، محرم عشق تھا۔ ہاں عالم شاہ زرشہ کے عشق کا محور اور محرم تھا۔ واحد محرم۔۔۔ وہ اس کا مجازی خدا تھا۔ اس کا واحد محرم جسے اس پر ہر طرح کا اختیار حاصل تھا۔ جس کی ایک نگاہ التفات کے لیے وہ خود کو قربان کرنے کے لیے تیار تھی۔ ہاں وہ وہی تھا۔ زرشہ کا عالم شاہ! زرشہ کا خواب!

زرشہ کا ہر احساس اس سے جڑا تھا۔ زرشہ کا پیل جس کے بنا دھوڑا تھا۔ وہ جو زرشہ سے دور تھا، لیکن پھر بھی زرشہ نے اس کے وجود کی حدت کو ہر لمحہ محسوس کیا تھا! عالم ہنوز حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ اسے زرشہ کے رویہ پہ حیرت تھی۔ اسے زرشہ کے بدلاؤ پہ حیرت تھی۔ اسے زرشہ کے اظہار پہ حیرت تھی۔ اسے زرشہ کی محبت پہ حیرت تھی۔ اسے زرشہ کے اندازِ بیاں پہ حیرت تھی۔ اسے خود پہ حیرت تھی۔ وہ کمزور تھا، نکمہ تھا، جاہل اور کاہل تھا! اس نے اعتراف کیا تھا۔ اور تو اور وہ اپنی نگاہوں میں بھی زرشہ کے لیے وہ جذبات نہیں لاپایا جنہیں دیکھنے کے لیے زرشہ اسکی آنکھوں مسلسل اسے دیکھ رہی تھی۔ زرشہ کا صبر جواب دے رہا تھا۔ وہ ہمت ہار رہی تھی۔

Posted On Kitab Nagri

”بھلا ہر وقت پیار کا جواب پیار سے ملا ہے؟ کیا تمہارا عشق عالم کہ عشق کا محتاج ہے؟ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے وہ تم سے محبت کرے یا نہیں؟ تمہیں تو اس بات سے غرض ہونی چاہیے کہ تم اس کی محبت میں کتنی صادق ہو۔۔۔۔۔“

زرشہ کالا شعور اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔ اور اس نے سر ہلاتے ہوئے، لاشعور کہ آگے سر تسلیم خم کیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے عالم کہ ہاتھوں پہ اپنی گرفت ڈھیلی کر رہی تھی۔ نگاہیں اس کی نگاہوں سے ہٹا رہی تھی۔ ”کیا تم ایک لڑکی سے بھی زیادہ کم ظرف اور کمزور ہو عالم شاہ! وہ بھی اپنی بیوی سے۔۔ تم کیوں مصنوعی خول کہ پیچھے چھپنا چاہ رہے ہو؟ کیوں اقرار نہیں کر دیتے؟ کیوں اس کا دل توڑ رہے ہو؟ اس نے معافی مانگی۔۔ تم یہی چاہتے تھے۔ اس نے اقرار کیا تم یہی چاہتے تھے۔۔ وہ اب تمہارے قدموں میں بیٹھی ہے۔ اور کیا ثبوت چاہیے اسکی صداقت کا؟“ عالم کالا شعور بھی آستینیں چڑھائے مقابلہ کہ لیے تیار تھا۔ عالم نے بھی سر ہلایا تھا۔ ویسے ہی جیسے زرشہ نے ہلایا تھا، اسی لمحے۔ اس نے بھی لاشعور کہ آگے گٹھنے ٹیکے تھے، ویسے ہی جیسے زرشہ نے ٹیکے تھے۔

زرشہ دھیرے دھیرے ہاتھوں کو اس کہ ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کر رہی تھی، تبھی بے حس و حرکت اور بے جان عالم شاہ کہ ہاتھوں میں بھی یکدم بجلی بھری تھی۔ اس نے زرشہ کو جانے نہیں دیا تھا۔ زرشہ کا پھیکا پڑتا چہرہ یکدم چمکا تھا۔ ماند پڑتی نگاہوں میں جیسے بجلی بھری تھی۔ لب مسکراہٹ میں ڈھیلے ہوئے تھی۔ عالم نے تھوک نکلنے لگا کھنکار کہ بات کا آغاز کیا تھا: “تم زرشہ عالم شاہ ہو۔ میری بیوی۔ میری عزت۔ میری

محــب۔۔۔۔۔!!!!!!” تبھی عالم اک فون بج اٹھا تھا۔ فون اس کہ پاس دائیں جانب پڑا تھا۔ دونوں نے یکدم فون کی جانب دیکھا تھا۔ وہاں پاکیزہ جلتا بجھتا دکھائی دیا تھا۔ زرشہ نے ہاتھ چھڑا لیے تھے۔ عالم نے سیکنڈ کہ ہزارویں حصہ میں ہاتھ چھوڑ کر موبائل تھاما تھا۔ وہ وہاں سے اٹھکر ایک جانب نکل گیا تھا۔ زرشہ وہیں بیٹھی رہ

Posted On Kitab Nagri

گئی۔ تہی داماں۔

وہ اپنے پیلے پڑتے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ خالی ہاتھوں کو۔۔۔۔۔

ابھی عالم نے کال بند بھی نہیں کی تھی کہ پھر اے دروازہ پہ دستک ہوئی۔ زرشہ خیالات کی دنیا سے باہر آئی، آنکھیں صاف کرتے اٹھی اور باہر جانے کہ ارادہ سے دوپٹہ درست کیا۔ اس نے کمرہ کہ دروازہ سے ابھی قدم باہر بھی نہیں رکھا تھا کہ عالم نے فون کان کہ ساتھ لگائے، اسے ہاتھ کہ اشارہ سے روکا، اور خود دروازہ کھولنے کہ لیے قدم بڑھا دیے۔ خوش بخت خاتون اور مینا باہر منتظر تھیں۔ عالم کو دیکھ کر خوش بخت خاتون ساتویں آسمان پہ پہنچ گئیں۔ وہ من ہی من میں زرشہ کو لیکر پریشان تھیں، اس کہ مستقبل کو لیکر فکر مند تھیں۔ ظاہر ہے وہ ماں تھیں، کوئی بھی ماں ہوتی تو وہ بیاہی بیٹی کہ یوں میکہ میں بیٹھے رہنے سے چین سے تو نہیں بیٹھ سکتی تھی نا۔ یہ الگ بات تھی کہ انھوں نے اپنی پریشانی کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا، زرشہ سے بھی نہیں۔ عالم نے انکا والہانہ استقبال کیا تھا۔ کچھ وقت بعد، زرشہ، عالم، شیر و اور خوش بخت خاتون بیٹھک میں موجود تھے۔ سامنے چائے کہ خالی کپ تھے۔ شیر و نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ ایک بار پہلے بھی شیر و نے خوش بخت خاتون سے اس بابت بات کی تھی۔ انھوں نے بال عالم کہ کورٹ میں پھینکی تھی۔ ابھی وہ خوش بخت خاتون کی نگاہوں کا محور وہی تھا۔ اور وہ سامنے ہو، تو کوئی کسی دوسرے کی طرف متوجہ بھلا ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ خیر!“ آنٹی! مینا میری بہن ہے۔ میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کروں گا، جو اس کہ مستقبل کہ لیے برا ہو۔ شیر و میرے لیے بھائی سے بڑھکر ہے۔ اس کا ماضی اور حال میرے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہے۔ کبھی کبھی سگریٹ پی لینے کہ علاوہ اس کہ اندر کوئی عیب نہیں ہے۔“ عالم نے

Posted On Kitab Nagri

خوش بخت خاتون کو اپنی جانب متوجہ پا کر اپنی رائے دی تھی۔ شیر و کا عیب گنواتے ہوئے اس نے بمشکل ہنسی دانتوں تلے دبائی تھی۔ ”آئی! میں وعدہ کرتا ہوں، آئندہ سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔“ شیر و نے عالم کی بات سننے ہی، تڑپ کر، قدرے جذباتی انداز میں مداخلت کی تھی۔ یوں جیسی اس کی واحد برائی اسے اس عہدہ کہ لیے ڈس کو ایفائی ہی نہ کر دے۔ بیٹھک میں شیر و کی حرکت اور الفاظ پہ قہقہے گونج رہے تھے۔ جبکہ شیر و بیچارہ مارے خفت کہ سر کھجاتا منہ چھپانے کی سعی کرنے لگا!-----”شمشیر!“ اس بڑھیا کہ ساتھ جو لڑکی تھی اسکا پتہ چلا؟ ”دلاور سائیں، اس وقت ڈیرے پہ موجود تھے، اور اپنی دائیں جانب کھڑے شمشیر سے استفسار کرتے حقہ کہ کش لگا رہے تھے۔“ سائیں! میں نے خاص بندے چھوڑ رکھے ہیں۔ یہ معمہ جلد ہی حل ہو جائے گا۔ بس چند دن کی مزید مہلت دے دیں، مجھے یقین ہے عالم سائیں کوئی کھیل کھیل رہے ہیں، اب وہ کیا ہے اس سے جلد ہی پردہ اٹھ جائے گا۔“ شمشیر نے آگے بڑھتے ہوئے قدرے رازداری سے ساری بات دلاور شاہ کہ گوش گزار کی تھی۔ وہ شمشیر تھا اس لیے دلاور شاہ برداشت کر گئے ورنہ کوئی دوسرا اگر عالم کہ بارے میں یوں بات کرتا تو اس وقت وہ دلاور شاہ کی چھڑی کا شلار ہو چکا ہوتا۔“ شمشیر! اگر تمہاری بات غلط ثابت ہوئی، تو یاد رکھنا میں بھول جاؤں گا تم میرے ذاتی ملازم ہو۔“ دلاور شاہ نے عالم کہ اس طرح تند کرے پہ پہلو بدلاتھا۔ وہ عالم سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ عالم ان کہ لیے انکی اولاد تھا۔ ان کا بھائی، ان کا بہنوئی تھا۔ بس دونوں میں سوچ کا جو اختلاف تھا وہ کبھی مٹ ہی نہیں پایا، اور شاید کبھی مٹ سکتا بھی نہیں تھا۔----- اُدھر شیر و اور مینا کارشتہ پکا ہو چکا تھا۔ نکاح کی تاریخ عالم کہ بیرون ملک سے واپسی پہ رکھی گئی تھی۔ عالم کاروبار کہ سلسلہ میں دبئی جارہا تھا۔ یہ سنتے ہی زرشہ کا دل بری طرح ڈوبا تھا۔ عالم یہاں تھا تو کونسالان کی روز ملاقات یا گفتگو ہوتی تھی لیکن کم از کم زرشہ کو اتنا طمینان تو تھا نا کہ عالم یہیں اسی

Posted On Kitab Nagri

شہر میں موجود ہے۔ اسی ہوا میں سانس لے رہا ہے۔ لیکن اب۔۔۔ زر شہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کہ عالم یوں اس سے دور چلا جائے گا۔ وہ اپنی ہی سوچ کی کشمکش میں مبتلا تھی، جب عالم اور شیر واجازت لیکراٹھے۔ زر شہ کادل یوں جیسے الٹی گنتی گن رہا تھا۔ شیر و تو باہر نکل گیا جبکہ عالم رخصت طلب کرنے لگا۔ خوش بخت خاتون عالم کو ملنے کے بعد وہاں سے جان بوجھ سائیڈ پہ ہو گئیں۔ عالم اب زر شہ کے مد مقابل کھڑا تھا۔ زر شہ سر جھکائے کسی مجرم کی طرح عالم کے سامنے تھی۔ عالم نے بارہا سرتاپا اسکاجائزہ لیا تھا۔ یہ وہ والی زر شہ تو تھی ہی نہیں جو اسے چائے خانہ میں پہلی بار ملی تھی۔ عالم کادل پگلا تھا۔ زر شہ اب ہاتھوں کو مروڑ رہی تھی۔ اسکی بے چینی عروج پر تھی۔ عالم نے زر شہ کو کندھوں سے تھما تھا۔ اس کا سراو نچایا تھا۔ ”میرے سامنے جھکے سر کہ ساتھ نہیں، اونچے سر کہ ساتھ کھڑی رہا کرو۔“ یاد رکھنا! سر اللہ کہ علاوہ کسی کہ آگے نہیں جھکا یا جاتا۔ ”اسکا لہجہ نرم تھا۔ یوں جیسے کوئی کسی معصوم بچے کو سمجھا رہا ہو۔“ میں جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ زر شہ کادل ڈوبا تھا۔ ہاتھ کانپے تھے۔ لب پھٹر پھٹرائے تھے۔ “واپس آنے کے لیے۔۔۔۔۔” عالم نے زر شہ کے کام کے قریب جھکتے ہوئی قدرے رازداری سے کہا تھا۔ زر شہ کا ڈوب بدل یکدم ابھر آیا تھا۔ دھڑکن سو کی رفتار سے چل رہی تھی۔ “تمہیں لینے کے لیے۔۔۔۔۔” زر شہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لر دوڑی تھی۔ اس نے نگاہیں بے اختیار جھکائی تھیں۔

“اپنے گھریلو جانے کے لیے۔۔۔۔۔” عالم نے اب کی بار زر شہ کے بائیں کام میں سرگوشی کی تھی۔ پسینہ زر شہ کی کمر سے پاؤں تک بہہ نکلا تھا۔ “ہمارے گھریلو جانے کے لیے۔۔۔۔۔” عالم نے زر شہ کا کندھا پیار سے جھنجھوڑ کر لب دانگوں تلے دبائے آخری بات کہی تھی۔ زر شہ کادل سو کا ہندسہ بھی عبور کر چکا تھا۔ گردن کی گلٹی ڈوب کر ابھری تھی۔ وہ اب منتظر تھا کہ زر شہ کچھ کہتی۔ وہ اس کے تاثرات جانچنے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ بار بار تھوک نکل رہی تھی۔ عالم محظوظ ہوا تھا۔ چند ساعتیں یوں ہی بیت گئیں۔ عالم نے سر جھٹکتے اس کے کندھے آزاد

Posted On Kitab Nagri

کیے تھے۔ اور زرشہ کو لگا تھا کہ جیسے گھنا سا یہ اس کہ اوپر سے چھین لیا گیا ہو۔ یا یوں جیسے وہ چھاؤں سے یکدم پتی دھوپ میں آکھڑی ہو۔ شوہر کا سایہ، اس کا ساتھ خزاں میں بہار اور دھوپ میں چھاؤں کہ جیسا ہی تو ہوتا ہے۔۔۔۔۔ زرشہ کو پہلی بار شدت سے اس کا ادراک ہوا تھا۔ ”وہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ درس لینے جانا چاہتی ہوں۔ آ آپ کی اجازت مطلوب تھی۔۔۔ کیونکہ درس آپ کی حو۔۔۔۔۔!!!!!!“ بات زرشہ کہ منہ میں ہی تھی کہ شیر و عالم کو کال کر بیٹھا۔ عالم کی فلائیٹ تھی، اسے تیاری کرنا تھی۔ ”بلکل! بلکل! آپ جو چاہیں کریں۔ میری طرف سے آپ کو مکمل آزادی ہے۔ اور نیک کام کہ لیے میں بھلا روک بھی کیسے سکتا ہوں۔۔۔۔۔“ ”عالم کا دھیان اب موبائل کی جانب تھا۔ اسے بہت سے کام نپٹانے تھے۔ دلبرار بیگم سے بات بھی کرنا تھی۔ عالم نے زرشہ کی پوری بات سنی ہی نہیں تھی، سنتا تو شاید کبھی اسے حویلی جانے نہ دیتا۔ زرشہ نے پھر لب واکر نے چاہے تھے لیکن عالم نے زرشہ کہ چہرہ پہ جھکتے ہوئے اس کی پیشانی کا بوسہ دیا اور الوداع کہہ گیا۔۔۔۔۔ زرشہ جہاں تھی وہیں منجمد ہو کر رہ گئی۔ یوں جیسے پتھر کی مورتی ہو۔ چند ساعتوں کہ لیے ہی سہی اس کہ بدن سے روح نے اڑان بھری تھی۔ وہ ہوش کی دنیا میں نہیں تھی۔ وہیں، بلکل وہیں، ساکت کھڑی رہی۔ محرم کا ساتھ، اس کا پیار، اس کہ پیار کا احساس کتنا خوش کن ہوتا ہے۔ زرشہ کو آج محسوس ہوا تھا۔ عالم کو گئے پندرہ منٹ بیت گئے جب مینا، زرشہ کہ پاس سے گزری۔ وہ اس کہ ارد گرد کسی پروانے کی طرح منڈلا رہی تھی۔ لیکن زرشہ جیسے اس جہان کی باسی ہی نہیں تھی۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مینا کو شدید حیرت ہوئی۔ اس نے انگلی سے زرشہ کہ بازو پہ دستک دی۔ لیکن زرشہ کا مجسمہ جوں کا توں کھڑا رہا۔ ”زرشہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔“ ”مینا زرشہ کہ کان کہ قریب دھاڑی تھی، اب کی بار اس نے قدرے زور سے اسے جھٹک دیا تھا۔“ ”ہاں۔۔۔۔۔ ہوں۔۔۔۔۔“ ”زرشہ کہ منہ سے نکلا تھا۔ وہ بری طرح بوکھلائی تھی۔“ ”بہن! عالم بھائی شاید اب جہاز پہ بیٹھنے والے بھی ہوں گے۔ اور تو ابھی تک یہیں کھڑی

Posted On Kitab Nagri

ہے۔ ”مینا بھلا کہاں زرشہ کو تنگ کرنے کا اتنا اچھا موقع ہاتھ سے جانے دے سکتی تھی؟“ ہٹ یار!“ زرشہ کو پھر سے عالم کالمس یاد آیا تھا۔ لال پھولے ہوئے گال لیکر کمرہ کی جانب بھاگی تھی۔ مینا کو اس پہ بے اختیار پیار آ یا تھا۔ بلاخر ان کی زندگیاں معمول پہ لوڑ رہی تھیں۔ اس کی اماں نے شیر وکولیگر اسکمی مرضی پہلے ہی دریافت کر لی تھی۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اعترض کرتی بھی کیونکر؟ ایک تو شیر وعالم کی پسند تھا، دوسرا وہ مینا کو عزت دیتا تھا۔ محبت کا فقط دعویٰ یہی نہیں تھا بلکہ نکاح کا پیغام بھیج کر محبت پہ “حلال” مہر بھی ثبت کرنا چاہتا تھا۔ اس سے زیادہ اسے کس چیز کی تمنا ہو سکتی تھی؟-----عالم کہ جانے کہ بعد پہلا دن! زرشہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کچھ زیادہ ہی پر جوش تھی۔ اسے عالم کی اجازت مل گئی تھی۔ اب وہ سکون سے حویل کی جانب مو سفر تھی۔ اسے اب دین کی راہ میں جہاد کرنا تھا۔ اللہ کا دین سیکھنا بھی تو جہاد ہی کہ زمرہ میں آتا ہے نا!

عالم نے وہاں سے نکلنے ہی شیر وک کہ ہاتھ زرشہ کے لیے مختلف لباس بھجوائے تھے۔ لیکن تقریباً سب ہی سفید رنگ کے تھے۔ سفید رنگ عالم کا پسندیدہ تھا۔ دو چادر سیاہ تھیں۔ تمام لباس ہی اعلیٰ تھے۔ زرشہ نے ایک آنج کہ درس کہ لیے زیب تن کیا تھا۔ وہ بالکل پری لگ رہی تھی۔ سیاہ چادر جسم اور چہرہ کو مکمل ڈھانپ چکی تھی یوں گویا ، سیاہ رات میں چاندھوئیس کا چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا ہو۔ وہ مختلف سوچوں میں گرم جلد ہی حویل پہنچ گئی۔

حویلی میں درس شروع ہو چکا تھا۔ چہل پہل کافی تھی۔ پاکیزہ نے اب سے روز ہی درس دینے کا ارادہ کیا تھا۔ زرشہ کیونکہ وقت سے پہلے پہنچی تھی لہذا اسے بالکل آگے جگہ مل گئی تھی۔ پاکیزہ ابھی نہیں آئیں تھیں۔ زرشہ وقت کو غنیمت جانے انگلی پہ پہنی تسبیح پہ استغفار کا ورد کرتی بٹن دبا رہی تھی۔ اس کا چہرہ کھلا کھلتا تھا۔ اجلا اجلا! چہرہ روح کی تسکین کا آمینہ دار ہوتا ہے۔ روح اجل ہو تو چہرہ پہ بھی نکھار آجاتا ہے۔ روح میلی ہو تو چہرہ بھی گل لاگتا ہے۔ چہرہ کی سرخی سفیدی پھر معنی نہیں رکھتی۔ گر رکھتی ہوتی تو بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ روح کی

Posted On Kitab Nagri

چمک سے نہ دھکتا۔ استغفار کی کثرت جہاں گناہ معاف کرواتی ہے وہیں چہرہ کی چمک بھی بحال رکھتی ہے! پاکیزہ وقت پر اپنی جگہ پہ آکر براجمان ہوئی تھیں۔ زرشہ نجانے کن خیالات میں گم تھی کہ اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ وہ تو جب انھوں نے مائیک میں سلام کیا تو زرشہ ہوش کی دنیا میں واپس پلٹی۔ اور سامنے دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ پاکیزہ کا چہرہ، روح کی پاکیزگی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ابھی انھوں نے کلام پاک کی تلاوت کو ختم کیا ہی تھا کہ ان کی نوکرائی ان کا موبائل پکڑے ان کی طرف بڑھی تھی۔ نجانے کس کی کال تھی، موبائل دیکھتے ہی پاکیزہ کہ لب مسکراہٹ میں پھیلے تھے۔ سفید گالوں میں سرخی دوڑ گئی۔ آنکھیں یکدم چودھویں کہ چاند کی مانند روشن ہوئی تھیں۔ کال چند سیکنڈ ہی جاری رہی تھی، لیکن اس سارے وقت میں وہ مسکراتی رہی تھیں۔ درس کہ دوران بھی وہ نرم مسکراہٹ خواتین کی جانب اچھالتی تھیں، لیکن یہ مسکراہٹ منفرد تھی۔ اور سیکنڈ کہ ہزارویں حصہ میں زرشہ جان گئی تھی کہ کال، ”کس“ کی تھی۔ ابھی وہ پاکیزہ کی قسمت پہ ناز کر رہی تھی کہ اس کی گود میں پڑی سیاہ بیگ میں موجود اس کا موبائل بھی تھرا اٹھا۔ وہ یکدم کانپی تھی۔ بیگ میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا تو نمبر دیکھ کر اس کہ پاؤں تلے سے بھی زمیں سر کی تھی۔ عالم واٹس ایپ پہ اسے کال کر رہا تھا۔ زرشہ نے تھر تھراتے ہاتھوں سے موبائل کان کہ ساتھ لگایا تو دوسری جانب والے کی آواز سننے ہی ایک آنسو لڑھک کر اس کا گال بگھو گیا تھا۔ کتنا سرور تھا نا اس آواز میں! کتنی اپنائیت! سکون زرشہ کہ رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ گرزرشہ اس لمحے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ لیتی تو اس کہ تاثرات پاکیزہ سے کچھ کم تو نہیں تھے۔ بلکہ اس کہ گالوں کی سرخی دوچند تھی۔ عالم نے خیریت سے دبئی پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔ اور یہ بھی بتایا تھا کہ اگلے چند روز تک شاید وہ رابطہ نہ کر پائے۔ بہت مصروف ہوگا، لہذا فکر نہیں کرنی۔ کال جلد ہی بند بھی ہو گئی تھی۔ اُدھر درس باقاعدہ طور پر شروع ہو چکا تھا۔ آج کا موضوع بندگی تھا۔ ”کبھی سوچا ہے انسان کتنا کمزور واقع ہوا ہے؟ ایک حقیر قطرہ سے پیدا شدہ، وہ کہ

Posted On Kitab Nagri

ایک جھٹکا جسے عرش سے فرش پہ لے آتا ہے اور ایک ہی جھٹکا اس کی ساری رعنائیوں مٹا کر اسے ”مردہ“ کہلوا دیتا ہے۔ تب جب جسم اکڑ جاتا ہے۔ جب مہلت تمام ہو جاتی ہے، جب الاٹ شدہ گھڑیاں مکمل ہو جاتی ہیں۔ اے کمزور، اے حقیر انسان! تجھے اپنے پروردگار سے کس چیز نے بہکایا ہے کہ تو اس کی مانتا ہی نہیں۔ اس کہ کہنے میں ہی نہیں آتا؟ ”پاکیزہ کہ الفاظ کہ اتار چڑھاؤ، خواتین کا سانس روکنے کہ لیے کافی تھے۔“ اتنی اکڑ؟ ”اتنی بڑائی؟“ اتنا غرور؟ ”پاکیزہ کا لہجہ سخت اور آواز اونچی ہو گئی تھی۔ دلوں کو چیرنے والی آواز دلوں کو بدلنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ زرشہ کا دل جیسے کوئی دھیرے دھیرے مٹھی میں جکڑ رہا تھا۔“ گندے قطرہ سے پیدا ہو کر بھی اتنا غرور؟ ”جس رب نے تمام مخلوقات پہ فضیلت بخشی، اسی کہ کہنے میں نہیں آتے؟“ رب سے ٹکر لے رہے ہو؟ ”رب سے۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟“ وہ دن میں پانچ بار بلاتا ہے، آؤ، آؤ، آؤ! ”لیکن تمہارے کان پہ جوں تک نہیں ریگنتی۔۔۔“ تمہارا دل نہیں تھمتا؟ ”تمہاری سانسیں تتر بتر نہیں ہوتیں؟“ اتنے عظیم اور کبیر رب سے ٹکر لینے کی جرأت کر کر لیتے ہو، لیکن نماز نہیں پڑھتے۔۔۔۔۔ ”پاکیزہ کا لہجہ اب لڑکھارہا تھا۔ وہ بہت جذباتی ہو چکی تھیں۔“ کیسے۔۔۔؟؟؟؟“ مجھے کوئی بتائے کیسے ایک نحیف اور کمزور واقع ہوا انسان اتنا باہمت ہو سکتا ہے کہ رب کی حکم عدولی کرے۔۔۔۔۔ ”پل بھر میں۔۔۔ پل بھر میں وہ دولت، شہرت، عزت، اولاد، رزق سب چھین کر تمہیں محتاج کر سکتا ہے۔ پلک کہ جھپکنے سے بھی پہلے۔۔۔۔۔“ پھر بھی شعور نہیں آتا؟ پھر بھی رجوع نہیں کرتے۔۔۔۔۔“ اور کیا چاہتے ہو؟ عذاب چاہتے ہو؟ شکلیں بدل دی جائیں، اپنی جگہ پہ تباہ کر دیے جاؤ، زمیں میں دھنسا دیے جاؤ یا تم پہ زور آور آندھیاں بھیجی جائیں تاکہ تم رب کی طرف پلٹ سکو۔۔۔“ پاکیزہ کو مسلسل بولنے پر شدید کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ ہال میں مکمل سکوت طاری تھا۔ ہاں ہر تھوڑے وقفہ سے سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔ زرشہ کی گود آنسوؤں سے بھر چکی تھی۔ استغفار کہ ورد میں تیزی

Posted On Kitab Nagri

آچکی تھی۔ یہ پلٹنے کا وقت تھا۔ اپنے اصل کی جانب مڑنے کا وقت تھا۔ ”اپنی زندگیوں کو نہیں دیکھتے؟ مصنوعی اور بے جان! بدرنگ اور بے کیف!“ ”آئے روز کیا سے کیا حادثات ہو رہے ہیں، لیکن ہم عبرت نہیں پکڑتے۔“ ”کیا ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمیں موت نہیں آنی؟“ ”یا ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جنت لکھوا کر آئے ہیں؟“ ”یا ہم اس جنون میں ہیں کہ مرنے والے مرتے رہیں گے، ہمارا وقت ابھی دور ہے۔ یا ہماری موت سے پہلے ہمیں باقاعدہ اطلاع موصول ہوگی تاکہ ہم تیاری کر سکیں۔۔۔“ ”پانی کہ تین گھونٹ حلق میں اتارنے کہ بعد پاکیزہ دلوں کو موم کرنے کہ سفر پہ پھر سے گامزن ہو چکی تھیں۔“ ”خدا را پلٹو! خدا را اس زعم سے نکلو کہ تم رب سے، جہانوں کہ رب سے ٹکر لے سکتے ہو۔ مت بھولو کہ کہ ایک جھٹکا تمہیں ہمیشہ کہ لیے محتاج کر سکتا ہے۔ بستر پہ لگا سکتا ہے۔ کتنے ایسے رشتہ دار آپ سب کہ ارد گرد ہوں گے جو دیکھتے ہی دیکھتے بستر سے جا لگے۔ جو اپنی پرانی زندگی کو ترستے ہیں۔“ ”پھر بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی ہمیں۔۔۔“ ”پھر بھی رب کی بندگی نہیں کرتے ہم۔۔۔“ ”پھر بھی سر نہیں جھکاتے۔۔۔“ ”گھٹنے نہیں ٹیکتے۔۔۔۔۔“ ”زعم ہے، غرور ہے، انا ہے، پلٹتے نہیں ہیں ہم۔۔۔“ ”جھکتے نہیں ہیں ہم۔۔۔“ ”سجدہ نہیں کرتے۔۔۔“ ”پاکیزہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ باقی خواتین کی حالت بھی ان سے کچھ کم نہیں تھی۔“ ”سجدہ کرو۔“ ”رکوع کرو۔“ ”جھکو۔“ ”عاجزی اختیار کرو۔“ ”ہچکیوں کہ بیچ میں وہ بول رہی تھیں۔“ ”خدا را!“ ”آواز ڈوب رہی تھی۔“ ”خدا را!“ ”وہ اب ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔“ ”تم کمزور ہو۔“ ”عذاب نہیں سہہ پاؤ گے۔“ ”رونے میں مزید شدت آچکی تھی۔“ ”جھکو۔“ ”جھک جاؤ۔“ ”پاکیزہ نے ہاتھ آنکھوں پہ رکھتے سر گود میں گرا لیا تھا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔ اتنا تو وہ پہلے کبھی نہیں روتی تھیں۔ ان کی ملازماؤں سے پہلے زرشہ تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔ اس نے پاکیزہ کو سہارا دیکر اٹھایا تھا۔“ ”خود کو اذیت مت دیں مزید۔“ ”آنسوؤں کہ بیچ زرشہ کی زباں سے پھسلا تھا۔ پاکیزہ کی ذاتی ملازماؤں نے

Posted On Kitab Nagri

انہیں گھیر لیا تھا۔ زرشہ نے پاکیزہ کا سرد ہوتا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ زرشہ کہ ہاتھ گرم تھے، پاکیزہ کہ سرد تھے۔ سیاہ بڑی آنکھوں میں آنسو بھرتے پاکیزہ نے زرشہ کو دیکھا تھا۔ سفید لباس کہ اوپر سیاہ چادر، چاند کہ جیسا چمکتا اور روشن چہرہ۔ پاکیزہ کو وہ پہلی نگاہ میں بہت معصوم بہت پیاری لگی تھی۔ ملازموں نے اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ زرشہ اب دھیرے دھیرے پاکیزہ کا ہاتھ چھوڑ رہی تھی، گو کہ وہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن مجبوری تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ دلاور شاہ کی بہن ہونے کی وجہ سے پاکیزہ کی سیوری کا خیال رکھا جاتا تھا۔ پاکیزہ نے نجانے کیا سوچ کر زرشہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ ملازموں کہ بنا آواز احتجاج کہ باوجود پاکیزہ نے زرشہ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ انہوں نے درس کی نشست مختصر دعا کہ بعد کل تک کہ لیے برخاست کی اور خود کمرہ کی جانب قدم بڑھا دیے۔ زرشہ عجیب تذبذب کا شکار لگتی تھی۔ عجب کشمکش میں مبتلا تھی۔ کیا وہ جائے پاکیزہ کہ کمرہ میں؟ کیا اسے جانا چاہیے؟ کیا یہ درست ہے؟ کیا پاکیزہ کہ قریب جانے کا اسے حق حاصل ہے؟ ایسے بہت سے سوالات زرشہ کہ دل و دماغ میں گونج رہے تھے۔ جب پاکیزہ کی ملازمہ پاکیزہ کا پیغام لیکر اس کہ پاس پہنچی۔ پاکیزہ نے اسے یاد کیا تھا۔ زرشہ کہ پاس آپشن بچا ہے نہیں تھا۔ اسے ہر صورت جانا تھا۔ فرار ممکن ہی نہیں تھا۔ لہذا وہ بھی ملازمہ کہ پیچھے چل دی!

www.kitabnagri.com

پاکیزہ کو کمرہ میں آئے لگ بھگ بیس منٹ ہونے کو آئے تھے۔ ان کی طبیعت تھوڑی بہتر لگتی تھی۔ ادویات کہ زیر اثر وہ نیم غنودگی میں تھیں۔ زرشہ پہلے تو ان کہ سرہانے کھڑی رہی، پھر جب انہیں سکون میں جاتا دیکھا تو قریب پڑی آرام دہ کرسی پہ براجمان ہو گئی۔ (وہی کرسی جس پہ عالم بیٹھا کرتا تھا۔) ملازمائیں دھیرے دھیرے وہاں سے

Posted On Kitab Nagri

ہٹنے لگی۔ ایک ہی ملازمہ وہاں رکی۔ کیونکہ زرشہ کو پاکیزہ نے خود مدعو کیا تھا لہذا اسے وہاں بیٹھنے کی اجازت مل گئی۔ ورنہ پاکیزہ کہ کمرہ میں کیا ارد گرد بھی غیر متعلقہ افراد کبھی نہیں ہوئے تھے۔ زرشہ اب دھیرے دھیرے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ پورا کمرہ سفید رنگ میں رنگا تھا۔ یوں جیسے پاکیزگی ٹپک رہی ہو۔ بیڈ شیٹ سے لیکر پردے، جائے نماز، وہاں سجاوٹ کہ لیے پڑی تمام ہی اشیاء میں سفید رنگ نمایاں تھا۔ یہی رنگ پاکیزہ کہ کردار میں بھی جھلکتا تھا۔ زرشہ کو نجانے کیوں وہاں بیٹھے بیٹھے عجیب سے احساس نے گھیر لیا تھا۔ اور وہ احساس عالم کی وہاں موجودگی کا تھا۔ اسے نجانے کیوں لگ رہا تھا کہ عالم یہیں کہیں ہے۔ اس کہ آس پاس۔ پاکیزہ کہ آس پاس۔ گروہ خود نہیں ہے تو اس کی خشبو وہیں ہے۔ جو اس کی وہاں موجودگی کا احساس دلارہی ہے۔ وہ آرام دہ کرسی پہ اب خاصی بے آرام ہو چکی تھی۔ اس نے کرسی سے اٹھنا چاہا تھا۔ پاکیزہ کہ آرام کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ دھیرے سے اٹھی تھی، جوں ہی مڑی تو کرسی کی پشت پہ اسکی نگاہ جاٹھری۔ اور زرشہ کا سانس جہاں تھا وہیں تھم سا گیا۔ وہاں سیاہ چادر پڑی تھی۔ ویسی ہی سیاہ چادر زرشہ نے بھی لپیٹ رکھی تھی۔ وہ عالم نے اس کہ لیے بھجوائی تھی۔ بالکل ویسی کرسی کی پشت پہ تھی۔ نفاست سے طے شدہ، سیاہ چادر۔ وہ یقیناً عالم کی تھی۔ وہ پچھلے دنوں یہیں تھا، تو ظاہر ہے یہیں چھوڑ گیا ہوگا۔ پھر تو یہاں اسکی اور بھی بہت سی استعمال کی چیزیں ہوں گی۔ زرشہ نے سوچا تھا۔ اس کہ پاس تو ایسی کوئی چیز نہیں تھی، جو عالم کہ زیر استعمال رہی ہو۔ جسے دیکھ کر اسے عالم کی یاد آتی ہو۔ یا کم از کم وہ عالم کو محسوس ہی کر سکے۔ زرشہ کہ دل نے جیسے دھڑکنابند کیا تھا۔ وہ فوراً کرسی پہ جا بیٹھی تھی۔ وہاں بیٹھتے ہی اسے عالم اپنے قریب، بہت قریب محسوس ہوا تھا۔ ابھی وہ عالم کی خشبو اندر اتار رہی تھی کہ پاکیزہ نے پہلو بدلا۔ ملازمہ جو زرشہ کی عجیب و غریب حرکات پہ ناک بھوں چڑھا رہی تھی، تڑپ کر پاکیزہ کہ سرہانے آئی۔ جبکہ پاکیزہ نے زرشہ کو قریب بلوایا۔ زرشہ اب بستر پہ پاکیزہ کہ پاس بیٹھی تھی۔ وہ پہلے سے بہتر لگ رہی تھیں۔

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

باپ نہیں ہے، ماں اور چھوٹی بہن ہے۔ بس۔۔۔۔۔ ”مجھے لڑکی کا شجرہ نسب نہ بتا، بس یہ بتا کہ اس کا اور عالم کا کیا رشتہ ہے؟“ دلاور سائیں نے گرج کر کہا تھا۔ شمشیر کی تیز تیز بولتی زباں کو یکدم بریک لگی تھی۔ ”سائیں! محلے والوں کہ مطابق وہاں کوئی عالم نہیں رہتا، بڑھیا کہ ساتھ اسکا بیٹا جہان رہتا ہے۔ جس کی شادی بھی اسی محلے کی لڑکی سے ہوئی ہے۔ پھر بڑھیا کہ مرنے کے بعد نجانے اسکا بیٹا کہاں غائب ہو گیا۔ اور وہ چھوڑی شاید ماں کہ گھر آگئی۔“ شمشیر خود ہنوز کنفیوژن کا شکار تھا۔ کہنا کچھ چاہتا تھا، منہ سے نکل کچھ رہا تھا۔ لیکن جو بھی تھا، کوئی تو پہیلی تھی ایسی، جو انھیں فی الوقت سمجھ نہیں آرہی تھی۔ دلاور سائیں نے شمشیر کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ اکیلے رہنا چاہتے تھے۔ ان جیسے زیرک سیاستدان نے پل بھر میں کہانی سمجھ لی تھی۔ عالم وہاں جہان بنکر رہا تھا۔ وہ عالم کی کمزوری سے واقف تھے۔ وہ تنہا خواتین، خاصکر غریب خواتین کو لیکر از حد جذباتی تھی۔ وہ ان کا سہارا بنا تھا۔ اسی لیے اس نے ایک یتیم لڑکی سے نکاح بھی کیا۔ یوں اس نے دو خاندانوں کو سنبھالا۔ تبھی بڑھیا کہ مرنے کے بعد وہاں نہیں گیا، ورنہ اگر حقیقت میں کسی جہان کا وجود ہوتا بھی تو وہاں کہ مرنے کے بعد گھر تھوڑی چھوڑ کر جاتا؟ دلاور سائیں اب کڑی سے کڑی ملارہے تھے۔ گتھی کافی حد تک سلجھ چکی تھی۔ اب انھیں اس لڑکی کا پتہ لگانا تھا۔ وہ جو بھی تھی، اسے عالم کی زندگی میں رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ جب تک پاکیزہ عالم کی زندگی میں تھی، وہ عالم کی زندگی میں تو کیا عالم کہ ارد گرد بھی کسی لڑکی کا وجود برداشت کرنے کے متحمل نہیں تھے۔ ہاں اگر پاکیزہ کو کچھ ہوتا ہے تب کہ لیے بھی انھوں نے عالم کہ لیے ایک بڑے سیاستدان کی لڑکی دیکھ رکھی تھی۔ وہ انھیں سیاست میں بہت فائدہ دینے والی تھی۔ عالم کی زندگی بھی بن جاتی، اور ان کا کام بھی چل جاتا۔ لیکن سب تبھی ممکن تھا جب، عالم کی زندگی میں موجود اس دوسری لڑکی کا پتہ چلا یا جاسکے۔ کچھ سوچتے ہوئے انھوں نے فون اٹھایا تھا۔ ”شمشیر! مجھے دو دن کہ اندر اندر ہر صورت اس لڑکی کا پتہ چاہیے۔ اسے میرے سامنے پیش کرو۔“

Posted On Kitab Nagri

جب تک عالم باہر سے واپس نہیں آجاتا، ہم نے یہ گند صاف کرنا ہے۔ ”دلاور سائیں کالہجہ کرخت اور انداز دو ٹوک تھا۔-----گھر واپس آجانے کے بعد بھی زرشہ بجھی بجھی تھی۔“ کہیں وہ پاکیزہ کو دھو کا تو نہیں دے رہی؟“ یہی سوچ اسے بے چین کر رہی تھی۔ اس نے عالم کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ بتاہی نہیں پائی تھی۔ پاکیزہ کا اس کے قریب آنا جہاں اس کے لیے اچھا تھا وہیں عالم کے لیے نجانے کتنی مصیبتیں لانے والا تھا۔ وہ بارہا سوچتی کہ اب وہ وہاں نہیں جائے گی۔ اسے نہیں جانا چاہیے۔ اس کے جانے سے حالات خراب ہو سکتے ہیں۔ لیکن پاکیزہ کا دلوں کو موم کر دینے والا لہجہ اور باتیں، زرشہ کی سوچ بدل دیتی تھیں۔ اس سب کا ایک ہی حل اسے نظر آیا تھا، وہ یہی کہ وہ عالم سے بات کر کہ اسے سب کچھ سچ سچ بتادے گی۔ وہ تو پہلے بھی بتانا چاہتی تھی لیکن عالم نے سنا ہی نہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی جب عالم کو اس کے حویلی جانے کی خبر ملے گی تو وہ کتنا برا پیش آسکتا ہے۔ وہ آج رات ہی عالم سے بات کر کہ معاملہ حل کرے گی۔ اس نے تہیہ کیا تھا۔ آج زیتون نے بھی اس سے ملنے آنا تھا۔ لہذا وہ اسی مناسبت سے تیار ہو کر اب باورچی خانے میں اسکی پسند کے پکوڑے بنانے میں جُت گئی تھی۔ زیتون کے آنے کے بعد کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ گلے شکوے کیے گئے۔ پھر نجانے کیوں گھما پھرا کہ زیتون مدعا یہ آئی تھی۔ ”زرشہ! مجھے آصف نے بھیجا ہے۔“ زیتون نے زرشہ کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے کہا تھا۔ آصف کا نام سنتے ہی زرشہ کے سانس تنگ ہوئی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں کیے جانے والے گناہ آسانی سے خود ہی پیچھا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا زرشہ نے سوچا تھا۔ لیکن اب اسے لگا تھا کہ وہ غلط تھی۔ اس کا نام چابک کی طرح زرشہ کے چہرہ پہ لگا تھا۔ اور لہو لہان کر گیا تھا۔ ”آصف کہہ رہا تھا کہ اسے عالم شاہ ملا تھا۔“ ایک اور جھٹکا۔ زرشہ کی نبض یکدم دھیمی ہوئی تھی۔ ”عالم شاہ نے اسے سنگین نتائج کی دھمکی دی ہے۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے۔“ نجانے زیتون مزید کیا کیا کہہ رہی تھی۔ زرشہ سنتے ہوئے دماغ کے ساتھ ہمہ

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

سے مراسم بڑھا رہی تھی۔ یہ واضح تھا۔ لیکن اس کا انجام کیا ہونا تھا؟ یہ فی الوقت مخفی تھا! زرشہ اپنے لیے مختص کی گئی جگہ پہ پہنچی تو پاکیزہ نے اسے دیکھتے ہی نرم مسکراہٹ اسکی جانب اچھالی تھی۔ زرشہ نے بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔ آج پاکیزہ نے درس نہیں دینا تھا، بلکہ خواتین کے مختلف سوالات کے جوابات دینے تھے۔ انھوں نے ہال پہ نگاہ ڈالتے ہوئے مائیک قریب کیا اور گویا ہوئیں: ”خواتین! بتائیے کیا پوچھنا ہے آپکو۔ باری باری ان شاء اللہ عز و جل سب کے سوالات کا جواب دیا جائے گا۔“ وہ اب مسلسل ہال کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بلاخر ایک نوجوان لڑکی نے ہاتھ کھڑا کیا تھا۔ ملازمہ نے مائیک اس کے حوالے کیا۔ ”آپی جان! میری ایک بھابھی ہیں۔ میری امی اور بھائی کبھی کبھار ان کے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کا خیال نہیں رکھا جاتا، انھیں ہر آسائش حاصل ہے، لیکن کبھی ان کے ساتھ زیادتی ہو جاتی ہے۔ وہ چپ رہتی ہیں۔۔۔ اور میں بھی۔۔۔ سب دیکھتے ہوئے، سمجھتے ہوئے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ وہ چپ چاپ مجھے دیکھتی ہیں، لیکن میں سر جھکا لیتی ہوں۔ ان کا ساتھ نہیں دے سکتی اور نہ ہی امی اور بھائی کے خلاف جاسکتی ہوں۔ بتائیں میں کیا کروں؟“ لڑکی کا سر جھک گیا تھا۔ ”سب سے پہلے تو آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ آپ کا ضمیر زندہ ہے۔ کم از کم آپ کو کسی کے ساتھ ہونے والی زیادتی نظر تو آتی ہے۔ ورنہ تو ہمارے دل اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ ہمیں زیادتی، زیادتی لگتی ہی نہیں۔ آپ کچھ نہ کریں۔“ پاکیزہ نے وقفہ دیکر کہا تھا۔ اور خود مائیک سے ہٹ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی تھی۔ ہال میں موجود خواتین میں چمگولیاں شروع ہو گئیں۔ پاکیزہ مزے سے جائزہ لیتی رہیں۔ زرشہ بھی خیالات کی دنیا میں بھٹکتی بلاخر متوجہ ہوئی تھی۔ اسے بھی پاکیزہ کے رویہ اور الفاظ پہ حیرت تھی۔ ”کسی کے ساتھ زیادتی ہوتی دیکھتی رہیں اور کچھ نہ کریں۔“ زرشہ نے من میں سوچا تھا۔ ”آپ کچھ نہ کریں۔“ پاکیزہ نے توقف کے بعد کرسی کی پشت چھوڑی تھی۔ مائیک میں اپنی ہی بات دہرائی تھی۔ ”آپ فقط اپنا“ ایک ”رخ

Posted On Kitab Nagri

متعین کر لیں۔ ”ایک پہ زور دیا تھا۔“ ایک ”! ”پھر سے دہرایا تھا۔“ کیونکہ دل ”ایک ”ہے نا۔! ”پاکیزہ ان کی بارہا کسا مسکرائی تھیں۔“ پھر کیسے ہم بیک وقت اچھائی کہ ساتھ بھی ہو سکتے ہیں اور برائی کہ ساتھ بھی؟ پھر کیسے بیک وقت ہمیں ایک ہی بات غلط بھی لگ سکتی ہے اور درست بھی؟ پھر کیسے ہمیں ایک ہی چیز اچھی لگ سکتی ہے اور وہی چیز بری بھی۔ وہ بھی بیک وقت؟ ”پاکیزہ اب الٹا سوال کر رہی تھیں۔ مطلع ہنوز ابر آلود تھا۔ خواتین نا سمجھی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہی تھیں۔“ آپ بس نیوٹرل نہ رہیں۔ اپنی سائیڈ منتخب کریں۔ یا بھائی اور امی کہ ساتھ ہوں، یا بھابھی کہ ساتھ۔۔۔ ”بات اب کچھ کچھ سمجھ آرہی تھی۔ خواتین دھیرے دھیرے سر مثبت انداز میں ہلارہی تھیں۔“ آپ چپ نہ رہیں۔ کیونکہ ہونے والی زیادتی پہ چپ رہنا اور فقط دل میں برا کہنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“ پاکیزہ نے بات ختم کی تھی۔ سب کو سمجھ آ گیا تھا۔“ آپ بیک وقت یا اچھائی کہ ساتھ ہوں، یا برائی کہ! ”! ”کیونکہ! آپ کہ سینے میں ”ایک ”ہی دل دھڑکتا ہے، دو نہیں۔“ پاکیزہ نے لہجہ نرم اور انداز مستحکم رکھا تھا۔

”آپ یادیں ہاتھ والوں میں سے ہو سکتے ہیں یا بائیں ہاتھ والوں میں سے۔“ پاکیزہ کی آواز اونچی ہوئی تھی۔ ”یا جنت خرید سکتے ہیں یا جہنم۔“ آواز کی تیج برقرار تھی۔ ”اپنے آپ کو رشتوں کی نزاکت کی نظر کرنے کہ بجائے اپنی سائیڈ چن لیں۔ بھابھی کی سائیڈ لیں گی تو کوئی آپ کو گھر سے نہیں نکالے گا۔ کوئی نکال سکتا ہی نہیں ہے۔ بھائی بھابھی کو تو چھوڑ سکتا ہے، آپ کو نہیں چھوڑے گا۔ آپ کا مقام نسبتاً زیادہ ہے۔ آپ کہ اوپر ذمہ داری بھی زیادہ ہے۔ بھابھی بلفرض مجبور ہو سکتی ہے، آپ نہیں۔ آواز اٹھائیں۔ ان کہ حق کہ لیے۔ اپنی آخرت کہ لیے۔ کیونکہ جب عذاب آتا ہے تو پوری کی پوری بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ جن میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو گو کہ

Posted On Kitab Nagri

خود گنہگار نہیں ہوتے، لیکن گناہ و ظلم پہ خاموش رہتے ہیں۔ خاموش رہنا، حتیٰ کہ آپ کہ پاس قوت و طاقت ہے، گناہ ہے، ظلم ہے۔ ”پاکیزہ نے مائیک دور کیا تھا۔ اب پھر سے وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھیں۔ نجانے کتنے ہی دلوں کو انھوں نے منور کیا تھا۔ دلوں پہ پڑی گرد اور گرا پر دہاٹھایا تھا۔ درس کچھ وقت اور جاری رہا تھا، پھر ختم ہو گیا۔ پاکیزہ نے زرشہ کو درس کہ اختتام پہ پھر سے اپنے کمرہ میں طلب کیا تھا۔ زرشہ کی کیفیات آج قدرے مختلف تھیں، کیونکہ اس کہ دل و دماغ پہ آصف کی دھمکی چھائی تھی۔ جوں ہی وہ کمرہ میں پہنچی پاکیزہ اس وقت بستر کہ پاس کھڑی تھیں۔ زرشہ کرسی پہ بیٹھنا چاہتی تھی، کن اکھیوں سے وہ دیکھ سیاح چادر دیکھ چکی تھی۔ چادر آج بھی وہیں تھی۔“ شاید عالم نے رکھی ہو، اور پاکیزہ اسے ہٹانا نہیں چاہتی ہوں۔ ہٹا بھی کیسے سکتی تھیں۔۔۔۔۔ ”زرشہ نے سوچا تھا۔ اس کا رخ کرسی کی جانب تھا۔ عالم کی خشبو وہ قدرے فاصلہ سے ہی اندر اتار رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کرسی پہ بیٹھتی پاکیزہ نے نرمی سے اسے بستر پہ بیٹھنے کا کہا تھا۔ اور خود وہ کرسی پہ بیٹھ گئیں۔“ وہ یہاں، میرے شوہر بیٹھتے ہیں۔۔۔ اس لیے۔۔۔۔۔!!! ”پاکیزہ نے نجانے کیوں وضاحت دی تھی۔“ وہ میرے بھی محرم ہیں۔ ”زرشہ نے نہایت دھیمی آواز میں کہا تھا۔ کچھ وقت بعد زرشہ سنبھل چکی تھی۔ پاکیزہ اس سے چھوٹے چھوٹے سوالات پوچھ رہی تھیں۔ اپنی بیماری کہ بارے میں بتا رہی تھیں۔ وہی سب کچھ جو زرشہ پاکیزہ کہ بارے میں جاننا چاہتی تھی آج قدرت اسے وہی سب پاکیزہ کہ اپنے منہ سے بتلا رہی تھی۔ زرشہ کی نگاہیں گھوم پھر کہ سیاح چادر پہ آٹکتی تھیں۔ پاکیزہ نے وہ چادر اب اٹھا کر گود میں رکھ لی تھی۔ وہ باتوں کہ دوران مسلسل اس پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ زرشہ کو ان کی قسمت پہ رشک آیا تھا۔“ گناہ ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔ ”زرشہ نے نگاہوں کا رخ بدل کر دل میں سر اٹھاتا سوال کیا تھا۔ پاکیزہ سے بہتر کوئی اس کا جواب دے بھی نہیں سکتا تھا۔“ کیونکہ ہم ان پہ مہر نہیں لگاتے۔ ”پاکیزہ نے ترنت جواب دیا تھا۔ ان کا موڈ آج خوشگوار تھا۔

Posted On Kitab Nagri

“چھوڑ تو دیتے ہیں، پھر۔۔۔۔۔۔!!!!” ”زرشہ نے نا سمجھی کہ عالم میں کہا تھا۔“ چھوڑ تو دیتے ہیں، لیکن
 “یاد” نہیں کرتے۔ ”پاکیزہ نے“ یاد ”پہ زور دیا تھا۔“ بھلا گناہ بھی کوئی یاد کرنے کی چیز ہے۔ ”زرشہ نے من
 میں سوچا تھا۔“ گناہ ہی تو یاد کرنے اور یاد رکھنے کی چیز ہے۔ ”پاکیزہ نے گویا اسکی سوچ پڑھی تھی۔ زرشہ یکدم
 سمٹی تھی۔“ نیکیوں کا حساب کتاب تو اللہ رکھتا ہے نا۔ ہمیں گناہوں کا حساب رکھنا ہوتا ہے۔ جب جب ہم انھیں
 یاد کرتے ہیں، ان پہ نادام ہوتے ہیں۔ ان پہ آنسو بہاتے ہیں۔ آئندہ کبھی نہ کرنے کی قسم و عزم دہراتے ہیں،
 “مہر” پختہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی گناہوں کی مہر ہے۔ ”پاکیزہ نے گویا مختصر الفاظ میں بات کو لپیٹا تھا۔“ پھر وہ پیچھا
 نہیں کرتے۔؟ ”زرشہ نے معصومیت سے پوچھا تھا۔“ اگر ہم گناہوں کو یاد رکھیں تو وہ ہمیں بھول جاتے ہیں۔
 ہاں اگر ہم انھیں بھول جائیں تو وہ ہمیں ضرور یاد کرتے ہیں۔ اور جب گناہ ہمیں یاد کرنے لگ جائیں تو سمجھو کہ ہم
 انھیں بھولنے لگے ہیں۔“ پاکیزہ نے زرشہ کہ قریب جھکتے ہوئے رازداری سے کہا تھا۔“ ایک بار توبہ کر لینا کافی
 نہیں ہوتا۔ ”زرشہ نے نئے رخ سے سوچا تھا۔“ موبائل میں جب کوئی اپلیکیشن ڈاؤنلوڈ کرتی ہو۔ جس کا وقتاً
 فوقتاً نیا ورژن آتا رہتا ہے۔ تو جب بھی نیا ورژن آتا ہے موبائل تمھیں بتاتا ہے اسے اپڈیٹ کرنے کے لیے۔ تم
 اپڈیٹ کرتی ہو۔۔۔ کیوں؟ ”پاکیزہ نے بھی نئے رخ سے سوال کیا تھا۔“ تاکہ نئے ورژن کی نئی اور جدید
 خصوصیات سے استفادہ حاصل کر سکو۔ ”زرشہ نے بنا سوچے سمجھے جواب دیا تھا۔“ تو پھر کیا توبہ کو اپڈیٹ
 کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی؟“ ”جب گناہ ہمارے سامنے آتے ہیں، یہ نو ٹیفیکیشن ہوتا ہے کہ توبہ کو اپڈیٹ
 کرو۔ اسے اپ گریڈ کرو۔ وہ پرانی ہو گئی ہے۔“ ”پاکیزہ نے پھر سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی تھی۔ وہ اب کرسی
 جھلار ہی تھیں۔ جس طرح پاکیزہ نے سمجھا یا تھا، ویسا کبھی کسی نے نہیں سمجھایا۔ کوئی سمجھا سکتا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ
 کوئی پاکیزہ جیسا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہی نہیں تھا۔ زرشہ نے بے اختیار پاکیزہ کہ نرم و نازک ہاتھ چومے تھے۔ اسی

Posted On Kitab Nagri

اثناء میں اس نے اُس سیاہ چادر کو بھی چھوا تھا، جس پہ کب سے اسکی نگاہیں گر رہی ہوئی تھیں۔ چھوتے ہی اپنی پیشانی پہ عالم کا لمس یاد آیا تھا۔ یاد آتے ہی وہ لال ہوتے گال لیکر پیچھے ہٹی تھی۔ پاکیزہ کو اسکی حرکت بچکانہ لگی تھی۔ وہ اب پیار سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ہر لحاظ سے عالم کہ معیار کہ اوپر پورا اترتی تھی۔ زرشہ پاکیزہ کو دیکھکر مسلسل یہی سوچ رہی تھی کہ یہ کتنی خوش نصیب ہیں۔ عالم کہ ساتھ کتنا وقت گزارا ہے انھوں نے۔ عالم کا بچپن، اسکی جوانی دیکھی ہے۔ پاکیزہ بھی زرشہ کو دیکھکر یہی سوچے جارہی تھیں کہ اگر عالم مان جاتا ہے تو یہ عالم کی دلہن بنے گی۔ کتنی خوش صیب ہے نایہ۔۔۔!!! دونوں ایک دوسرے کی قسمت پہ رشک کر رہی تھیں، جبکہ قدرت، دونوں کو دیکھکر مسکرا رہی تھی۔

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کاروائی کی جائے گی۔)

زرشہ کو درس سے واپس آئے ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ دروازہ پہ دستک ہوئی۔ اماں اور مینا درزی کہ گئی ہوئی تھیں، کیونکہ نکاح کی تاریخ قریب تھی۔ لہذا زرشہ کو ہی دروازے تک آنا پڑا۔ جب اماں گھر ہوں تو مینا اور زرشہ کو اجازت نہیں تھی دروازہ کھولنے کی۔ “کون ہے؟” زرشہ نے بنا دروازہ کھولے پوچھا تھا۔ کچھ لمحے انتظار کہ بعد زرشہ نے پھر سے پوچھا تھا۔ “کون؟” ادھر ہنوز خاموشی تھی۔ “کون ہے؟” زرشہ کا لہجہ اب کی بار سخت تھا۔ جبکہ دوسری جانب وہی خاموشی۔ زرشہ مڑنے ہی لگی تھی کہ لگاتار دستک شروع ہو گئی۔ یوں جیسے کوئی دروازہ توڑ ڈالنا چاہتا ہو۔ زرشہ کو پہلی بار خوف محسوس ہوا تھا۔ “میں نے پوچھا کون جاہل ہے؟” زرشہ باوازی بلند چلائی تھی۔ “عالم شاہ کی بیوی سے ملنا ہے۔” جواب دینے والی کی آواز بھاری تھی اور لہجہ گھمبیر۔ “عالم شاہ کی

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

اس صورتحال سے آگاہ کرنا تھا۔ اس نے عالم کا واٹس ایپ نمبر ملا نا چاہا لیکن شاید وہاں انٹرنیٹ میسر نہیں تھا، کال نہیں جاسکی۔ اس نے کچھ سوچ کر کاغذ کہ ٹکڑے کی تصویر اور ساری تفصیل اسے واٹس ایپ پہ بھیج دی۔ میسج بھیجنے کہ بعد موصول ہونے والا ایک ٹیک اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ موصول کنندہ کہ پاس انٹرنیٹ موجود نہیں ہے۔ “چلو! کبھی تو دیکھ لیں گے نا!” ”زرشہ کو تسلی ہوئی تھی۔ وہ کبھی بھی دلاور شاہ کہ بھیجے پتہ پر نہیں جائے گی، اس نے تہیہ کیا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ قسمت اس کہ لیے کیا لیکر آنے والی ہے؟

----- اگلی صبح وہ وقت سے پہلے ہی درس کے لیے نکل گئی۔ اسے شام کو جلدی واپس آنا تھا۔ نکاح کی تیاریوں میں اماں کی مدد کرنا تھی۔ ابھی خواتین کی آمدورفت شروع نہیں ہوئی تھی۔ زرشہ اپنی پرانی جگہ پہ براجمان ہو گئی۔ آج اپنا چھوٹا قرآن وہ ساتھ لے آئی تھی۔ لہذا وہاں بیٹھ کر اسے کھول لیا اور تلاوت کرنے لگی۔ پاکیزہ کی ذاتی ملازماؤں میں سے ایک نے زرشہ کو وہاں دیکھ لیا تھا۔ جب سے پاکیزہ نے زرشہ میں غیر معمولی دلچسپی لینا شروع کی تھی، ان کی ملازماؤں کو نجانے کیوں زرشہ سے چڑسی ہو گئی تھی۔ شاید اپنی مالکن کے آگے پیچھے پھرنے کے انھیں عادت تھی۔ اب مالکن کا رجحان ان پر سے ہٹ گیا تھا تو ان سے برداشت نہیں ہوا۔ جو بھی تھا، وہ ملازمہ جس کا نام رضیہ تھا، ناک بھوں چڑھاتے زرشہ کو گھور رہی تھی۔ پاکیزہ کہ علم میں لائے بغیر رضیہ پاکیزہ کے بارے میں کافی باتیں دلاور سائیں کہ پالتو لوگوں کے گوشگزار کرتی رہتی تھیں۔ اب ظاہر ہے وہ بغیر کسی لالچ کے تو ایسا کرنے سے رہی، اس کے عوض چار پیسے لیتی تھی۔ پاکیزہ اور زرشہ کی بڑھتی ہوئی قربتیں، رضیہ کو بری طرح بے چین کر رہی تھیں۔ دلاور سائیں نے پاکیزہ کو ہمیشہ الگ رکھا تھا۔ انھوں نے کبھی بھی انھیں کسی سے گھلنے ملنے یا دوستی رکھنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ ہر طرح سے پاکیزہ پہ نظریں رکھے ہوئے تھے۔ رضیہ پاکیزہ کے پاس انکی آنکھیں تھی۔ پاکیزہ جب اپنی چند کتابیں لینے باہر بیٹھک میں آئیں تو زرشہ کو قرآن میں منہمک پایا۔

Posted On Kitab Nagri

”آہ۔۔ زرشہ۔۔ آپ کب آئیں؟“ انھیں خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ ”وہ۔۔ میں۔۔ آج گھر میں کچھ کام تھا تو جلدی آگئی۔ جلدی جانا ہے نا۔۔۔۔۔“ ”زرشہ اپنی جگہ کھڑی ہو چکی تھی۔“ ”مہمان کب سے یہاں اکیلی بیٹھی ہے اور آپ انھیں یونہی کھڑا دیکھ رہی ہیں رضیہ؟“ ”پاکیزہ کارخ اب رضیہ کی جانب تھا۔ رضیہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔“ ”آؤ زرشہ! کمرہ میں آؤ۔“ ”پاکیزہ زرشہ کو بول کر خود بھی اٹے قدموں لوٹ گئی تھیں۔ رضیہ کو پہلے ہی کسی اور نہج پہ سوچ رہی تھی، زرشہ پہ گہری نگاہ ڈالتے ہوئے پلٹی اور نسبتاً خاموش گوشہ میں جا کر قمیض کہ دائیں طرف لگی جیب سے نوکیلا کاپرانا موبائل نکالا اور ایک نمبر پہ مسڈ کال دیکر انتظار کرنے لگی۔ تین منٹ بعد اسی نمبر سے کال آنے لگی۔“ ”ہاں، شمشیر بابو! دلاور سائیں کہ لیے ایک خبر ہے۔“ ”رضیہ نے چھوٹے ہی کہا تھا۔“ ”بول رجو بول۔ فالتو میں وقت نہ برباد کر۔“ ”شمشیر جو پہلے ہی کسی کام میں پھنسا ہوا تھا اکتایا ہوا بولا۔“ ”سائیں کو کہنا کہ ان کہ حکم کہ مطابق میں نے پاکیزہ بی بی کہ ملنے ملانے والوں پہ گہری نظر رکھی۔۔۔۔۔“ ”آگے بھی آج ہی بولے گی یا کل کا وقت لینا پڑے گا؟؟؟؟؟“ ”شمشیر بھلا کہاں لمبی تمہید سننے والا تھا۔“ ”ایک لڑکی، زرشہ، کئی دنوں سے پاکیزہ بی بی کہ ارد گرد منڈلا رہی ہے۔ یہی نہیں پاکیزہ بی بی کہ کمرہ میں بھی جاتی ہے۔ ابھی بھی وہ پاکیزہ بی بی کہ ساتھ ان کہ کمرہ میں موجود ہے۔“ ”رضیہ کا موڈ گو کہ بگڑ چکا تھا لیکن نظر آتے نیلے نوٹوں نے اسے پھڑپھڑی پہ چڑھائے رکھا۔ شمشیر نے رضیہ کی اگلی کوئی بات سننے بغیر کال کاٹی تھی۔ اس کا رخ اب دلاور سائیں کی جانب تھا۔ جاتے جاتے وہ گیٹ پہ کھڑی گاڑی کی جانب آیا ہوا۔ جو زنان خانے جانے والے راستے پہ تعینات تھے۔ گیٹ کی بیرونی طرف ٹیکسی کھڑی تھی۔ ڈرائیور شاید سو رہا تھا۔ شمشیر نے گاڑی کے کسی اجنبی خاتون کہ بارے میں پوچھا۔ جو کچھ وقت پہلے یہاں آئی تھی۔ گاڑی کے اسے بتایا کہ وہ روز اسی ٹیکسی میں آتی ہے۔ شمشیر کا رخ اب ٹیکسی کی جانب تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور سے شمشیر نے اس طور سب اگلوایا کہ اسے سمجھ بھی نہ آسکی اور زرشہ کی

Posted On Kitab Nagri

شناخت وہ شمشیر جیسے گھٹیا انسان کہ سپرد کر گیا۔ شمشیر کڑی سے کڑی ملاتا تقریباً بھاگتا ہوا دلاور سائیں کی طرف گیا تھا۔ حالات اس کی سوچ سے بھی زیادہ بگڑ چکے تھے۔ زرشہ اسی محلے، اسی گھر سے آئی تھی جہاں، عالم شاہ کی بیوی رہ رہی تھی۔ وہ عالم کی بیوی تھی۔ ٹیکسی والے کہ بقول اسکا نکاح جہان سے ہوا تھا۔ عالم، جہان کا کردار ادا کرتا رہا تھا۔ یہ اب ثابت ہو چکا تھا۔ زرشہ عالم کی بیوی تھی۔ یہ بھی ثابت ہو چکا تھا۔ زرشہ اس وقت پاکیزہ کہ ساتھ اس کہ کمرہ میں موجود تھی۔ اب یہ زرشہ کی چال تھی یا وہ پاکیزہ کو تنگ کرنے اور رقم ہتھیلانے کی غرض سے یہاں موجود تھی۔ یہ تو وقت نے ثابت کرنا تھا۔ شمشیر نے پھرتی سانسوں کہ مابین دلاور سائیں کو ساری روداد سنائی تھی۔ دلاور شاہ گو کہ اس وقت ایک انتہائی اہم میٹنگ میں مصروف تھے، لیکن شمشیر کہ بارہا صراہہ انھوں نے اسکی بات سننی۔ اور سنتے ہی انھوں نے نہ صرف اہم میٹنگ منسوخ کی بلکہ خود پاکیزہ سے ملنے اس کہ کمرہ کی جانب جانے کہ لیے قدم اٹھا دیے۔ اُدھر پاکیزہ زرشہ کو اب تفصیل سے عالم شاہ اور اپنے بارے میں بتا رہی تھیں۔ وہ اپنی نیت زرشہ سے چھپانا نہیں چاہتی تھیں۔ لہذا انھوں نے زرشہ کو کھل کر بتا دیا کہ وہ زرشہ سے کیا چاہتی ہیں۔ پاکیزہ کہ منہ سے مطالبہ سنتے ہی زرشہ کہ ہوش اڑے تھے۔ وہ تو عالم کو پاکیزہ کہ ساتھ مکمل تصور کرتی تھی۔ لیکن وہی پاکیزہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنا شوہر اسے دینا چاہتی تھی، بنایہ جانے کہ جس کہ سپرد وہ عالم کو کرنا چاہتی ہے، وہ تو پہلے سے ہی عالم کہ پیار میں پاگل ہے۔ اپنے محرم کہ عشق میں گرفتار ہے۔ پاکیزہ اس ساری صورتحال کو فی الوقت پوشیدہ رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ کم از کم عالم کی واپسی تک زرشہ اور اپنے ارادہ کو سب سے مخفی رکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی وقت پاکیزہ کہ کمرہ کہ دروازہ پہ زور سے دستک دی جانے لگی۔ وہ مخصوص دستک دلاور شاہ کہ علاوہ کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ پاکیزہ کا ٹھٹھکنا بنتا تھا۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا اداسائیں یوں بنا اطلاع کہ اس کہ کمرہ میں آئیں۔ پاکیزہ کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔ اس

Posted On Kitab Nagri

وقت کمرہ میں وہ اور زرشہ تھیں۔ انھوں نے قصدِ ملازماؤں کو آگے پیچھے کر دیا تھا۔ دستک ہنوز جاری تھی۔ پاکیزہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے زرشہ کو باتھر روم میں بند ہو جانے کا کہا تھا۔ اور یہ بھی تنبیہ کی کہ جب تک وہ نہ کہیں وہ خود کو اندر ہی رکھے۔ اسے بھیجنے کے بعد تیسری دستک پہ انھوں نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ خود کو سمیٹنے میں کافی حد تک کامیاب ہوئی تھیں۔ اداسائیں نے آتے ہی اپنے ازلی انداز میں پاکیزہ کے سر پر بوسہ دیا تھا۔ وہ جس ارادہ سے آئے تھے، ان کے چہرے، چال ڈھال سے قطعاً آشکار نہیں ہو رہا تھا۔ یہی تو دلاور سائیں کا خاصہ تھا۔ اندر طوفان برپا ہوتا لیکن چہرہ پہ ساکن لہروں کے جیسا سکوت ہوتا۔ دلاور سائیں نے بیٹھتے ہی پاکیزہ کا حال احوال پوچھنے کے بعد عالم کے بارے میں چھوٹے چھوٹے سوال کیے تھے۔ وہ سب نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جس روز پاکیزہ نے فون پہ بھائی کی گفتگو سنی تھی اس کے بعد دونوں بہن بھائی آج مل رہے تھے۔ پاکیزہ کو یکدم وہ ساری باتیں یاد آ گئی تھیں۔ وہ بے چین سی دکھائی دیتی تھیں۔ ”سیاہ چادر کس کی ہے؟ کیا عالم واپس آ گیا؟“ ”دلاور کی نگاہ بستر پہ پڑی زرشہ کی چادر پہ پڑی تھی۔ پاکیزہ نے ہی اسے چادر اتار کر آرام سے بیٹھنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور ان کا اپنا ہی مشورہ انھیں یوں مہنگا پڑ جائے گا انھوں نے شاید سوچا بھی نہیں تھا۔“ ”وہ۔۔۔ یہ۔۔۔ ہاں عالم کی ہے۔ میں ان کا سامان سیٹ کر رہی تھی تو۔۔۔!!“ ”پاکیزہ جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھیں لیکن حالات کا تقاضا تھا۔ دلاور شاہ چند سیکنڈ مزید بیٹھنے کے بعد وہاں سے اٹھ آئے تھے۔ شمشیر ان کا باہر انتظار کر رہا تھا۔ باہر آتے ہی انھوں نے شمشیر کو نیا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ “وہ چھوری اندر تھی۔ باتھر روم میں چھپی تھی۔ میری بہن نے پہلی بار مجھ سے نہ صرف جھوٹ بولا بلکہ اتنی بڑی بات چھپائی۔ شمشیر مجھے ہر حال میں چھوری چاہیے۔ میرے پیٹھ پیچھے کیا چل رہا ہے، مجھے خبر کرو۔“ دلاور سائیں کا پی پی شوٹ کر گیا تھا۔ وہ اب اتنے بھی بچے نہیں تھے کہ جھوٹ بولتے وقت بہن کے کانٹے ہاتھ اور لرزتی ٹانگیں نہ دیکھ پاتے۔۔۔۔۔ خوش بخت خاتون نے

Posted On Kitab Nagri

آج زرشہ کہ لیے اسکی من پسند آلووالی بریانی بنائی تھی۔ زرشہ ان کہ پاس اب کچھ دنوں کی مہمان تھی۔ عالم نے آتے ہی اسے اپنے گھر لیجانا تھا۔ جب تک زرشہ یہاں تھی وہ اس کی خواہشات کا خیال رکھنا چاہتی تھیں۔ زرشہ بتا کر گئی تھی کہ وہ جلدی آئے گی، اب نکاح میں دن ہی کتنے رہ گئے تھے۔ خوش بخت خاتون نے تو اسے اب آگے چھٹیاں لینے کا کہا تھا۔ سب بظاہر تو ٹھیک تھا لیکن نجانے کیوں خوش بخت خاتون کا دل عجیب ہی تان پہ دھڑک رہا تھا۔ بار بار مینا سے زرشہ کی بابت دریافت کر رہی تھیں۔ اب تو مینا نے بھی ماں کو ڈانٹ پلائی تھی۔ ”اماں! زرشہ شادی شدہ ہے۔ بچی نہیں ہے۔ آپ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں اس کہ لیے۔۔۔؟؟؟“ مینا کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ لیکن وہ تو ماں تھیں، بھلا جب اولاد پہ مصیبت بننے والی ہو تو ماں کیسے چین سے رہ سکتی ہے؟

----- دلاور شاہ کہ جانے کہ بعد زرشہ باتھ روم سے باہر آئی تھی۔ پاکیزہ نے دانستہ کمرے کو اندر سے لاک کیا۔ ان کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ دلاور شاہ کو ضرور کوئی شک ہوا تھا۔ ورنہ وہ یوں اچانک اس کہ کمرہ میں کیوں چھاپہ مارتے؟“ زرشہ! میری بات یاد رکھیے گا۔ میں چاہتی ہوں آپ میرے عالم کی دلہن بنیں۔ آپ اسے خوش رکھیں۔ اس کی زندگی میں بہار لائیں۔ میرا عالم میں آپ کہ سپرد کرتی ہوں، ”پاکیزہ تیز تیز لہجہ میں زرشہ کو نجانے کیا سے کیا بولے جا رہی تھیں۔“ ابھی آپ گھر جاؤ۔ نجانے کیوں میرا دل ہول رہا ہے۔ مجھے اپنا نمبر دے جاؤ۔ گھر پہنچتے ہی مجھے کال کرنا۔ اور تین دن تک یہاں مت آنا۔ پھر میں آپ کو بتاؤں گی آگے کیا کرنا ہے۔ تب تک ان شاء اللہ عالم بھی واپس آ جائیں گے۔“ پاکیزہ اب زرشہ کو سیاہ چادر اوڑھا رہی تھیں۔ ان کہ انداز میں عجلت تھی، ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ زرشہ نہیں جانا چاہتی تھی، بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پاکیزہ نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ اسی وقت حویلی سے نکل جائے۔ زرشہ جس راستہ سے آئی تھی، اسی راستہ سے گھر جانے کہ لیے نکل کھڑی ہوئی۔ اسکی ٹیکسی اسکا انتظار کر رہی تھی۔ اماں کی

Posted On Kitab Nagri

بھی بار بار کال آرہی تھی۔ وہ باتھ روم میں تھی، جواب نہیں دے پائی۔ اب وہ اماں کو کال کر کہ مطمئن کر رہی تھی کہ وہ واپس آرہی ہے۔ جہاں اماں کو قرار آیا تھا وہیں اس نے اب عالم سے کی گئی واٹس ایپ چیٹ کھول لی تھی۔ ابھی تک عالم نے انٹرنیٹ آن نہیں کیا تھا۔ ہیغام اسے موصول نہیں ہوئے تھے۔ وہ عالم کو مزید مسیجز لکھ رہی تھی کہ یکدم ایک جھٹکا کھا کر ٹیکسی رکی۔ یہ حویلی سے فاصلہ پر واقع ویران سڑک تھی۔ زرشہ نے نقاب کی اوٹ سے دیکھا، تو سامنے سیاہ گاڑی تھی۔ چار باوردی گارڈز ہاتھوں میں کلاشنکوف اٹھائے برآمد ہوئے تھے۔ انھوں نے ٹیکسی کو گھیر لیا تھا۔ ایک گارڈ نے ڈرائیور کو کلاشنکوف کہ ایک ہی وار سے بے ہوش کر دیا۔ زرشہ نے خود کو اندر سے لاک کر لیا۔ وہ خطرہ بھانپ چکی تھی، اسے اور کچھ نہیں سوچا تھا اس نے سامنے کھلی عالم کی چیٹ پہ جلدی سے میسج لکھنا شروع کر دیے۔ گاڑی سے شمشیر بھی برآمد ہوا تھا۔ اس کا رخ زرشہ کی جانب تھا۔ اسے دیکھتی ہی زرشہ کو وہ رات یاد آئی تھی۔ جس کا سوچ کر ابھی بھی اس کہ رونگھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ زرشہ نے شمشیر کا نام عالم کو بھیجا تھا۔ جوں جوں شمشیر آگے بڑھ رہا تھا، زرشہ کی انگلیاں تیز تیز کام کرتے ساری کہانی اسے بتا رہی تھیں۔ شمشیر اب زرشہ کی سائیڈ والا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چونکہ ڈرائیور کی سائیڈ والا دروازہ باسانی کھل گیا لہذا زرشہ تک رسائی آسان ہو گئی۔ ”چھوری! ہمیں زبردستی پہ مجبور مت کرو اور چپ چاپ، ہمارے ساتھ چلو۔“ شمشیر نے دروازہ کھول کر زرشہ کو راستہ فراہم کرتے تنبیہ کی تھی۔ زرشہ نے چادر کہ نیچے رکھا موبائل جان بوجھ کر ٹیکسی میں پھینکا تھا۔ اور خود باہر نکل آئی۔ وہ شمشیر کی طبیعت سے اچھے سے واقف تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسے ہاتھ لگائے۔ زرشہ اب خود کو چادر میں اچھے سے لپیٹے، ٹیکسی سے اتر چکی تھی۔ اسے کم از کم اتنا اطمینان تھا کہ عالم کو سب پتہ چل چکا ہے۔ اسے یہ بھی یقین تھا، کہ عالم جلد ہی سارے مسیجز دیکھے گا۔ وہ دل ہی دل اللہ کو مدد کہ لیے پکار رہی تھی۔ اسے ایمان تھا کہ اللہ کی ذات اسے تنہا نہیں

Posted On Kitab Nagri

چھوڑے گی۔ اس کہ ساتھ کچھ برا نہیں ہوگا۔ وہ اللہ کہ نام کا ورد کرتی شمشیر کی رہنمائی میں سیاہ گاڑی میں سوار ہوئی تھی۔ سیاہ گاڑی دھول اڑاتی مخالف سمت نکل گئی تھی۔

خوش بخت بیگم زرشہ کی کال کہ بعد مطمئن ہو کر نماز ادا کرنے لگیں۔ اُدھر بریانی بھی دم پہ رکھ دی تھی۔ لیکن دل تھا کہ عجب پریشانی کا شکار تھا۔ نماز کہ بعد جب وہ مختلف تسبیحات کا ورد کرنے لگیں، دل کی حالت عجیب تر ہو گئی۔ (زرشہ کو اب نامعلوم مقام کی جانب لے جایا جا رہا تھا۔ شمشیر اگلی سیٹ پہ براجمان تھا۔ زرشہ کہ ساتھ ایک گارڈ تھا۔ جب کہ باقی گارڈ پیچھے تھے۔) انھوں نے بائیں جانب ہاتھ رکھ لیا، اور وہیں جائے نماز پہ بیٹھتی چلی گئیں۔ ”یا الہی“ (زرشہ مسلسل اللہ کو یاد کر رہی تھی۔) ”مجھ بیوہ کو تیری ذات پاک کہ سوا کسی کا آسرا نہیں۔“ (اسے سب سے زیادہ ماں کی فکر تھی۔) (یا اللہ! میری ماں!) (وہ یہی کہے جا رہی تھی۔) ”یا اللہ!“ ”مجھے اس عمر میں رسوا مت کرنا۔“ (میری ماں کا ہم دونوں کہ سوا کوئی نہیں۔ انھیں اس عمر میں کوئی دکھ نہ دینا۔) انھیں اب بیٹھنا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ یوں جیسے صدیوں کی تھکاوٹ ہو۔ ”سبحان اللہ!“ (زرشہ کو یاد آیا تھا، مشکل وقت کہ لیے پاکیزہ نے یہی تسبیح بتائی تھی۔) ”سبحان اللہ!“ ”سبحان اللہ!“ خوش بخت سے اب تسبیح نہیں تھامی جا رہی تھی، لہذا انھوں نے انگلیوں پہ ورد کا آغاز کر دیا۔ (صد شکر کہ زرشہ کی تسبیح اس کی انگلی میں موجود تھی۔ بٹن والی تسبیح کا یہی فائدہ ہے، آپ کی انگلی پہ جب تک موجود رہتی ہے، آپ کی زباں بھی حرکت میں رہتی ہے۔ زرشہ اکثر سوچا کرتی تھی۔ آج بھی بٹن دباتے وہ یہی سوچ رہی تھی۔ جس نے یہ بنائی اللہ اسے جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ ہمیشہ کی طرح اس نے آج بھی بنانے والے کہ لیے دعا کی تھی۔ اس کا شکر یہ ادا کیا تھا۔ کیا ہم بھی

Posted On Kitab Nagri

“ہمیں ”بنانے والے کا یونہی وقتاً فوقتاً شکریہ ادا کرتے ہیں؟“ خیر! ادھر، زرشہ کی اماں کی حالت بگڑ رہی تھی۔ اب تو انگلیاں بھی حرکت سے انکاری تھیں۔“ یا اللہ!“ بمشکل منہ سے پھسلا تھا۔“ مینا!“ مینا!“ ”کپکپاتی آواز میں وہ اسے صدالگار ہی تھیں۔ مینا سلا دکاٹ کر باورچی خانے سے برآمد ہو رہی تھی، جب ماں کی گھٹی گھٹی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے ماں کے پاس پہنچی۔ اس نے فوراً سے پیشتر، ماں کا سراٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ خوش بخت بیگم کو کچھ ڈھارس ملی۔“ زرشہ!“ مینا، زرشہ نہیں آئی؟“ خوش بخت بیگم مسلسل ایک ہی بات دہرا رہی تھیں۔“ آپ بس پہنچنے والی ہیں۔“ آپ اٹھیں، اوپر چارپائی پہ لیٹیں۔ میں آپکا پی چیک کروں۔“ خوش بخت بیگم کو خاصی ڈھارس ملی تھی۔ (زرشہ کا دل ماں کا سوچ سوچ کر ڈوب کہ ابھر رہا تھا۔) مینا مشین لینے کہ بہانے باہر آئی تو جھٹ سے زرشہ کا نمبر ملا ڈالا۔“ آپ!۔۔۔ آپ!۔۔۔ یار کہاں رہ گئی ہو آپ؟ پلیز کال اٹھاؤ۔“ مینا اب ہلکان ہو رہی تھی۔ زرشہ کا موبائل ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کے نیچے بچ رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور ہنوز بے ہوش تھا۔ صورتحال عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر زرشہ کا نمبر ملا یا، لیکن جواب نہ ملا! اب اُس نے کچھ سوچتے ہوئے شیر و کا کال ملائی تھی، دوسری بیل پہ ہی کال اٹھالی گئی تھی۔ اسے شیر و سے بات کرنے میں شدید ہچکچاہٹ کا سامنا تھا۔ لیکن اب بات کرنا بھی ضروری تھا۔ شیر و تو جیسے مینا کی کال اٹھا کر خود کو ساتویں آسمان پہ تصور کر رہا تھا۔ گو کہ عالم کہ جانے کہ بعد اس کے سارے کام وہی دیکھ رہا تھا، لیکن مینا کی کال نے جیسی اس کی ساری دنیا یکدم روک دی تھی۔“ جی!“ بمشکل شیر و کہ منہ سے ادا ہوا تھا۔“ وہ۔۔۔ ایک۔۔۔ کام تھا، مطلب مسئلہ ہے۔ بات ہے،۔۔۔“ مینا شدید کنفیوز تھی۔“ ”حکم!“ ”شیر و نے منہ کہ سامنے کھلی فائلیں بند کرتے ہوئے کہا۔ ہاتھ کہ اشارہ سے دفتر میں بیٹھے افراد کو بھی باہر بھیجا تھا۔ وہ یکدم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ مینا نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ساری بات اسے بتادی تھی۔ ماں کہ بارے میں بھی بتایا تھا۔“ اگر آپ کہ لیے

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

میں کمرے تھے۔ جبکہ دائیں جانب ایک کمرہ نسبتاً الگ تھلگ تھا۔ بائیں جانب ایک کچا سا کمرہ تھا۔ شاید چوکیداروں کے لیے۔ شمشیر نے کمرہ کو دیکھا، پھر زرشہ کو۔ ایک جتنی نگاہ اس پر ڈالی، ”پھینک دو اسے یہاں۔!“ طنزیہ انداز میں کہتا فون کان کہ ساتھ لگا کر ایک جانب نکل گیا۔ وہ کمرہ کسی لحاظ سے بھی رہنا تو دور کی بات بیٹھنے تک کہ قابل نہیں تھا، نہ پردہ تھا، نہ طہارت کا کوئی انتظام۔ زرشہ کا دل بری طرح ٹوٹا تھا۔ ”یا اللہ! میں اتنی ہی گنہگار ہوں کہ تیرے سامنے حاضری کا موقع بھی میسر نہیں آ رہا۔۔۔۔۔“ اس کا دل بری طرح ٹوٹا تھا۔ آنسو نکل کر سیاہ چادر میں جذب ہوئے تھے۔ اس نے سیاہ چادر کو مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ فقط دائیں آنکھ سیاہ چادر سے باہر جھانک رہی تھی۔ شمشیر نے فون کان کہ ساتھ لگا کر دلاور شاہ کو اپنی کامیابی کی داستان سنائی تھی۔ جبکہ دوسری جانب سے دیا جانے والا حکم سنکر اس کا چہرہ بری طرح بگڑا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا، فون دیوار پہ دے مارے۔ غصہ سے فون بند کرتے تن فن کرتا، گارڈز کی جانب بڑھا۔ ”نکالو اسے وہاں سے، اور اس کمرہ میں ڈالو۔“ شمشیر انھیں حکم دیکر کانہیں تھا بلکہ باہر نکل گیا۔ گارڈز نجانے کیوں زرشہ سے احترام کا معاملہ کر رہے تھے۔ شاید اس کے پردہ کی وجہ سے۔ جب آپ اللہ کا حکم مان کر چلتے ہیں، اسکی خوشنودی کہ طلبگار ہوتے ہیں تو اللہ بھی اپنی مخلوقات کے دل میں آپکی عزت ڈال دیتا ہے۔ زرشہ اب دائیں جانب موجود الگ تھلگ کمرہ میں موجود تھی۔ اس نے اندر آتی ہی دروازہ اندر سے لاک کیا تھا۔ لاک کرنے کے بعد وہاں موجود واحد کھڑکی کی جانب آئی تھی، اسکا پردہ گو کہ مکمل برابر تھا، پھر بھی اس نے درست کیا۔ کمرہ خاصہ کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ ہاتھروم بھی منسلک تھا۔ اس نے ہاتھروم اچھے سے چیک کیا۔ بیڈ کہ نیچے، ہر طرف اچھے سے چیک کرنے کے بعد مطمئن سی بستر پہ آ بیٹھی۔ اس نے چہرہ نقاب کی قید سے آزاد کیا۔ آزاد کرتے ہی ایک بار پھر غیر ارادی طور پر دروازہ کی طرف بڑھی، اور از سر نو اسے لاک کیا۔ کنڈی بھی چڑھائی۔ اب وہ خاصی مطمئن تھی۔ بڑی چادر اتار

Posted On Kitab Nagri

کر بستر پہ رکھی، تو نیچے لباس کہ ساتھ کا بڑا دوپٹہ موجود تھا۔ اسے اب نماز کی فکر تھی۔ وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی، جس نے اس کا معاملہ حل کیا۔ جب ہم سارے معاملات کا رخ اللہ کی جانب موڑتے ہیں تو وہ خود ہی انھیں حل کر کہ ہماری جانب موڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات پاک کو یہ شایان نہیں کہ معاملات کو بنا حل کیے ہمارے جانب لوٹائے۔ کچھ ہی وقت بعد وہ نماز ادا کرنے کے بعد فرصت سے جائے نماز پہ بیٹھی تھی۔ اپنے مستقبل اور آنے والے حالات سے انجان وہ جائے نماز پہ انگلیاں چلاتی دل کی چھوٹی چھوٹی باتیں اللہ کہ گوشگزار کر رہی تھی۔ اسے ماں کی فکر تھی، مینا کی فکر تھی۔ ٹیکسی والے انکل کی فکر تھی۔ پاکیزہ نے اسے تاکید کی تھی کہ گھر پہنچتے ہی اسے مطلع کرے۔ وہ جانتی تھی، پاکیزہ اس سے رابطہ کریں گی، اور کال کا جواب نہ پا کر نجانے ان کی طبیعت پہ کیا اثر پڑے۔ اور سب سے بڑھکر عالم، جوں ہی اسے پیغامات موصول ہوں گے، اللہ جانے، اس کا رد عمل کیا ہوگا۔ پرائے ملک میں وہ کیسے سب برداشت کرے گا؟ اور پھر دلاور شاہ، جسے وہ بڑا بھائی اور باپ مانتا ہے، جب اسے معلوم ہوگا کہ وہ اسکی بیوی کہ اغواہ میں ملوث ہے تو۔۔۔ اس کا دل کتنا دکھے گا۔۔۔ زرشہ خیالات کی رو میں یوں ہی بھٹکتی جا رہی تھی۔ جب دروازہ پہ شدید دستک ہوئی۔ یوں جیسے کوئی دروازہ توڑ ڈالنا چاہتا ہو۔ زرشہ گھبرا کر اٹھی۔ سب سے پہلے سیاہ چادر سے اپنے وجود کو اچھے سے لپیٹا، پھر دروازہ کی جانب بڑھی۔ ”کون ہے؟“ اس کی آواز خاصی مستحکم ہو چکی تھی۔ ”کھول دروازہ!“ وہ یہ آواز ہزاروں میں پہنچانے لگی تھی۔ وہ شمشیر تھا۔ زرشہ گھبرا کہ بد کی تھی۔ ”کک کیا مسئلہ ہے؟ کیا چاہیے؟“ ”لہجہ اب ہموار نہیں رہا تھا۔“ کھول دروازہ! بد چلن عورت!“ زرشہ کو یکدم ماضی اور ماضی میں رکھی گئی نا محرم سے دوستیاں یاد آئی تھیں۔ ماضی کا طعنہ چابک کی طرح سیدھا دل پہ لگا تھا۔ وہ مقابلہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئی تھی۔ کبھی کبھی ہم ہر حال میں اگلے کا مقابلہ کرتے ہیں، چاہے وہ علمی میدان ہو یا سیاسی۔ مگر جب بات پر سنل ٹیکس کی آتی ہے یا ماضی میں کئے گئے گناہوں کو یاد کروایا جاتا ہے تو

Posted On Kitab Nagri

بڑے سے بڑا تیس مار خاں بھی ہمت ہار جاتا ہے۔ اور یہ ازل سے انسانوں کا وطیرہ رہا ہے۔ جب کچھ نہیں بن پڑتا تو ذاتیات پہ اتر آتے ہیں۔ ہمارے کھلم کھلا کئے گئے گناہوں کو ڈھال بنا لیتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کرتے ہیں میری خامیوں کا تذکرہ اس طرح لوگ اپنے اعمال میں فرشتے ہوں جیسے! زرشہ کی ساری ہمت، ساری جرأت ایک ہی طعنہ میں زمیں بوس ہوئی تھی۔“ کھول دروازہ، ورنہ اپنی بیوہ ماں کا مرامنہ دیکھنے کے لیے تیار ہو جا۔“ شمشیر نے ایک اور تیر پھینکا تھا۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ آپ کہ پیاروں کو سامنے رکھ کر صبر آزما جاتا ہے۔

زرشہ نے اگلی ہی لمحہ دروازہ کھول دیا تھا۔ خود وہ ایک طرف سمٹ کہ کھڑی ہو گئی۔“ نکل باہر!“ شمشیر منہ سے کف نکالتا اسے حکم دے رہا تھا۔ زرشہ دروازہ کی اوٹ لیکر مزید سمٹ گئی۔“ میں کہتا ہوں باہر آ۔“ امیر لڑکے کو پیار کہ چکر میں پھنسا کر شادی کرتے شرم نہیں آئی، اور اب یہاں ہمارے سامنے نیک بی بی بننے کا ڈرامہ رچاتی ہے۔“ شمشیر کہ رویہ سے صاف لگ رہا تھا وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔ زرشہ کاشک تب یقین میں بدلاجب شمشیر نے اس کہ قریب آنا چاہا۔ اس کہ منہ سے آنے والی بدبو زرشہ کہ لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔“ اوہ میرے اللہ! رحم!“ بے اختیار اس کہ منہ سے پھسلا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اب وہ باہر نہ نکلی تو شمشیر اس کہ ساتھ زبردستی کرے گا، اور یہ وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی۔ زرشہ اپنے وجود کو شمشیر سے بچاتے ہوئے دروازے سے باہر نکلی تھی۔ باہر اب کی بار کوئی گارڈز بھی نہیں تھے۔ زرشہ کا دل بری طرح ڈوبا تھا۔ وہ آگے آگے چل رہی تھی، شمشیر پیچھے تھا۔ یوں جیسے اسے ہانک رہا ہو۔“ چل گھس اس کمرہ میں۔ تو اسی قابل ہے۔“ شمشیر نے اسے، گارڈز کہ کمرہ میں دھکا دیا تھا۔ وہاں چار آدمی پہلے سے موجود تھے۔ ایک ہی ٹوٹی چارپائی تھی، جس پہ وہ چاروں بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ زرشہ کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھنا چاہتے تھے لیکن شمشیر کی گرجداد آواز نے انھیں ساکن کر دیا:“ خبردار! کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ یہ نیک پروین یہیں رہے گی۔ یہ اس

Posted On Kitab Nagri

قابل نہیں ہے کہ اسے الگ سے کمرہ دیا جائے۔ ”شمشیر اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا رہا تھا۔ وہ ہوش کی دنیا کا باسی بلکل نہیں لگ رہا تھا۔ زرشہ نے کونے میں پڑی واحد لکڑی کی کرسی پہ بیٹھنا چاہا، لیکن جو نہی وہ بیٹھی، کرسی کڑاک کی آواز سے زمیں بوس ہوئی، ساتھ زرشہ بھی۔ کرسی کی ایک ٹانگ ندارد تھی۔ کپ جسکا ادراک زرشہ کوز میں پہ گرنے کے بعد ہوا تھا۔ شرمندگی چھوٹا لفظ تھا اس احساس کہ لیے جو وہ محسوس کر رہی تھی۔ بوسیدہ کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔ ”بد کردار!“ ”طوائف!“ ”بد چلن!“ ”مردوں کو اپنے عشق کہ جال میں پھنسانے والی۔“ ایسے ہی دیگر کئی القابات، وہ سب شمشیر کہ شہ پہ، اسے نوازا رہے تھے۔ ”کیا وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ کہیں گے ہم ایمان لائے اور آزمائے نہیں جائیں گے۔“ اس کہ ذہن میں ایک آیت کہ الفاظ گونجے تھے۔ وہ بھی تواب ”ایمان“ لائی تھی۔ ظاہر ہے آزمایا جانا تو بنتا تھا۔ اگر نہ آزمائی جاتی تو، ”تواصو بلحق، وتواصو بالصبر“ کا مفہوم کیسے سمجھ آتا؟ صرف کلمہ پڑھ دینے سے، یا مسلمان گھر میں پیدا ہو جانے سے کیا ہم، ”ایمان والوں“ کی فہرست میں شامل ہو جاتے ہیں؟ اللہ کہ احکامات پہ ایمان لائے بغیر بھی کیا ہم، ”مومن“ کہلوائے جاسکتے ہیں؟ ”زرشہ کہ اندر عجیب جنگ جاری تھی۔ وہ سب ہنسنے کہ بعد پھر سے تاش کہ پتوں کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔ جبکہ شمشیر زرشہ سے فاصلہ پہ وہیں دوزانوز میں پہ بیٹھ گیا تھا۔ ”وہ کہتا ہے، اپنی زینت غیر مردوں کہ سامنے ظاہر نہ کرو۔“ ”میں نے کی۔۔۔۔۔“ ”کیا میں نے اس پر ایمان لایا؟ نہیں۔۔۔۔۔“ زرشہ کہ سامنے اسکا نفس آستینیں چڑھائے چو کھڑی مارے بیٹھ چکا تھا۔ ہمہ تن گوش لگتا تھا۔ ”الٹا میں تو جینز پہن کر سب کو متوجہ کرتی رہی۔ کہ آؤ دیکھو! دیکھو میرا حسن، دیکھو مجھے، دیکھو میرے حسین بال، میرا خوبصورت چہرہ، میری پیاری آنکھیں!“ ”وہ چیخ رہی تھی۔ لیکن فرق یہ تھا کہ وہ چیخیں اس کہ نفس کہ سوا کوئی دوسرا نہیں سن پارہا تھا۔“ ”وہ کہتا ہے نامحرموں سے کھلی اور چھپی دوستیاں نہ رکھو۔“ ”میں نے مانا؟؟؟؟“ ”نہیں۔۔۔۔۔“ ”میں نے دوستیاں رکھیں، لڑکوں سے۔“

Posted On Kitab Nagri

گپیں لگائیں۔ ان سے فائدہ حاصل کیا۔ ”زرشہ کھل کہ اعتراف کر رہی تھی۔“ حرام کام کیا۔ ”نفس نے پہلی دفعہ جواب دیا تھا۔“ وہ کہتا ہے بھنوؤں کہ بال نہ اکھڑوں۔ ”میں نے مانا؟“ ”میں ایمان لائی؟“ ”میں نے سمعنا واطعنا والا رویہ اپنایا؟“ ”اب کی بار ایک اور گناہ یاد آیا تھا۔“ ”نہیں۔۔۔“ ”بلکہ میں نے تو پار لرجا کر“ ”آرچ“ کی شکل میں بھنویں بنائیں۔۔۔۔“ ”وہ کہتا رہا میری تخلیق کو بدلنے کی کوشش مت کریں۔ میں ہر بار کرتی رہی۔۔۔“ ”ایک اور اعتراف!“ ”لعنت کی مستحق ٹھہری تم تو، وہ بھی پیسہ دے کر لعنت خریدی۔۔۔۔“ ”نفس نے جواب دیا تھا۔“ ”وہاں سے حسن سلوک کا کہتا رہا۔ اور میں نے کیا کیا؟“ ”بغاوت“ ”حکم عدولی“ ”بد تمیزی“ ”کیا میں اس بات پر ایمان لائی؟ نہیں۔۔۔۔“ ”زرشہ کو ماں شدت سے یاد آئی تھی۔“ ”گناہ کیا!“ ”نفس کی پیشانی پہ گہری شکنیں نمودار ہوئی تھیں۔“ ”وہ بلاتا رہا، میں بھاگتی رہی۔ وہ فلاح کی طرف بلاتا رہا، میں حرام کی طرف دوڑتی رہی۔ تبھی تو کوئی آزمائش نہیں آئی مجھ پر۔ تبھی تو میں خوش اور مطمئن، اپنی دنیا میں مگن، من موبجی زندگی گزارتی رہی۔“ ”بھلا ایمان نہیں لاؤں گی تو آزمائی کیسے جاؤں گی؟“ ”ایمان تو اب لا رہی ہوں۔ اور دیکھو کیسے رکاوٹیں و آزمائشیں آرہی ہیں۔“ ”وہ نفس کی تائید چاہتی تھی۔ نفس سپاٹ چہرہ لیے بیٹھا رہا۔ اسے مایوسی ہوئی تھی۔“ ”کبھی ایمان، آزمائش لاتا ہے۔ تو کبھی آزمائش سے“ ”ایمان“ آجاتا ہے۔ ایمان اور آزمائش لازم و ملزوم ہیں۔“ ”وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ نفس ہنوز سن رہا تھا۔“ ”اٹھ لڑکی، کھالے۔“ ”شمشیر نے زرشہ کے سامنے شاہر پھینکتے ہوئے کہا۔ اس میں شاید چاول تھے۔ ساتھ اسٹیل کے گندے گلاس میں پانی دیا۔ زرشہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں۔“ ”کیا وہ سو گئی تھی؟“ ”نہیں ان حالات میں کیا اسے نیند آسکتی تھی؟“ ”پھر۔۔۔ کس دنیا میں چلی گئی تھی وہ؟“ ”زرشہ سیدھی ہو کر بیٹھ رہی تھی۔ اس کی چادر نے ہنوز اس کو اچھے سے لپیٹ رکھا تھا۔ اسے اب اللہ کہ خود کو ڈھانپ کر رکھنے والے حکم کی سمجھ آئی تھی۔ کتنی ہی گندی نگاہوں سے یہ چادر اسے محفوظ

Posted On Kitab Nagri

بنارہی تھی۔ گارڈز چارپائی پہ موجود تھے۔ اب شاید کھیل ختم کر چکے تھے، لہذا فرصت سے شمشیر کو دیکھ رہے تھے۔ جو چاول پھینک کہ زرشہ کو چھیڑ رہا تھا کہ اتار و نقاب اور کھاؤ۔ زرشہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی، گو کہ اسے شدید بھوک اور پیاس لگی تھی۔ صبح ہلکا ناشتہ کر کہ گھر سے نکلی تھی۔ اور تب سے اب تک بھوک پیاسی تھی۔ لیکن اس نے کھانے کو چھو اتک نہیں۔ وہ سب اب اسکا مزاق اڑا رہے تھے۔ ”کھاؤ نا کھاؤ کھاؤ۔“ ”امیر لڑکے کو بھی کھانے ہی کہ لیے پھانسانا تم نے۔“ ”اب بھی کھاؤ۔“ شمشیر اس کہ سامنے چکر لگا رہا تھا۔ زرشہ کی انگلی پہ پہنی تسبیح پہ گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔ ہاتھوں پہ پسینہ آ رہا تھا۔ کافی دیر تک اسکا مزاق اڑانے کہ بعد، وہ سب سگریٹ سلگاتے وہاں سے اٹھ کر جانے لگے۔ ”تیار رہنا!“ ”رات کو تم سے ملنے آؤں گا۔“ شمشیر نے سب کہ جانے کہ بعد اس کہ کان کہ قریب جھکتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں چھپی کمینگی اور منہ سے آتی حرام مشروب کی بوز زرشہ کو اندر سے لرزانے کہ لیے کافی تھی \$** !

خوش بخت بیگم کی طبیعت سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ شام بھی دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ ہسپتال کی راہداری میں دیوانہ وار ٹھہلتی مینا کو پیل پیل زرشہ کی فکر لاحق تھی۔ اس نے ہمسائیوں سے بھی دریافت کیا تھا، لیکن زرشہ ابھی تک چابی لینے نہیں آئی تھی۔ اب مینا ان سے زیادہ استفسار بھی نہیں کر سکتی تھی، مبادا وہ زرشہ کو لیکر پھر سے کوئی نیا اسکینڈل نہ گھڑ لیں۔ جب صورتحال قابو سے باہر ہونے لگی تو اس نے شیر و کو خدشات سے آگاہ کیا۔ شیر پہلے ہی اس معاملہ کو باریکی سے جانچ رہا تھا۔ اس نے مینا کو زرشہ کو باحفاظت واپس لانے کی یقین دہانی کروائی اور خود حویلی جانے کہ لیے نکل کھڑا ہوا۔ آتے ہوئے اس نے محلے سے ٹیکسی والے چاچا کہ گھر کا بھی چکر لگایا تھا۔ لیکن وہ بھی گھر نہیں پہنچا تھا۔ اسکا نمبر بھی مسلسل کوئی نہیں اٹھا رہا تھا۔ اب تو شیر و

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

“ان کی امی ہسپتال میں ہیں۔ میں زرشہ کو لینے آ رہا تھا جب ٹیکسی کو دیکھا تو آپکو مطلع کیا۔” شیرواب بات سنبھال رہا تھا۔ “عالم۔۔ عالم کو بلاؤ۔” پاکیزہ فقط اتنا ہی کہہ پائی تھیں، کہ کال کٹ گئی۔ شیر وکاپاکیزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگی تھی۔ پاکیزہ اب لرزتے بدن کو سنبھالتی دلاور شاہ سے ملنے جا رہی تھیں۔ ان کی اسٹڈی کہ قریب پہنچی تو دلاور شاہ کی کرخت آواز کانوں میں گونجی: “کیا بکواس کر رہے ہو؟ شمشیر کی ہمت کیسے ہوئی میری نافرمانی کرنے کی۔ میں نے کہا جو تھا کہ چھوری کو اچھا کمرہ دو۔ پھر کیوں اس نے اسے گارڈز کہ ساتھ بند کیا؟ اور تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ عالم کی بیوی ہے وہ۔۔۔ اس کہ ساتھ کچھ تو اچھا برتاؤ کرو۔” دلاور شاہ نے ذاتی آدمی کو زرشہ کی خبر گیری کہ لیے بھیجا تھا، جس نے وہاں کی صورتحال کہ بارے میں من وعن اطلاع دی تھی۔ دلاور شاہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی اکلوتی لاڈلی بہن ان سے اپنی بگڑتی حالت کہ بارے میں مطلع کرنے کہ علاوہ زرشہ کہ بارے میں دریافت کرنے آئی تھی۔ ان کہ الفاظ پاکیزہ کہ سینہ کو چھلنی کرتے گزرے۔ وہ پہلے ہی بمشکل خود کو سنبھال رہی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں، کہ ان کا بھائی، ان کا دادا سائیں، ایک معصوم یتیم لڑکی کو اغواہ کروا سکتا ہے۔ اور انھوں نے زرشہ کو عالم کی بیوی کیوں کہا؟ یہ سوچ تو انھی میرے دماغ میں تھی سائیں کو کیسے معلوم ہوا؟ ایسی دیگر بہت سی منتشر سوچوں کو یکجا کرتے، پاکیزہ نے اسٹڈی کہ دروازہ کو دھک دیا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ پاکیزہ کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ “شمشیر اگر چھوری کو تو نے ہاتھ بھی لگایا تو تیرے ہاتھ کاٹ دوں گا میں۔ فوراً دفعہ ہو جا وہاں سے۔ جب نشہ اتر جائے تو میرے پاس حاضر ہو۔” مت بھولنا کہ عالم کی بیوی ہے وہ۔ “پاکیزہ جب اندر گئی تو دلاور شاہ کی اسکی جانب پشت تھی۔ وہ اپنی ذاتی ملازم کی درگت بنا رہے تھے۔ وجہ یقیناً زرشہ تھی۔ پاکیزہ اتنا تو جان ہی چکی تھی کہ دلاور شاہ بنا تحقیق کہ بات نہیں کرتے۔ اگر وہ زرشہ کو بار بار عالم کی بیوی کہہ رہے ہیں تو اس میں کچھ تو صداقت ہوگی۔ اور پھر شیر و۔۔۔ پاکیزہ قدم قدم دلاور سائیں کی جانب

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

ہونے والی واردات کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔ اُدھر اس نے مینا کو بھی عالم کہ آنے کی اطلاع دی تھی۔ اور اسے کہا تھا کہ اماں کو یہی بتائے کہ زرشہ عالم کو لینے ایئر پورٹ گئی ہے۔ سب کچھ اتنا چانک ہو رہا تھا کہ، شیر و کہ ہاتھوں سے حالات نکل رہے تھے۔ اس کی اگلی منزل دلاور شاہ کی حویلی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شمشیر کی باتیں سننے کہ بعد زرشہ کہ پاؤں تلے سے زمیں کھسکی تھی۔ وہ بری طرح پھنس چکی تھی۔ نجانے قسمت اور حالات اسے کس جانب لیکر جانے والے تھے۔ ایسے میں اسے ایک ہی ذات کا خیال آیا تھا، جس کہ ہاتھ میں لوح و قلم تھا۔ جو لوح و قلم کا مالک تھا۔ جو جب چاہے حکم صادر فرماتا تھا۔ وہ تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تھا۔ لیکن عجیب بات یہ تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا ان حالات میں اللہ کو کیسے پکارے۔ بار بار اپنے گناہ یاد آرہے تھے۔ پھر بھی اللہ نے اس پہ کتنی مہربانیاں کی تھیں۔ اسکی عزت کی حفاظت فرمائی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب بھی اسکا پاک پروردگار اسے تنہا ان لوگوں کہ رحم و کرم پہ نہیں چھوڑے گا۔ لیکن اسے اللہ کو پکارنا تو تھا نا۔۔۔ مگر کیسے۔۔۔ کوئی فقرہ، کوئی لفظ کوئی آیت زبان پہ آ ہی نہیں رہی تھی۔ کبھی کبھی ہوتا ہے نا ایسے، ہم شدت سے خواہش رکھتے ہیں کہ اللہ کو پکاریں، لیکن مناسب الفاظ نہیں مل پارہے ہوتے۔ زرشہ کہ سامنے زمیں پہ کھانا تھا، پانی تھا۔ وہ کمرہ میں اکیلی تھی۔ کمرہ کا دروازہ بند تھا۔ ایسے کمرہ میں تو کوئی اپنی بھیڑ بکریوں کو نہیں باندھتا تھا جہاں اس وقت وہ تھی۔ بار بار سوچیں منتشر ہو رہی تھیں۔ اسے اللہ کو پکارنا تھا۔۔۔ ہاں۔۔۔ اسے پھر سے یاد آیا۔۔۔ ”یا اللہ!“ وہ ٹوٹی تھی۔“ مجھے نہیں سمجھ آ رہا تجھے کن الفاظ میں یاد کروں۔۔۔“ تجھے کیسے پکاروں۔۔۔ میری مدد فرما۔۔۔ !!! زرشہ نے ہارمانی تھی۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے اب بی پی لو ہو رہا تھا۔ نقاہت کہ سبب بار بار آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اسے سب سے زیادہ خود شمشیر کا تھا۔ اسے یاد تھا کہ شمشیر نے ایک بار پہلے بھی اسکی عزت پہ حملہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ اس سے آگے سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔۔ ”یا اللہ!“ بے بسی سے بے

Posted On Kitab Nagri

بسی تھی۔“ پاکیزہ۔۔۔۔ اسے نجانے کیوں پاکیزہ کی یاد آئی تھی۔ پاکیزہ کہ یاد آتے ہی اسے ان کہ دیے گئے تمام سبق بھی یاد آئے تھے۔“ بی بی جان مشکل وقت میں کیا پڑھا جائے؟“ اسے یاد آیا تھا ایک بار درس میں ایک پریشان حال عورت نے سوال کیا تھا۔“ وہی پڑھا جائے جو ہمارے نبی حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھا۔ وہ کلمات جو اللہ نے انہیں سکھلا دیے۔ وہی کلمات جو اللہ نے قرآن میں شامل فرمائیے۔۔۔“ زرشہ کہ ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔“ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔۔۔۔ وہ اب زیر لب دہرا رہی تھی۔ آنسو آنکھوں سے تواتر کہ ساتھ بہہ رہے تھے۔ اس نے اقرار کیا تھا۔ آنکھوں کہ آگے اپنی کوتاہیاں گھوم گئی تھیں۔ وہ شدید شرمندہ ہوئی تھی۔“ تیری ذات پاک ہے۔۔۔۔ گناہوں کا اعتراف اور اللہ کی ذات کی پاکیزگی کا اقرار، انسان کو اندر تک دھو ڈالتا ہے۔ زرشہ کہ بدن پہ روٹے کھڑے ہوئے تھے۔“ بے شک میں قصور وار ہوں۔۔۔۔ زرشہ کی ہچکی بندھی تھی۔ وہ بار بار اپنے گناہوں، اپنے نفس کہ ہاتھوں اپنی ذات پہ کیے گئے مظالم، کا اقرار کر رہی تھی۔“ بے شک میں ہی ظالم ہوں۔۔۔۔ اللہ کی نافرمانیاں یاد آئی تھیں۔“ بے شک میں ہی خطا کار ہوں۔۔۔۔“ میں ہی ہوں جو غلطیاں کرنے والی ہے۔۔۔“ تیری ذات تو پاک ہے، ہر عیب سے، گناہ سے، غلطی سے، ظلم سے۔۔۔“ ظالم میں ہوں، گناہ گار میں ہوں، سیاہ کار میں ہوں۔۔۔ زرشہ کی سیاہ چادر آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔ گو کہ کمرہ میں کوئی نہیں تھا، پھر بھی اس نے نقاب کر کہ چادر کو کس کہ پکڑ رکھا تھا۔ وہ بار بار یہی دعا دہرا رہی تھی۔ دل سے اقرار کر رہی تھی۔ اسے یاد آیا تھا پاکیزہ کہا کرتی تھی کہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام یہ دعا مچھلی کہ پیٹ میں نہ پڑھتے تو اس وقت تک وہیں رہتے جب تک لوگ قیامت کہ دن زندہ کر کہ اٹھائے جائیں گے۔

اف اللہ۔۔۔ تب بھی زرشہ کہ منہ سے یہی نکلا تھا۔ اور یاد آتے ہی اب بھی اس کہ بدن میں سنسنی دوڑی تھی۔ کتنی طاقتور دعا تھی نایہ۔۔۔۔ جس میں اللہ کی وحدانیت اور پاکی کا اقرار تھا، اپنے گناہوں کا اقرار تھا۔ یہ ایک طرح سے

Posted On Kitab Nagri

استغفار کا خوبصورت ترین طریق تھا۔ جوں جوں شام ڈھل رہی تھی، زرشہ کی زباں کی حرکت تیز ہوتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دلاور شاہ پاکیزہ کی جانب دوڑے تھے لیکن تب تک وہ زمیں پہ گر چکی تھیں۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر ملازموں کو آوازیں لگا رہے تھے۔ ان کہ ہاتھ پہلی دفعہ کانپے تھے۔ وہ کب سے خود کو پاکیزہ سے جدائی کے لیے تیار کر رہے تھے، لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جب ان کی اکلوتی بہن یوں ان کے سامنے گری پڑی ہوگی تو وہ آپے سے باہر ہو جائیں گے۔ وقت کی رفتار بھلا کہاں تھمتی ہے؟ پاکیزہ کو جلد از جلد ہسپتال منتقل کروادیا گیا تھا۔ وہ آنی سی یو میں تھیں۔ ان کے اپنے ڈاکٹر ہی ان کا علاج کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے مطابق گہرا صدمہ تھا۔ وہ بار بار دلاور شاہ سے استفسار کر رہے تھے کہ جب آپ سب کو معلوم تھا پاکیزہ کی حالت و بیماری کہ بارے میں تو انھیں کس طرح اتنا گہرا صدمہ پہنچایا گیا کہ وہ اس حالت کو پہنچ گئیں۔ مرنے سے پہلے مرنے جا رہی ہیں؟ شیر وجہ حویلی پہنچا تو ایک دلخراش خبر نے اسکا استقبال کیا۔ اس نے عالم کہ نمبر پہ میسج چھوڑا تھا۔ شام رات میں داخل ہو چکی تھی۔ شمشیر اس قدر نشے میں دھت تھا کہ اس پہ دلاور شاہ کی تنبیہ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ وہ اب لڑکھڑاتا ہوا زرشہ کے کمرہ کی جانب گاڑن تھا۔ گارڈز تقریباً سوچکے تھے۔ موقع اچھا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو زرشہ کو وہیں اسی جگہ اسے سمٹا ہوا پایا۔ اسے دیکھکر زرشہ کی روح گو یا حلق میں اٹک گئی۔ اس نے داخل ہوتے ہی اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔ زرشہ کے ہاتھوں پہ اب پسینے آرہے تھے۔ “La iLaha iLLa Anta SubHanaka iNNi Kuntu Minaz Zalimin لاَ إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

www.kitabnagri.com

Posted On Kitab Nagri

وہ مسلسل یہی پڑھ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اٹھ کر بھاگ جائے۔ لیکن ایک تو اٹھنے کی ہمت نہیں تھی اور دوسرا دروازہ پہ شمشیر قابض تھا۔ ”کیوں چھوری۔۔۔“ بول کر گیا تھا نا کہ آؤں گا۔۔۔ شمشیر اس وقت بلکل بھی اپنے آپ میں نہیں تھا۔ وہ ڈولتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ زرشہ اب باواز بلند دعا پڑھ رہی تھی۔ اس کا خوف شمشیر کو مزید طاقتور بنا رہا تھا۔ زرشہ نے سامنے پڑا گلاس اس کی جانب اچھالا تھا۔ پانی جب شمشیر کے چہرہ پہ پڑا تو وہ کمینہ سا مسکرایا۔ ”اچھا ہے۔۔۔ مجھے پسند آئے تیرے لچھن۔۔۔“ اس پہ جیسے کچھ اثر ہی نہیں کر رہا تھا۔ ادھر شیر و دلاور شاہ کے پاس ہسپتال پہنچ چکا تھا۔ وہ پاکیزہ کو لیکر بہت پریشان لگتے تھے۔ انھیں زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ ان کی وجہ سے انکی بہن موت سے پہلے مر رہی ہے۔ انھیں رہ رہ کہ خود کو غصہ آرہا تھا۔ ”نجانے پاکیزہ نے کیا سنا۔ اگر عالم کو پتہ چل گیا تو۔۔۔ نہیں نہیں وہ عالم کی نگاہوں میں کبھی گرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ بھی اس طور کہ اُس کی ایک بیوی انھیں نے اغواء کر دوائی اور دوسری اس وقت زندگی اور موت کے مابین جھول رہی ہے۔“ جب دوسروں کی بہنوں کے ساتھ ایسا کر تو اپنی بہن کو ضرور یاد رکھو۔۔۔ شیر و دلاور کے سامنے آتے ہی غصہ سے ابلتے ہوئے کہا تھا۔ دلاور شیر و کو جانتا تھا۔ لیکن وہ یوں، یہاں پہنچ جائے گا، اس کا انھیں اندازہ نہیں تھا۔ اگر شیر و سب جان گیا تو مطلب عالم سب جان گیا۔ اگر عالم جان گیا تو وہ دلاور شاہ سے نفرت کرے گا۔ پاکیزہ کے بعد وہ اسے بھی کھودیں گے۔ اور یہ وہ کسی صورت نہیں چاہتے تھے۔ انھیں عالم سے محبت تھی۔ ”پاکیزہ اس وقت جس حال میں ہے تمھاری بہن کی وجہ سے۔۔۔ اس نے اپنی اور عالم کی شادی کے نجانے کیا قصے میری بہن کو سنائے کہ وہ برداشت نہیں کر پائی۔ اور دیکھو۔۔۔ وہ آج کہاں آگئی۔“ دلاور شاہ نے خود کو سنبھالتے اذلی روکھے لہجہ میں کہا تھا۔ ”زرشہ کہاں ہے؟ اگر اس کے ساتھ کچھ بھی غلط ہوا نا تو جان رکھو کہ عالم سے پہلے تمھیں میرا سامنا کرنا ہو گا۔“ شیر و کہ دماغ کی نسیں ابھر آئی تھیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا دلاور کا

Posted On Kitab Nagri

منہ نوچ لے۔“ تمھاری بہن اور عالم شاہ کی بیوی کو پر وٹو کول کہ ساتھ حویلی میں رکھا گیا ہے۔ جو اسکی جگہ ہے۔” دلاور شاہ نے ایک اور پتہ پھینکا تھا۔ وہ شیر و کو سنا کر رکے نہیں تھے بلکہ ایک سائیڈ پہ نکل آئے تھے۔ شیر و سے دور آتے ہی انھوں نے اپنے ذاتی محافظ کو فون کیا تھا۔“ چھوری کو وہاں سے نکال کر حویلی پہنچو۔ فوراً۔” انھوں نے ہدایت دینے کہ بعد فون بند کیا تھا۔ اس کہ بعد انھوں نے جو جھوٹ بولا تھا اسے کور کرنے کہ لیے سارے اقدامات بھی فون پہ ہی سرانجام دے دیے۔ وہ اب خاصے مطمئن نظر آتے تھے۔ یہی تو دلاور شاہ تھا۔ ایک عظیم سیاست دان! کالر درست کرتے واپس اپنی جگہ پہنچ چکے تھے۔ جبکہ شیر و اب وہاں نہیں تھا۔ وہ یقیناً حویلی گیا تھا۔“ تم سے پہلے تمھاری بہن پہنچے گی۔” دلاور شاہ نے اسکی پشت دیکھ کر قہقہہ لگایا تھا۔

----- شمشیر اب زرشہ کہ سر تک پہنچ گیا تھا۔ زرشہ کی چیخیں فلک میں شکاف کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وہ چیخوں کہ درمیان بھی دعا کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ شمشیر زرشہ کی چادر پہ ہاتھ ڈالتا، اس کہ پیچھے کوئی جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس کہ سر اور منہ پہ پے در پے مکے برسائے، شمشیر اس اچانک حملہ کہ لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی نشے میں چور تھا، حالیہ ہوئی تواضع اسے زمیں بوس کرنے کہ لیے کافی ثابت ہوئی تھی۔“ چلو بہن! حویلی چلو۔ دلاور سائیں کا حکم ہے۔ انھیں پتہ چلا کہ تمھیں یہاں رکھا گیا ہے تو انھوں نے تمھیں بچانے کہ لیے ہمیں بھیجا۔ تم عالم شاہ کی بیوی ہو۔ ہم سب کی بھابھی ہو۔ اور دلاور سائیں اپنی بھابھی کی عزت کرنا اور کروانا اچھے سے جانتے ہیں۔“ آنے والے آدمی نے زرشہ کو اعتماد میں لیا تھا۔“ مم مجھے گھر جانا ہے۔” زرشہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔“ پہلے وہاں چلیں، پاکیزہ بی بی آپکا ہی انتظار کر رہی ہیں۔” اس نے ایک اور پتہ پھینکا تھا۔ اب تو زرشہ کہ پاس انکار کا جواز ہی نہیں تھا۔ وہ آدمی زرشہ کو باحفاظت حویلی لایا تھا۔ زرشہ کا بدن ہنوز تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اسے اللہ نے کس مشکل سے بچایا تھا اسکا اندازہ صرف وہی کر سکتی

Posted On Kitab Nagri

تھی۔ واقعی یہ دعاندھروں سے نکال کر روشنی میں لاتی ہے۔ زرشہ نے بے اختیار سوچا تھا۔ بس فرق صرف ہمارے پکارنے اور تڑپ کا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی۔ حویلی پہنچتے ہی اسے ایک صاف ستھرے اور ہوادار کمرہ میں ٹھہرایا گیا۔ اس کہ پہنچتے ہی رضیہ بھی وہاں پہنچ گئی۔ وہ اس کہ لیے نیا لباس اور کھانا لائی تھی۔ زرشہ نے اس سے ایک دو سوال کیے لیے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ”بی بی جی کھانا کھالیں۔ پھر آپ کو پاکیزہ بی بی نے یاد کیا ہے۔“ وہ اپنی سنا کر نکل گئی تھی۔ زرشہ نے فوراً سے دروازہ لاٹ کیا تھا۔ پہلے باتھ روم جا کر وضو کیا۔ وضو کرنے سے جہاں جسم پاک ہوتا ہے وہیں روح میں بھی تمنائیت گردش کرتی ہے۔ اسے اپنا آپ ہلاکھا لگ رہا تھا، یوں جیسے کسی بڑی جنگ سے کامیاب لوٹی تھی۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔ وہ صبح سے بھوک تھی۔ جسم کو غذاملی تو منہ سے بے ساختہ الحمد للہ نکل گیا۔ کھانے سے فراغت کہ بعد وہ اپنی قضا ہوئی نمازیں پوری کرنے کی غرض سے اٹھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شیر وقت پر حویلی پہنچا۔ زرشہ کی بابت اسے یہی بتایا گیا کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے کمرہ میں آرام کر رہی ہے۔ شیر و نے جس سے بھی دریافت کیا اس نے یہی کہا کہ وہ کب سے حویلی میں ہی ہے۔ شیر و نے پاکیزہ کی ساری صورتحال عالم کو میسج کر دی تھی۔ وہ اب زرشہ سے ملکر خود کو تسلی دینا چاہتا تھا۔ اس نے دروازہ بجایا تو زرشہ نے کھولنے سے پہلے باہر والے کی شناخت کہ بارے میں پوچھا۔ ”بھابھی میں شیر و!“ زرشہ کی جان میں جان آئی۔ اس نے چادر درست کی، خود دروازہ کی اوٹ لیکر کھڑی ہوئی، اور دروازہ واکیا۔ ”بھابھی ٹھیک ہیں آپ؟ آپ کہ ساتھ انھوں نے کچھ ایسا ویسا۔۔۔ میرا مطلب ہے کوئی بد تمیزی وغیرہ۔۔۔ شیر و مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں جھکی تھیں۔“ نن نن نہیں۔۔۔ بھائی! ایسا کچھ نہیں۔۔۔“ زرشہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کیا بتائے اور کیا نہیں۔ اسے بس عالم چاہیے تھا۔“ عالم آرہا ہے۔“ شیر و نے گویا زرشہ کہ تیز تیز دھڑکتے دل کو نہی تان سے نوازا تھا۔ وہ اب کسی اور ہی لے پے دھڑک

Posted On Kitab Nagri

رہا تھا۔“ آآ آپ پ پ۔۔ چلیں میرے ساتھ۔ آپ کہ گھر۔۔“ شیر و نے راستہ چھوڑ کر زرشہ کو پیشکش کی تھی۔“ بی بی کا گھر یہی ہے۔ وہ عالم شاہ کی بیوی ہیں زہارے لیے قابل احترام اور معزز ہیں۔ دلاور سائیں کا حکم ہے، جب تک عالم سائیں نہیں آتے یہ یہیں رہیں گی۔“ رضیہ جو نجانے کب سے ان کی گفتگو سن رہی تھی، مداخلت کرتی گویا ہوئی، اس کی آواز میں التجا سے زیادہ رعب تھا۔ دبدبہ تھا۔ شیر و کچھ کہنے کہ لیے لب واکرنا ہی چاہتا تھا کہ زرشہ نے ہاتھ کہ اشارہ سے اسے روکا اور جانے کا اشارہ کیا۔ وہ قطعاً نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے شیر و کسی مشکل میں آئے۔“ اماں کو تسلی دیجیے گا۔ میں اپنے گھر میں ہوں۔“ زرشہ نے رضیہ کو دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ اس کہ لہجہ میں بھی رعب تھا۔ مالکانہ طرز اپنایا تھا۔ شیر و سر ہلاتا وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس کا رخ اب مینا کی جانب تھا۔ مینا نے میسج پہ اطلاع دی تھی کہ اماں اب خطرہ سے باہر ہیں۔ انھیں روم میں شفٹ کیا گیا ہے۔ زرشہ کہ بارے میں شیر و نے اسے پہلے ہی تسلی دے دی تھی، یہاں تو سب ٹھیک ہو رہا تھا لیکن پاکیزہ۔۔ ان کی حالت بگڑ رہی تھی۔ دلاور شاہ نے ہر طرح کہ حالات کہ لیے نہ فقط خود کو تیار کر لیا تھا بلکہ انتظامات بھی مکمل تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ دو گھنٹے بعد: شیر و عالم کو لیکر ایئر پورٹ سے سیدھا ہسپتال لایا تھا۔ اسے پاکیزہ کہ بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔ شیر و نے اسے زرشہ کو لیکر مطمئن کیا تھا۔ عالم پورا وقت خاموش رہا تھا۔ نجانے کون سا طوفان ان سب کا منتظر تھا۔ شیر و عالم کو دیکھ کر بار بار یہی سوچ رہا تھا۔ اسے عالم کی خاموشی سے خوف آرہا تھا۔ جلد ہی وہ لوگ ہسپتال پہنچ گئے۔“ میری بیوی کو اگر کچھ ہوا تو دلاور شاہ۔۔۔ یاد رکھنا۔۔۔ میں بھول جاؤں گا کہ ہمارا کوئی رشتہ بھی ہے۔“ عالم نے آتے ہی دلاور کا گریبان پکڑا تھا۔ دلاور شاہ کہ مسلح گارڈز نے مداخلت کرنا چاہی لیکن دلاور شاہ نے انھیں ہاتھ کہ اشارہ سے روکا تھا۔“ بھول تو تم اس وقت ہی گئے تھے مجھے جب دوسری شادی کی تم نے، پاکیزہ کی اس حالت کا ذمہ دار تم ہو۔ اور تمہاری بیوی زرشہ ہے۔ وہی

Posted On Kitab Nagri

کبھی دنوں سے بھیس بدل کر پاکیزہ کہ درس میں شرکت کہ لیے آرہی تھی۔ نجانے میری معصوم بہن کو کیا کیا بتاتی رہی کہ اس کی حالت بگڑتے بگڑتے آج اس نہج پر پہنچ گئی۔ آج اس نے جان بوجھ کر پاکیزہ کی ملازماؤں کو رخصت دی۔ اور خود پاکیزہ کو پٹیاں پڑھاتی رہی۔ وہ حویلی پہ اپنا حق جتا رہی تھی۔ اس کی گفتگو ملازماؤں نے بھی سنی۔ اس کی چیخ و پکار کہ سب شاہد ہیں۔ وہ تو شکر کہ میں نے اسے گرفتار کروایا، ابھی بھی اسے نظر بند کر رکھا ہے ورنہ وہ تو نجانے مزید کتنا نقصان پہنچانے والی تھی۔۔۔۔۔!!!!!! ”دلاور سائیں نے عالم کو دھکا دیکر پیچھے کیا تھا۔ کالرد درست کرتے وہ اب اسے صورتحال کا الگ ہی زاویہ دکھا رہے تھے۔“ زرشہ حویلی میں روز آتی تھی اور مجھے نہیں بتایا اس نے۔۔۔ ناممکن۔۔۔“ عالم اب دلاور کو جواب دے رہا تھا۔“ زرشہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔ وہ پاکیزہ کو جانتی تک نہیں۔ اس سے ملی نہیں۔ وہ کیسے سب کر سکتی ہے؟ اور اسے حویلی کہ حق سے کیا مطلب جب میں اسے شہر والا گھر دے رہا تھا؟“ عالم دلاور سے زیادہ خود کو مطمئن کر رہا تھا۔“ اگر میں ثابت کر دوں کہ زرشہ روز حویلی مہ فقط آتی رہی بلکہ پاکیزہ کہ کمرہ میں اس سے کئی کئی گھنٹے گفتگو کرتی رہی۔۔۔ پھر؟“ دلاور شاہ کا انداز جارحانہ تھا۔“ ناممکن!“ عالم اب قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔ شیر و آگے بڑھ کر عالم کو بتانا چاہتا تھا۔“ اگر ایسا ثابت ہو اتو اسے چھوڑ دو گے؟“ دلاور نے ایک اور پتہ پھینکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ عالم اپنے الفاظ کا پکا ہے۔ اگر اب اس نے ہاں کہہ دی تو سمجھو زرشہ اسکی زندگی سے فارغ ہو گئی۔ ادھر زرشہ بیٹھی عالم کا انتظار کر رہی تھی۔“ ابھی تک تو انھیں میرے پاس ہونا چاہیے تھا۔ وہ آئیں اور انھیں میں دلاور شاہ کی حقیقت بتاؤں۔“ زرشہ کمرہ میں ٹہلتے مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔“ شیر و اب عالم کہ پاس کھڑا اس کا بازو دبا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زرشہ وہاں جاتی رہی۔ اگر اب عالم کہ منہ سے کچھ الٹا سیدھا نکل گیا تو۔۔۔ اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔“ عالم!“ شیر و نے اس کہ کان میں سرگوشی کی تھی۔“ بھائیوں کہ بیچ مت آؤ تم لڑکے۔“ دلاور سائیں کو غصہ آیا

Posted On Kitab Nagri

تھا۔ ”آپ سے بڑھکر یہ میرا ہمدرد اور بھائی ہے۔ ”عالم نے شیر و کا دفاع کیا تھا۔“ عالم! یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ ” شیر و نے عالم کہ کان میں سرگوشی کی تھی۔ حقیقت سنتے ہی عالم کہ پاؤں تلے سے زمیں کھسکی تھی۔ وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کی دنیا تہہ و بالا ہو چکی تھی۔ یوں جیسے جسم سے روح نکل کر گلے میں اٹک گئی تھی۔ زرشہ کو لیکر اس نے نجانے کیا کیا خواب سجائے تھے، کیا کیا قول اقرار کیے تھے، اور اب۔۔۔۔ زرشہ نے کیا کر دیا تھا۔۔۔؟؟؟ عالم وہاں رکا نہیں تھا، بلکہ شیر و سے چابی چھینتا ہوا باہر بھاگا تھا۔ شیر و بھی اس کہ پیچھے بھاگا تھا لیکن تب تک عالم گاڑی اڑاتا ہوا نکل گیا تھا۔

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

www.kitabnagri.com

www.kitabnagri.com آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، اریٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی ای میل کریں۔

samiyach02@gmail.com

Posted On Kitab Nagri

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

samiyach02@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

(کاپی پیسٹ کرنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ کرنے والے کہ خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔)

عالم ہسپتال سے سیدھا حویلی آیا تھا۔ اس کا رخ اب زرشہ کہ کمرہ کی جانب تھا۔ غصہ سے اس کا دماغ کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا جہاں کو آگ لگا دے۔ پل پل اس کا فیت میں گزر رہا تھا۔ اوپر سے پاکیزہ کی لمحہ بہ لمحہ بگڑتی حالت، اسے موت والی افیت سے دوچار کر رہی تھی۔ کمرہ کا دروازہ بارہا کھٹکھٹانے کہ بعد اب وہ دروازہ کھول کر سیدھا اندر داخل ہوا تھا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس نے واشروم بھی چیک کیا تھا، وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ عالم کا پارہ اب آسمان کو چھو رہا تھا۔ وہ زرشہ کو صدائیں لگاتا حویلی میں بھاگ رہا تھا۔ اسکی آواز سن کر ملازم بھاگ بھاگ پہنچے تھے۔ ”زرشہ کہاں ہے؟“ ”عالم سب سے مخاطب تھا۔“ ”وہ۔۔۔ جی، وہ زرشہ بی بی۔۔۔“ ایک ملازم نے ہکلاتے ہوئے بات کی شروعات کی تھی۔ ”کیا یہ وہ۔۔۔ وہ یہ۔۔۔ لگا رکھا ہے؟ کہاں ہے زرشہ؟ سیدھے سے جواب دو۔“ ”عالم کا غصہ غلط جگہ نکل رہا تھا۔“ ”وہ جی۔۔۔ بی بی جی پاکیزہ بی بی کہ کمرہ۔۔۔۔“ ”آدھی بات ملازمہ کہ منہ میں ہی تھی کہ عالم دیوانہ وار پاکیزہ کہ کمرہ کی جانب بھاگا۔“ ”بی بی جی رک جائیں۔ ایسا مت کریں۔ پاکیزہ بی بی کی چیزوں کو ہاتھ مت لگائیں۔ ان کہ کمرہ کی کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ آپ اپنی حد سے

Posted On Kitab Nagri

نکل رہی ہیں۔۔۔!!!!!! ”رضیہ زرشہ کو پاکیزہ کہ کمرہ کی تلاشی لینے سے روک رہی تھی۔ عالم جو نہی وہاں پہنچا سامنے کا منظر اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ زرشہ نے پاکیزہ کہ کمرہ کا حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا۔“ مجھے میری خدمت سکھاؤ۔ حدود تم اپنی متعین کرو۔ میں عالم شاہ کی بیوی ہوں۔ زرشہ عالم شاہ ہوں۔ سمجھی۔۔۔ اور مجھے یہاں کی ہر چیز پہ اتنا ہی اختیار ہے جتنا پاکیزہ کو۔۔۔۔۔“ ”زرشہ کہ ہاتھ پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے کام کر رہے تھے۔ وہ اس بات سے قطعی انجان تھی کہ رضیہ نے عالم کی آمد نہ فقط محسوس کی تھی بلکہ اسے دیکھتے ہی پتلی گلی سے نکل بھی گئی تھی۔ زرشہ کی عالم کی جانب پشت تھی۔“ بڑی آئی مجھے حدود سکھانے والی۔۔۔۔۔“ ”زرشہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔“ ”زرشہ۔۔۔۔۔“ ”رضیہ کہ جاتے ہی عالم دھاڑا تھا۔ اور تب نہ صرف زرشہ کہ تیز تیز کام کرتے ہاتھوں کو بریک لگی تھی بلکہ اس کی سانسیں بے اختیار دھیمی پڑتے پڑتے بالآخر رفتار کھونے لگی تھیں۔ اس کہ ہاتھوں سے کاغذات فرش پہ گرے تھے۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ دور سے ہی عیاں تھی۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہیں پتھر کی مورتی بن گئی تھی۔ عالم اب قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں فاصلہ کم ہو رہا تھا، زرشہ عالم کہ وجود سے اٹھتی مہک کو اندر اتارتی بے خود ہو رہی تھی۔ وہ عالم کہ قدم گن رہی تھی۔ جو نہی عالم اس کہ سر تک پہنچا وہ مڑ کر اس کہ سینے سے لگنا چاہتے تھی۔ اسے احوال سنانا چاہتی تھی۔ دل میں ٹھاٹھے مارتے محبت کہ سمندر کی گہرائی کہ بارے میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اسے عالم کی یاد نے کتنا ستایا، اس نے عالم کہ اور اپنے گھر کو لیکر کیا کیا سوچا۔ وہ سب بتانا چاہتی تھی۔ وہ عالم کہ سامنے کھل کر اپنی محبت کا اقرار کرنا چاہتی تھی۔ وہ عالم کہ خون کہ رشتوں کی حقیقت اس پر عیاں کرنا چاہتے تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ جذبات پہ قابو پاتے وہ عالم کی جانب پلٹی، عالم نے اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹا تھا۔ اور عالم وہیں رکنا نہیں تھا بلکہ گھسیٹتے ہوئے اسے وہاں سے لیجا رہا تھا۔ زرشہ یک ٹک عالم کو دیکھ رہی تھی۔ عالم۔۔۔ یہ اسکا عالم شاہ تو نہیں تھا۔ یہ تو کوئی اور تھا۔ عالم کہ ہاتھ سرد ہو

Posted On Kitab Nagri

رہے تھے۔ اس کہ وجود کی ٹھنڈک زرشہ کی رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی۔ اسے تو عالم کا لمس یاد تھا، اس کہ وجود کی حدت سے وہ آشنا تھی۔ لیکن یہ۔۔۔ یہ تو کوئی اور تھا۔ یوں جیسے کوئی مردہ ہو۔ بالکل ٹھنڈا۔ ہر جذبات، احساسات سے عاری۔ عالم ویسا ہی تھا بالکل۔ ہر احساس سے عاری۔ ہر جذبے سے بے نیاز۔ اس نے زرشہ کو اس کہ کمرہ میں لا کر بستر پہ پٹھا تھا۔ رضیہ و دیگر ملازموں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ عالم نے اپنے پیچھے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ سب اب دروازہ کہ دائیں بائیں کھڑا ہو کر اندر سے آنے والی آوازوں پہ کان لگائے کھڑے تھے۔ ”تمھاری جرأت کیسے ہوئی پاکیزہ کہ کمرہ میں جانے کی؟ اور ان کہ کمرہ کی ایسی حالت کرنے کی اجازت کس نے دی تمھیں؟ کیا سمجھتی ہو خود کو؟ میری بیوی ہونے سے تمھیں ہر جائز و ناجائز حرکت کرنے کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے؟ میرے پیٹھ پیچھے تم حویلی آئی تھی؟ تم پاکیزہ سے ملتی رہی ہو؟“ عالم اب بستر پہ گری زرشہ کہ سر تک پہنچا تھا۔ اس نے ایک پاؤں جو توں سمیت بستر پہ رکھا تھا۔ گٹھنے پہ کہنی کہ بل جھکتے ہوئے وہ زرشہ سے استفسار کر رہا تھا۔ زرشہ عالم کی آنکھوں میں موجود سرخی اور سختی سے اندر تک کانپ گئی تھی۔ عالم اس سے پہلے اس کہ اتنا قریط کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ جتنا اس کہ قریب سے اس سے کئی گنا زیادہ دور ہو چکا تھا۔ اس کا اندازہ اسے تب ہو جب عالم نے پھر سے سر دپڑتے ہاتھوں سے اس کہ بازوؤں کو بری طرح جھنجھوڑا تھا۔ ”کچھ پوچھ رہا ہوں میں؟ تم پاکیزہ کو پہلے سے جانتی تھی، ان سے تمھاری ملاقات پہلے ہوتی رہی ہے؟“ عالم کی تفتیش جاری تھی۔ زرشہ کی آنکھیں گویا پتھر ا گئی تھیں۔ ”جج جی۔۔۔۔۔“ تھوک نگلتے کی زباں سے بے اختیار پھسلا تھا۔ ”کتنا مان تھا مجھے تم پہ، کتنا اعتبار تھا۔ سب برباد کر دیا تم نے،۔۔۔ سب کچھ۔۔۔ تم سے ثابت کر دیا کہ تم میرے لائق ہو ہی نہیں۔۔۔ تم اس عزت اُس محبت کہ لائق ہو ہی نہیں جو میں تمھیں دینا چاہتا تھا۔۔۔۔۔“ ”زشہ کہ منہ سے اقرار سنتے ہی عالم تڑپ کر پیچھے ہٹا تھا۔ وہ اب وہیں زرشہ کہ عین سامنے کھڑا اس پر برس رہا تھا۔ زرشہ کی بائیں آنکھ سے ایک آنسو نکل کر گال پہ

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

سامنے کھڑا ہو کر آپ نے میری لاج رکھی تھی۔ اور آج اپنے گھر میں کھڑے ہو کر آپ مجھے اس طور ذلیل کر رہے ہیں۔) زرشہ کی نگاہوں میں یاسیت تھی، دکھ تھا، امیدیں ٹوٹ جانے کا غم تھا۔ ”کچھ پوچھ رہا ہوں میں۔۔۔؟؟؟“ ”عالم نے ایک بار پھر زرشہ کو بازو سے پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑا تھا۔ اس اچانک حملہ کے لیے زرشہ بالکل تیار نہیں تھی۔ نتیجتاً وہ بمشکل گرتے گرتے سنبھلی۔“ ”ہاں گئی تھی، ایک بار نہیں تین بار۔۔۔ تین بار گئی تھی میں وہاں۔۔۔۔۔“ ”عالم کہ رویہ کہ بعد اسکی یہ والی حرکت زرشہ کہ صبر کو لگا رکھی تھی۔ وہ ملازموں کے سامنے زرشہ کی اس طرح بے عزتی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے کوئی اختیار نہیں تھا کہ بنا بیوی کی بات سننے دوسروں کی سنی سنائی پہ یقین کر لیتا۔ اسے کوئی حق نہیں تھا کہ بیوی کو اس کو چور ثابت کرتا۔ اسے یہ چاہیے تھا کہ آکہ زرشہ کو سنے۔ زرشہ نے اسے کتنے میسجز کیے تھے۔ عالم نے آکر ایک بار بھی اس سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا؟ ٹھیک ہے پاکیزہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔ لیکن زرشہ۔۔۔۔۔؟؟؟ وہ بھی زندگی اور موت کے مابین جھول رہی ہے نا؟ اسکی ماں اور بہن کی بھی تو یہی حالت ہوئی ہے نا؟ پھر کیوں عالم شاہ کو زرشہ احسان علی نظر نہیں آئی۔ یا پھر زرشہ پاکیزہ کہ سامنے اتنی پیچ اور اتنی پیچ ہے کہ وہ نظر آ ہی نہیں سکتی۔۔۔؟؟؟؟،،، زرشہ کہ دماغ میں عجیب جنگ جاری تھی۔ اس کی بات سننے کے بعد عالم کا پارہ مزید چڑھا تھا۔“ ”زرشہ۔۔۔ اور کتنی سچائیوں سے آج پردہ اٹھیں گے؟ کتنا گروگی آج میری نگاہوں میں؟“ ”عالم کہ لہجہ میں بلا کا کرب پہناتا تھا۔“ ”سائیں کمرہ کی تلاشی۔۔۔؟؟؟؟؟“ ”رضیہ نے ایک بار پھر مداخلت کی تھی۔ زرشہ خود رضیہ کو روکنا چاہتی تھی، لیکن یہ سوچ کر چپ ہو گئی کہ چاہے جو ہو جائے، عالم شاہ اس کی اتنی توہین نہیں ہونے دے گا، کہ اسے چور سمجھ کر تلاشی کی جائے۔ زرشہ کا مان ہنوز قائم تھا۔“ ”لو۔۔۔ تلاشی۔۔۔۔۔!!!!“ ”عالم نے زرشہ کی آنکھوں میں آنکھیں جمائے، چبا چبا کر الفاظ ادا کیے تھے۔ عالم کی بات سننے کے بعد زرشہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اسکا سر بری طرح

Posted On Kitab Nagri

چکرایا تھا۔ وہ بے اختیار بیڈ کہا سہارا لیکر بیٹھی۔ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ عالم نے بے اختیار آگے بڑھنا چاہا تھا۔ زرشہ بے اس کی نیت بھاںپتے ہوئے ہاتھ کہ اشارہ سے اسے وہیں رکنے کے لیے کہا تھا۔ ”واقعی! عالم شاہ! آج آپ نے بتا ہی دیا کہ میں زرشہ احسان علی تھی اور زرشہ احسان علی ہی رہوں گی۔“ زرشہ کہ لہجہ میں زمانے بھر کا دکھ تھا۔ عالم ٹڑپا تھا۔ ”سائیں! سائیں! یہ رہے میری بی بی کہ سارے کائنات۔۔۔“ رضیہ نجانی کہاں سے دو فائلیں اٹھائے بھاگتی ہوئی عالم شاہ کہ پاس آئی تھی۔ عالم نے رضیہ کہ ہاتھوں سے فائلیں جھپیٹی، اور ان کا معائنہ کیا۔ جوں جوں وہ معائنہ کر رہا تھا، اسکی نگاہیں مسلسل زرشہ کا طواف کرنے میں مگن رہیں۔ عالم کی نگاہوں میں افسوس تھا۔ کچھ کھو جانے کا دکھ تھا۔ بھروسہ ٹوٹ جانے کا درد تھا۔ زرشہ مسلسل زخمی سا مسکرا رہی تھی، اور اس کی مسکراہٹ میں کچھ بہت عجیب سا تھا۔ ”اچھا نہیں کیا تم نے زرشہ۔ بالکل اچھا نہیں کیا۔ تمہارا جو مقام ہے، تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والی ہو۔۔۔ فکر مت کرو۔۔۔“ عالم جاتے جاتے زرشہ کو تنبیہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ اس کہ انداز میں عجلت تھی۔ وہ نجانی کب کا چلا گیا لیکن زرشہ وہیں، اسی مقام کو گھورے گئی جہاں کچھ وقت پہلے تک وہ کھڑا تھا۔ اسکا مجازی خدا!۔۔۔۔۔۔ خوش بخت ہسپتال سے گھر آگئی تھیں۔

شیر و نے انکی زرشہ سے بات کردائی تھی۔ زرشہ نے انھیں باور کروایا تھا کہ عالم اچانک واپس آگیا۔ جسکی وجہ سے وہ حویلی سے سیدھا ایر پورٹ چلی گئی۔ اب حویلی میں ہی ہے۔ اپنے شوہر کہ ساتھ۔ انھیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زرشہ نے انھیں یہ بھی بتایا تھا کہ جلد ہی وہ دونوں ان کہ پاس چکر لگانے والے ہیں۔ خوش بخت اب پوری طرح مطمئن ہو چکی تھیں۔ ادھر پاکیزہ کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ ڈاکٹر زکی بھرپور کوشش کہ باوجود بھی وہ ہوش میں نہیں آئی تھیں۔ اور ڈاکٹر زکہ مطابق اگر وہ کچھ وقت اور ہوش میں نہ آئیں تو یا تو وہ کومہ میں چکی جائیں گی یا پھر موت کی وادی میں۔۔۔ دلاور شاہ کو عالم کو لیکر سخت تشویش لاحق تھے۔ انھوں نے کچھ

Posted On Kitab Nagri

سوچ کر عالم کا نمبر ملایا تھا۔ (گو کہ ملازمین کہ توسط سے وہ حویلی کی خبروں سے لمحہ بہ لمحہ باخبر تھے۔) ”عالم کہاں رہ گئے ہو۔۔۔؟ تمھاری پیاری بیوی زرشہ کی وجہ سے میری بہن پاکیزہ کہ پاس وقت نہایت کم رہ گیا ہے۔“

دلاور شاہ نے عالم کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا تھا۔ ”آرہا ہوں، اداسائیں۔!“ ”عالم نے اتنا کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔ لیکن دلاور کا سیر وں خون بڑھ گیا تھا۔ عالم نے ایک لمبے عرصہ بعد انھیں، اداسائیں ”کہا تھا۔ مطلب عالم کہ دل میں موجود میل اب صاف ہو چکی تھی۔ دلوں کا زنگ اتر چکا تھا۔ دلاور سائیں کی چھاتی مزید چوڑی ہوئی تھی۔“ اُس بیچ لڑکی نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ دو بھائیوں کہ مابین پھوٹ ڈالے گی۔ ہونہہ۔۔۔“ دلاور سائیں سگار سلگاتے زیر لب بڑبڑائے تھے۔ ساتھ ہی وہ موبائل پہ اپنی بیوی کا نمبر ملارہے تھے۔ اسے پاکیزہ کی صورت حال کہ بارے میں خبر کرنے کہ علاوہ اپنے آنے کی اطلاع جو دینی تھی۔ عالم فائیلیں لیکر جلد ہی ہسپتال پہنچا۔ گو کہ ڈاکٹر ز کہ لیے وہ معاون ثابت ہوئی تھیں، لیکن پاکیزہ کا ابھی تک ہوش میں نہ آنا اپنے آپ میں ایک المیہ تھا۔

”انھیں کوئی بہت برا صدمہ دیا گیا ہے عالم۔ ورنہ وہ یوں موت سے پہلے موت کی جانب نہ بڑھتیں۔“ ”عالم کہ ذاتی معالج نے اپنے دفتر میں اسے مدعو کیا تھا۔ اس وقت ان دونوں کہ علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ عالم کی سوئی مسلسل زرشہ میں ہے اٹکی تھی۔ زرشہ نے ایسا کیا کہا ہوگا کہ پاکیزہ اس حال کو پہنچ گئیں؟ شادی کا ہی بتایا ہوگا۔ شادی کا سنکرا انھیں اتنا شدید صدمہ لگا۔؟؟؟ عالم جتنا سوچتا اتنا الجھتا جا رہا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے خصوصی التجا کر کہ پاکیزہ کہ پاس پانچ منٹ گزارنے کا پرمٹ حاصل کیا تھا۔ اب وہ پاکیزہ کہ سرہانے کھڑا تھا۔ اُن کہ چہرہ پہ آکسیجن ماسک تھا۔ چہرے کی پہچان مشکل تھی۔ یہی تو وہ چاہتی تھیں کہ ان کا چہرہ محرم کہ علاوہ کسی کی پہچان میں نہ آئے۔ عالم کو ان پر بے اختیار فخر محسوس ہوا تھا۔“ پاکیزہ! وقت اور حالات نے عجیب دورا ہے پہ لا کھڑا کیا ہے۔ زرشہ۔۔۔ وہ ایسا کرے گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کاش آپ آج یہاں ہوتی میرے ساتھ تو یہ سب نہ

Posted On Kitab Nagri

ہوتا۔ جو بھی آپ کی اس حالت کا ذمہ دار ہے نا۔ میں قسم کھاتا ہوں اسے کبھی نہیں بخشوں گا۔۔۔ ”عالم نے پاکیزہ کہ سر دپڑتے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ اس کی پیشانی، پاکیزہ کہ ہاتھوں پہ گری تھی۔ وہ دل میں گریہ کر رہا تھا۔ کاش کوئی ہوتا یہاں، اسکا دکھ سمجھتا۔۔۔ اسے سمجھتا۔۔۔ وہ کن مشکل ترین حالات سے دوچار ہے، کوئی تو یہ جاننے کی کوشش کرتا۔ عالم کو ابھی وہاں بیٹھے دو منٹ ہوئے تھے کہ پاکیزہ کہ ہاتھوں میں جنبش ہوئی۔ وہی جنبش عالم کو اپنی پیشانی پہ محسوس ہوئی۔ اس نے تڑپ کر سراٹھایا۔ پاکیزہ کی گردن میں بھی معمولی حرکت تھی۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں لیکن لب پھر پھر ارہے تھے۔ عالم نے آکسیجن لیول چیک کرنے کے بعد احتیاط سے ماسک ہٹایا۔ اپنے کان پاکیزہ کہ لبوں کے قریب لے گیا۔ تو وہ ”لا الہ الا اللہ“ کا ورد کر رہی تھیں۔ عالم کہ بدن پہ رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔ ”پاکیزہ!“ ”پاکیزہ!“ ”پاکیزہ!“ ”عالم نے جذب سے انھیں پکارا تھا۔“ ع ع ع اعا عالم لم عالم۔۔۔ ”لب ہنوز پھر پھر ارہے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔“ کس نے کیا آپ کہ ساتھ یہ سب۔۔۔؟؟؟؟؟

عالم کہ زباں پہ وہی سوال آیا تھا، جو کب سے دماغ میں کھلبلی مچائے ہوئے تھا۔ ”زر زر ش ش ش ہ ہ ہ زر شہ۔۔۔ پاکیزہ نجانے کیا کہنا چاہتی تھیں۔ عالم نجانے کیا سمجھ رہا تھا۔“ ادا ادا۔۔۔ ”پاکیزہ کا سانس بگڑ رہا تھا۔ ادا کہتے ہی دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ عالم نے اٹھکر ڈاکٹر کو بلانا چاہا تھا۔ لیکن پاکیزہ نے اس کا ہاتھ اُس مضبوطی سے تھاما کہ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پایا۔ عالم نے پاکیزہ کی بگڑتی حالت دیکھ کر ماسک لگانا چاہا تھا لیکن پاکیزہ نے آنکھ کہ اشارہ سے اسے منع کر دیا۔۔۔ ”زر شہ۔۔۔ زر شہ۔۔۔ خطرہ۔۔۔ پاکیزہ اٹک اٹک کر بول رہی تھیں۔“ ادا۔۔۔ بچائیں۔۔۔ عالم کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“ آپ ریلیکس کریں۔ دماغ پہ زور مت دیں۔ ہم گھر جائیں گے نا۔ تو آپ آرام سے بتانا سب۔۔۔ ”عالم کی آنکھوں کہ علاوہ آواز بھی بھرا گئی تھی۔ اس کی بات سنکر پاکیزہ پھیکا سا مسکرائی تھیں۔ یوں جیسے انھیں عالم کی جھوٹی تسلی بیکار لگی ہو۔ جانتا تو عالم بھی تھا، کہ پاکیزہ کہ

Posted On Kitab Nagri

پاس اب وقت نہیں بچا، لیکن تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ زرشہ۔۔۔ سے شاشا شادی کر۔۔۔ پاکیزہ کا گلا خشک تھا۔ بار بار تھوک نکل رہی تھیں۔“ ہاں میں آپکو سب بتانا چاہتا تھا۔ ایک حادثہ زرشہ کو میرے نکاح میں لے آیا۔“ عالم کا سر جھکا ہوا تھا۔ یوں جیسے احساس تھا کہ اتنی بڑی سچائی اسے پاکیزہ سے کسی صورت نہیں چھپانی چاہیے تھی۔“ زرشہ۔۔۔ زرشہ کو بچاؤ۔۔۔“ پاکیزہ مسلسل نفی میں گردن ہلارہی تھیں۔“ ادا۔۔۔ ادا۔۔۔ سے بچو۔۔۔ پاکیزہ اب پوری قوت سے الفاظ ادا کرنے کی تگ و دو کر رہی تھیں۔“ یا اللہ! ان کی بے بسی عروج پر تھی۔“ وعدہ کر۔۔۔ کرو۔۔۔“ و وعدہ۔۔۔ کرو۔۔۔ انھوں نے عالم کا ہاتھ پہلے سے زیادہ مضبوطی سے تھام لیا تھا۔“ زرشہ زرشہ کو مت کھونا۔۔۔۔۔ بلا آخر پوری ہمت مجتمع کر کے انھوں نے دل کی بات عالم تک پہنچائی تھی۔“ زرشہ۔۔۔ ابھی بات ان کہ لبوں پہ ہی تھی کہ دلاور سائیں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔“ آہ میری بہن کو ہوش آگیا۔۔۔ وہیں کھڑے کھڑے فرط جذبات سے انھوں نے پاکیزہ کو پکارتے کہا تھا۔“ دیکھو تم سے کون ملنے آیا ہے۔“ ان کہ لہجہ میں کچھ عجیب تھا۔ جیسے وہ پاکیزہ کو کچھ جتا رہے ہوں۔ کچھ باور کروارہے ہوں۔ وہ ایک طرف ہوئے تو پیچھے سے کالی چادر کو سر تا پا لپیٹے زرشہ برآمد ہوئی۔ پاکیزہ کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ عالم نے فوراً آکسیجن لگانا چاہا تھا۔ پاکیزہ نے عالم کا ہاتھ دبایا تھا۔ یوں جیسے ابھی کچھ تھا جو وہ بتانا چاہتی تھی۔ لیکن سانسیں اب اکھڑ رہی تھیں۔“ پاکیزہ۔۔۔“ پاکیزہ۔۔۔ عالم دیوانہ وار چلا رہا تھا۔“ زرشہ زرشہ۔۔۔ پاکیزہ کپکپاتے ہاتھوں سے زرشہ کی جانب اشارہ کرنے کی سعی کر رہی تھیں۔“ کس نے کیا تمہارے ساتھ یہ سب؟ میری بہن؟ بتاؤ ہمیں کون مجرم ہے تمہارا؟“ دلاور شاہ نے مخصوص انداز سے پاکیزہ سے استفسار کیا تھا۔“ دیکھ نہیں رہے ان کی حالت۔۔۔۔۔ پھر بھی ایسے سوالات کر رہے ہیں۔ زرشہ ڈاکٹر کو بلاؤ۔۔۔“ عالم اب چیخ رہا تھا۔ زرشہ کہ بلانے سے قبل ہی ڈاکٹر آگئے تھے۔“ ہٹ جائیں۔۔۔ باہر جائیں،، مریض کو چھوڑ دیں۔۔۔

Posted On Kitab Nagri

ڈاکٹر کی ٹیم مسلسل یہی کہہ رہی تھی۔ لیکن پاکیزہ نے عالم کہ ہاتھ کو اس مضبوطی سے بھیچ رکھا تھا کہ وہ ہل بھی نہیں پایا۔ ”ادا۔۔۔ ادا۔۔۔“ وہ دوسرے ہاتھ سے ادا کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ جبکہ دلاور شاہ اس وقت زرشہ کہ پیچھے کھڑے تھے۔ انھوں نے زرشہ کی جانب اشارہ کر کہ پاکیزہ کو سمجھانا چاہا تھا کہ اگر اس نے ان کا نام لیا تو زرشہ اپنی جان سے جائے گی۔ پاکیزہ سمجھ گئی تھی۔ عالم کا دھیان پاکیزہ کی جانب تھا۔ وہ سیکنڈز کے دوران بہن بھائی کہ مابین ہونے والے اشاروں کہ تبادلے سے یکسر انجان تھا۔ زرشہ بھاگ کر پاکیزہ کی جانب بڑھی تھی۔ وہ پاکیزہ کہ بائیں جانب تھی۔ دوسرا ہاتھ اس نے تھام لیا تھا۔ دلاور کا اشارہ پاتے ہی پاکیزہ کی سانسیں بند ہونے لگی تھیں۔ وہ شدید خوف کہ زیر اثر لگتی تھی۔ عالم کو سمجھ نہیں آیا تھا پاکیزہ کیوں ڈر رہی ہے۔ وہ اب مارے خوف کہ کانپ رہی تھیں۔ انھوں نے عالم کا ہاتھ زرشہ کہ ہاتھ میں دیا تھا۔ ڈاکٹر ز بھی شاید سب کچھ سمجھ چکے تھے تبھی مزید مداخلت سے باز رہے۔ پاکیزہ کی آواز گلے میب آ کر دم توڑ رہی تھی۔ عالم اور زرشہ دیوانہ وار ان کا نام چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر ز اب انھیں آکسیجن ماسک لگانے کی تگ و دو میں جُت گئے۔ دلاور سائیں پاکیزہ کہ پاؤں پکڑے کھڑے ہو گئے۔ ان کی آنکھ کا کنارہ بھیگ گیا تھا۔ ”نجانے وہ پاکیزہ کا پاؤں پکڑ کر بے آواز کیا کہہ رہے تھے؟“ پاکیزہ نے ان دونوں کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ ”یا اللہ! آواز بلند پکارا تھا۔“ ”لا الہ الا اللہ“ ”لا الہ الا اللہ“ ”پوری قوت سے وہ پکار رہی تھیں۔ عالم اور زرشہ کہ چیخنے میں شدت آئی تھی۔ پاکیزہ نے ماسک پہننے سے انکار کیا۔ وہ گردن کو مسلسل دائیں بائیں مار رہی تھیں۔“ ”محمد رسول اللہ“ ”آواز دھیرے دھیرے دھیمی ہوتی گئی۔ لیکن لب ہنوز پھڑپھڑاتے رہے۔“ ”محمد رسول اللہ“ ”محمد رسول اللہ“ ”لبوں کی جنبش واضح تھی۔ انھوں کہ ہاتھ پہلو میں گر گئے۔ زرشہ اور عالم کہ خالی ہاتھ ان کا منہ چڑا رہے تھے۔ دلاور سائیں زمیں پہ گرتے چلے گئے۔ پاکیزہ کہ لبوں پہ حسین مسکراہٹ تھی۔ ان کا رخ زرشہ کی جانب تھا۔ آنکھیں اس کہ چہرے کا طواف

Posted On Kitab Nagri

کر رہی تھیں۔ ان کا چہرہ گویا نور کا ہالہ تھا۔ بیماری میں گو کہ وہ پڑمردہ سی لگتی تھیں۔ لیکن اب تمام دنیاوی بیماریوں سے خلاصی پانے کہ بعد پر نور چہرہ، سرخ و سفید کا حسین امتزاج لگ رہا تھا۔ یوں جیسے انھیں کبھی کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ مسکراہٹ دل موہ لینے والی تھی۔ چہرہ پہ بلا کی طمانیت تھی۔ یوں جیسے سب دکھوں، غموں سے آزاد اب وہ سکون کی دنیا کی باسی ہو چکی تھیں۔ لمحہ بہ لمحہ حسن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ زرشہ کی چیخیں ہنوز کمرہ میں گونج رہی تھیں۔ نرسز بمشکل اسے سنبھال رہی تھیں۔ دلاور سائیں بہن کہ پاؤں کی جانب وہیں زمیں پہ پڑے رہے۔ عالم۔۔۔ عالم نے اپنی بیوی کہ چہرہ کو ڈھانپ دیا تھا۔ جیسے وہ خود کو ڈھانپتی تھیں۔ جیسا انھیں پسند تھا۔ وہ اب اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر ز، وی آر سو سوری مسٹر عالم ”اپنے ازلی پرو فیشنل انداز میں کہتے عالم کہ دائیں بائیں کورہے تھے۔ کاش کوئی عالم کہ دل میں جھانک پاتا، کاش کوئی دیکھ پاتا کہ اس وقت وہ کس افیت کس کرب سے گزر رہا ہے۔ ابھی تو اس نے اماں کہ جانے کا صدمہ سہا تھا۔ اور اب۔۔۔ اپنی زندگی کی قیمتی متاع، کو اپنے ہاتھوں میں گنوا دیا۔ کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ پاکیزہ عالم کہ لیے کیا معنی رکھتی تھیں۔

شاید عالم بھی پاکیزہ کی زندگی میں نہیں جان پایا۔ گر جان پاتا تو انھیں بتانہ دیتا کہ وہ ان کہ لیے کتنی عقیدت رکھتا ہے؟ کبھی کبھی ہم اپنے پیاروں سے اظہارِ محبت نہیں کر پاتے۔ اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو یہ کسک ہمیں رہتی زندگی تک چین نہیں لینے دیتی۔ اسی لیے اپنے پیاروں سے اظہارِ محبت کریں۔ اپنے محرم کو بتائیں کہ وہ آپ کہ لیے کیا معنی رکھتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ پھر دیر ہو جائے۔۔۔

Posted On Kitab Nagri

دن ہفتوں میں ڈھل جاتے ہیں لیکن اپنوں کہ جانے کا غم کسی طور کم نہیں ہوتا۔ ش تیبہ یہی حال عالم شاہ اور زرشہ کا تھا۔ دونوں ہی پاکیزہ کی موت کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ زرشہ کی ماں اور بہن بھی مسلسل اس کہ پاس حویلی آتی رہیں، شیر و کسی سائے کی طرح عالم کہ ساتھ ساتھ رہا۔ مہینے کی گیارہ تاریخ آکہ گزر گئی۔ عالم دلہبار بیگم سے ملنے نہ جاسکا۔ لیکن دلہبار بیگم ضرور پاکیزہ کی آخری رسومات میں شریک ہوئی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ کسی کو انکی شناخت کہ بارے میں پتہ نہ چل سکا۔ دلاور شاہ زرشہ میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ گو کہ ابھی تک زرشہ نے ان کہ سامنے اپنا پردہ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ زرشہ کی حقیقت سے انجان تھے۔ عالم کا رویہ زرشہ سے ویسے کا ویسا تھا۔ آج پورے ایک ہفتہ اور ایک دن بعد حویلی میں زندگی معمول کہ مطابق لوٹی تھی۔ دلاور نے رات کہ کھانے پہ خاندان کہ افراد کو اکٹھا ہونے کہ لیے کہا تھا۔ وہ کچھ اہم معاملہ پہ گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ عالم ابھی تک حویلی میں رات نہیں رکا تھا۔ وہ دن چڑھے آجاتا اور رات گئے لوٹ جاتا۔ زرشہ سے اسکا سامنا نہیں ہوا تھا۔ زرشہ نے بھی زنان خانے سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ پاکیزہ جیسے اس کہ اندر کہ سانس لیتی لڑکی کو اپنے ساتھ منوں مٹی تلے لے گئی تھی۔ وہ زندہ تو تھی مگر جینے کہ تردد سے آزاد لگتی تھی۔ اسے بھی دلاور سائیں کا پیغام موصول ہوا تھا۔ کہ اگر وہ آنا چاہتی ہے تو آجائے۔۔۔ دلاور شاہ نے رات کہ کھانے کی خاص تیاری کروائی تھی۔ حویلی میں خبریں پھیل چکی تھیں کہ چند خاص مہمان بھی آج آرہے ہیں۔ جن کہ لیے خاص الخاص اہتمام کیا جا رہا تھا۔ دن شام میں اور شام رات میں ڈھل گئی۔ یہ چودھویں کی رات تھی۔ ہر سواجالا تھا۔ حویلی رات میں بھی دن کا سماں باندھ رہی تھی۔ چہل پہل عروج پر تھی۔ نوکر چاکر بھاگ بھاگ کاموں میں مصروف تھے۔ زرشہ نے پاکیزہ کہ کمرے کو اپنا مسکن اور ان کی کتابوں کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا۔ خاص مہمان وقت پر پہنچ گئے۔ ان کا پر تپاک استقبال کیا گیا۔ خواتین کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔ دلاور شاہ کی بیوی ان کو خاصا پروٹوکول

Posted On Kitab Nagri

دے رہی تھیں۔ زرشہ کو بھی کھانے کے لیے ایک دوبار بلوایا گیا، مگر وہ باہر نہیں نکلی۔ اُدھر مقررہ وقت پر کھانا چُن دیا گیا، سب نے کھانا بھی کھالیا، زرشہ نے کھانا کمرہ میں منگوالیا تھا۔ اس سے کسی نے کوئی زبردستی نہیں کی تھی، دلاور سائیں کہ سخت احکامات تھے کوئی سختی کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کھانے کے بعد جب قہوہ کا دور چلا تو دلاور سائیں کی بیوی خود زرشہ کو بلوانے آئی۔ ”اگر اپنی اوقات اور اصلیت دیکھنا چاہتی ہو تو نیچے آ جاؤ۔ عام سے محلہ کے بوسیدہ سے گھر میں رہنے والی عام سی لڑکی جب محلوں میں رہنے کے خواب بُنے تو اس کے ساتھ کیا ہوتا، آؤ اور اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ کرو۔ اور ہاں اپنی حد میں رہتے ہوئے، پردہ کے پیچھے ہی رہنا، آگے آنے کی جرأت کی تو انجام بہت برا ہو گا۔“ اس کی جھٹانی کہ انداز میں بلا کا رعب تھا، لہجہ اس قدر کرخت تھا کہ زرشہ اندر تک کانپ گئی۔ وہ خود تو سب سنا کر چلی گئیں، لیکن زرشہ وہ وہیں بستر پہ بیٹھ گئی۔ نجانے کون سا نیا دکھ اس کا منتظر تھا۔“ عالم۔۔۔ اسے بے اختیار وہ یاد آیا تھا۔ جو بھی تھا اس سب میں عالم ضرور کسی نہ کسی طور منسلک تھا۔ زرشہ کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا۔ لہذا اب اس کا جانا ضروری تھا۔ اس نے حلیہ درست کیا اور نیچے جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔ جو نہی اس نے کمرہ سے باہر قدم نکالے، دروازہ پہ نجانے کب سے پہرہ دیتی رضیہ اس کے ساتھ ہولی۔ جو یقیناً اس کی کڑی نگرانی کرنے کے لیے ہمراہ چلی تھی۔ زرشہ کو ہمیشہ اس کی موجودگی میں کوفت ہوتی تھی۔ اب بھی وہ بمشکل اسے ضبط کر رہی تھی۔ سب مرکزی بیٹھک میں جمع تھے۔ زرشہ اور رضیہ پردہ کی پیچھے تھیں۔ یہاں سے اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ہاں اندر والوں کو باہر نہیں دکھائی دیتا تھا۔ زرشہ اندر کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ اس کا دل نجانے کیوں قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ زرشہ نے اب وہاں کا سرسری سا جائزہ لیا۔ مہمان خواتین کے علاوہ ان کے چند مرد حضرات بھی وہاں تھے۔ زرشہ کو پہلے تو شدید حیرت ہوئی، دلاور سائیں کی بیٹھک میں، مرد و خواتین ساتھ ساتھ کیسے۔۔۔؟؟؟ ایسے کون سے خاص مرد تھے جنہیں خواتین کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت

Posted On Kitab Nagri

مل گئی؟ وہ باہر سے ہی پلٹنا چاہتی تھی جب اسے بیٹھک سے آوازیں سنائی دیں: ”آئیے آئیے، عالم شاہ صاحب آپکا ہی انتظار تھا۔“ کسی نے آگے بڑھ کر عالم کا پر تپاک استقبال کیا تھا۔ زرشہ پردہ کی اوٹ میں تھی۔ اس کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔ آج کافی دن بعد اسے عالم کہ وجود کا احساس ہوا تھا۔ اس نے پردہ ہٹا کر ذرا سا جھانکا، سفید پوش، اعلیٰ ذوق کہ حامل افراد اٹھ اٹھ کر عالم سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ عالم کا نیم رخ نیم واضح تھا۔ وہی سفید شلوار قمیض کہ ساتھ سیاہ چادر، ہاں شیوہ بہت بڑھی ہوئی تھی۔ بال بکھرے تھے۔ چہرہ، وہ پشمرہ سا لگتا تھا۔ پھیکا سا مسکراتے وہ سب سے ملا تھا۔ لیکن اس سب میں بھی اس کی شان نزالی تھی۔ زرشہ نے دل ہی دل میں سورۃ القلم کی آخری آیات پڑھ کر اس پر دم کیا تھا۔ وہ اسے ہر طرح کی نظروں سے اللہ پاک کی پناہ میں دینا چاہتی تھی۔ وہ عالم کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ وہیں سے پلٹنا چاہتی تھی، جب دلاور شاہ کہ دلخراش الفاظ اس کی سماعتوں سے ٹکرائے: ”آج میرے بھائی عالم شاہ کی منگنی ہم معروف سیاستدان شاہ جہانگیر قریشی کی صاحبزادی ماہ رخ شاہ قریشی سے کر رہے ہیں۔“ دلاور سائیں نے باواز بلند منادی کروائی تھی۔ جہاں زرشہ کہ تیز تیز مڑتے قدم یکدم زنجیر ہوئے تھے۔ وہیں بیٹھک میں بھی مبارک باد کی صدائیں گونجی تھیں۔ زرشہ نے اب کی بار پردہ مزید اٹھایا تھا، اس کی نظریں وہاں موجود خواتین کا طواف کر رہی تھیں، وہاں خواتین کہ نیچے کانچ کی طرح نازک اور گڑیا کہ جیسے بالوں والی ایک حسین لڑکی براجمان تھی۔ دلاور سائیں کہ بات سنتے ہی اس کا چہرہ مہتاب کی طرح چمکا تھا۔ سیاہ لباس پہنے وہ، سیاہ رات میں چودھویں کا چاند لگ رہی تھی۔ سنہری بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ آنکھیں، کیا حسین آنکھیں تھیں اُس کی۔۔ زرشہ نے من ہی من میں اسکی تعریف کی تھی۔ وہ بلا کی خوبصورت تھی۔ خوبصورتی کہ علاوہ وہ جدید دور کی نوک پلک سے ہم آہنگ تھی۔ ”عالم کہ ساتھ ایسی لڑکی سُوٹ کرتی ہے۔ زمانہ شناس اور ماڈرن۔ اپنا حلیہ دیکھو ذرا، مولویانہ صاحبہ لگ رہی ہو۔ یوں جیسے زندگی کی رنگینوں سے آزاد کوئی وجود ہو۔ یا پھر

Posted On Kitab Nagri

وجود سے آزاد کوئی روح ہو۔۔۔۔۔ ”زرشہ کہ اندر سے آواز آئی تھی۔ اس کہ رہی سہی ہمت جواب دے چکی تھی۔ رضیہ کی معنی خیز اور جتنا مسکراہٹ اسے اندر تک جلا گئی تھی۔ وہ مقابلہ سے پہلے ہی ہار مان کر میدان چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ جب اسے پاکیزہ کا لمس اپنے ہاتھوں پہ یاد آیا۔ انھوں نے جاتے جاتے اسکا ہاتھ عالم کہ ہاتھ میں دیا تھا۔ اسے عالم کی، اور عالم کو اسکی ڈھال بننا تھا۔ پھر کیوں وہ عالم کو ان سب کہ بیچ تنہا چھوڑ کر جا رہی تھی؟ اگر عالم کی یہی رضا ہوئے تو اسے بھلا کیا اعتراض ہوگا، لیکن اسے عالم کہ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا تو ہونا تھا۔ اُدھر خوشگیاں عروج پر تھیں۔ عالم کو ماہ رخ کہ ساتھ ایک صوفہ پہ بٹھایا گیا۔ ماہ رخ کہ سر پہ کسی نے دوپٹہ ڈال دیا تھا۔ گو کہ اسے یہ حرکت بری لگی تھی لیکن وہ ضبط کر گئی۔ عالم کہ گود میں دھرے ہاتھوں میں دلاور شاہ نے ہیرے کی بیش قیمت انگوٹھی تھمائی، ماہ رخ کو بھی کسی نے ہیرے کا چھلا تھمایا۔ عالم ہر طرح کہ احساس سے عاری وہاں براجمان تھا۔“ عالم، تم پہل کرو۔ ”دلاور سائیں نے عالم کو بازو سے دباتے ہوئے کہا تھا۔“ میں اس سب سے پہلے عالم کی مرضی دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کیا عالم آپ اس رشتہ کہ لیے دل سے رضامند ہیں؟!۔۔۔!! ”لڑکی کہ بھائیوں میں سے ایک نے عالم کی جانب رخ کر قدرے سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔“ عالم میرا ولی عہد میرا شیر ہے۔ اسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ کیوں عالم؟ ”جواب عالم کہ بجائے دلاور کی جانب سے آیا تھا۔“ پاکیزہ میری اکلوتی بہن تھیں۔ اور میں نہیں چاہتا عالم اُس کہ جانے کہ بعد دکھی رہے۔ اس کہ جانے کہ بعد میں عالم کو کھونے کا غم مول نہیں لے سکتا۔ ”دلاور شاہ کا لہجہ جذباتی تھا۔ عالم کا چہرہ سپاٹ تھا۔“ درست کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔ ”دلاور نے جتنا نگاہوں سے عالم کو دیکھا تھا۔ جبکہ جواباً عالم نے دلاور کی تائید کرنے کہ بعد نگاہیں جھکالی تھیں۔“ عالم بسم اللہ کرو۔ ”دلاور سائیں نے بات دہرائی تھی۔“ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!“ ”انگوٹھی والا ہاتھ ہنوز عالم کی گود میں دھرا تھا، جب سفید لباس کہ ساتھ سفید حجاب اور نقاب

Posted On Kitab Nagri

پہنے زرشہ وہاں نازل ہوئی۔ (زرشہ رضیہ سے لڑکر دامن چھڑا کر، زبردستی اندر داخل ہوئی تھی۔) کندھوں پہ سیاہ چادر تھی۔ اس کا پورا وجود سفید رنگ میں نہایا تھا۔ گویا نور کا ہالہ تھا۔ پاؤں کو چھوتا، لباس پورے کا پورا سفید تھا۔ انگلیوں پہ تسبیح تھی۔ سیاہ چادر سنبھالتے وہ قدم قدم آگے بڑھی تھی۔ جہاں عالم کی نگاہیں حیرت سے پھیلیں وہیں دیگر خواتین و حضرات بھی نووارد کو دیکھ کر انگلیں دانتوں تلے دبائے حیرت سے اسے دیکھے گئے۔ “کیا ہوا۔۔۔ رسم جاری رکھیں۔۔۔ میں تو بس دعا دینے کے لیے حاضر ہوئی تھی۔۔۔” باقیوں کے علاوہ دلاور کو بھی پاکیزہ کا گمان ہوا تھا۔ یوں جیسے یہ پاکیزہ کی روح تھی۔ سب کی سانسیں حلق میں آکر دم توڑ گئی تھیں۔ “ڈریں مت! میں پاکیزہ کی بی نہیں ہوں۔۔۔ میں ہو بھی نہیں سکتی۔” زرشہ اب سب کے درمیان میں اونچے قدم سے کھڑی تھی۔ “کک کک کون ہو تم؟” خواتین میں سے ایک نے کپکپاتی آواز سے کہا تھا۔ “میں؟” زرشہ نے انگلی سے سینے پہ دستک دی تھی۔ عالم اب انگوٹھی والا ہاتھ گود میں گرائے صوفہ لی پشت سے ٹیک لگاتا دلچسپی سے اپنی شریک حیات کو دیکھ رہا تھا۔ “میں زرشہ ہوں۔” زرشہ نے سینے پہ دستک دیتے کہا تھا۔ “یہ پاکیزہ کی جانثار دوست ہیں۔” دلاور سائیں بیوی، اپنے شوہر کی سرد نگاہیں خود پہ محسوس کرتے آگے بڑھی تھی، اور زرشہ کو کندھوں سے پکڑ کر باہر لیجانے کے درپے لگتی تھی۔ “میں تو یہاں مبارکباد دینے اور اس خوبصورت محفل میں شریک ہونے آئی تھی، آپ کیوں مجھے زبردستی یہاں سے بے دخل کر رہی ہیں؟” زرشہ نے پلٹ کر بھا بھی کو گھورتے نہایت نرم انداز میں کہا تھا۔ زرشہ اب اپنا کندھا آزاد کرواتے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کا مرکز عالم شاہ تھا۔ عالم شاہ کی نگاہیں بھی بھلا کہاں دائیں بائیں ہونے کی روادار ہو سکتی تھیں؟ وہ اب عالم کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بازو عالم کی گود میں تھے۔ سب ایک پردہ نشین عورت کا یوں “نا محرم” کہ اتنے قریب بیٹھنے کو ہضم نہیں کر پائے۔ لہذا وہاں چہمگائیوں شروع ہو چکی تھیں۔ “عجیب دین دار ہے۔” “حلیہ

Posted On Kitab Nagri

مذہبی اور حرکتیں۔۔۔ حرکتیں۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔ ”اس سے اچھے تو ہم ہیں، کم از کم مذہبی بننے کا ڈرامہ کر کہ مذہب کو بدنام تو نہیں کر رہے نا۔۔۔“ اسی طرح کہ دیگر فقرے زرشہ کہ کانوں میں پڑ رہے تھے۔ زرشہ جتنا سن رہی تھی، اتنا ہی عالم کہ مزید قریب ہو رہی تھی۔ اور عالم۔۔۔ وہ اس سارے وقت میں سُن بیٹھا، سب ہوتا دیکھ رہا تھا۔ لیکن چہرے سے دلچسپی کہ آثار نمایاں تھے۔ دلاور شاہ اب مزید یہ ڈرامہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ”رضیہ انھیں کمرہ میں لیجاؤ۔“ انھوں نے گلا کھنکار کہ بات کا آغاز کیا تھا۔ وہاں بیٹھے مرد حضرات بھی ایک عورت کی دیدہ دلیری پہ شرم کہ مارے چہرے چھپا رہے تھے۔ گو کہ یہ وہی مرد حضرات ہیں جن کی وجہ سے ”ایسی ویسی“ جگہوں پہ خوب رونق لگی رہتی ہے۔ لیکن کسی بھی دیندار عورت کو اس طرح دیکھ کر ان کہ اندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نیک نامی کا جذبہ اُٹا رہا ہے۔ ”اٹھو لڑکی!“ رضیہ زرشہ کہ سر پہ کھڑی اسے بازو سے زبردستی پکڑ کر اب تقریباً گھسیٹ رہی تھی۔ زرشہ کی مسکراتی آنکھیں ہنوز، عالم کی دلجمعی سے گھورتی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ ”آپ بتائیں۔۔۔؟؟ اٹھوں؟“ زرشہ نے عالم سے سرگوشی کہ سے انداز میں سوال کیا۔ رضیہ اب اسے مزید سختی سے گھسیٹ رہی تھی۔ زرشہ نے ابرو اچکا کر پھر سے سوال کیا تھا۔ عالم کہ ساتھ بیٹھی مار رخ کہ علاوہ دیگر بھی اب پہلو بدل رہے تھے۔ لیکن ان دونوں کی آنکھوں ہی آنکھوں میں نجانے کون سی گفتگو ہو رہی تھی کہ جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ”اٹھوں؟“ زرشہ نے پھر سے عالم سے سوال کیا تھا۔ رضیہ اسے مسلسل افیت دیتے ہوئے اب اس کہ ساتھ زمیں پہ بیٹھ چکی تھی۔ اسکا ہاتھ زرشہ کہ نقاب پہ تھا۔ ”جب دین دار ہو نہیں تو یہ مکھوٹا چڑھانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔۔۔۔۔“ کہتے ہوئے اس نے زرشہ ان نواب اتارنا چاہا تھا۔ اسی لمحہ عالم نے ابرو اٹھا کر اسے جانے کا عندیہ دیا تھا۔ زرشہ نے رضیہ کا ہاتھ نوچتے ہوئے پیچھے جھٹکا اور یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہ رخ اب مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ”ہو کون تم لڑکی؟ اتنی دیدہ دلیری کی ہمت کس نے دی تمہیں؟“

Posted On Kitab Nagri

اس سے پہلے کہ زرشہ وہاں سے جاتی ماہ رخ نے اپنی جگہ پہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے زرشہ کو بازو سے تھام پہ اپنے مد مقابل کیا۔ ”ہو کون تم؟“ اس کہ لہجہ میں جلن نمایاں تھی۔ ”یہ دماغ سے پیدل ہے۔“ دلاور سائیں کی بیوی آگے بڑھی تھی۔ عالم ہنوز مطمئن سائیک لگائے بیٹھا اپنے سامنے موجود دونوں لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔ ”ہاں میں پاگل ہوں۔“ زرشہ نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔ ”ان کہ عشق میں۔۔۔۔۔ اشارہ عالم شاہ کی جانب تھا۔ عالم بے اختیار ہنسا تھا۔ ہنستے ہوئے اس کی گردن پیچھے ڈھلکی تھی۔ ہلکا سا خم آیا تھا۔ دانت نمایاں ہوئے تھے۔ ماہ رخ عالم کی اس حرکت پہ اندر تک جل کہ رہ گئی۔ زرشہ پھر وہاں کی نہیں، اپنے پیچھے سب کو متعجب چھوڑے، جس شان سے آئی تھی، اس سے دو گنی شان سے واپس لوٹ گئی۔ جبکہ اس کہ جانے کہ بعد سب کہ سوالات شروع ہو گئے۔ ان کی توپوں کا رخ باری باری عالم اور دلاور کی جانب تھا۔ عالم نے سب کو دلاور کی جانب متوجہ کیا۔ اور دلاور کو بھی جتایا، کہ مسئلہ اس نے کھڑا کیا ہے، وہی نیٹے۔۔۔۔۔ دلاور عالم کہ ہر اشارہ سے واقف تھا۔ عالم نے گویا بال اب اس کی کورٹ میں پھینکی تھی۔“ ایک پاگل یتیم لڑکی ہے۔ عالم کا ایک ٹرسٹ ہے جو ایسی لڑکیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ میری بہن پاکیزہ بھی ان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت میں پیش پیش رہی۔ بس یہ پاکیزہ کی وفات پہ یہاں آئی، ہم نے بھی زبردستی اسے واپس بھیجا۔ اب اس کی حرکتیں آپ کہ سامنے ہیں۔۔۔ نیکی کبھی کبھی گلے پڑ جایا کرتی ہے۔۔۔“ آخری فقرہ دلاور نے عالم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ دلاور ایک سیاست دان تھا۔ اور اسنے ثبوت بھی دیا تھا۔ سب کسی نہ کسی حد تک قائل نظر آتے تھے۔ عالم کہ ٹرسٹ کہ بارے میں دلاور کا پتہ تھا۔۔۔؟؟؟ عالم پہ یہ انکشاف آج ہوا تھا۔ اس کہ بعد منگنی کی تقریب ادا کی گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھیاں پہنائیں۔ عالم زیادہ دیر وہاں رکا نہیں، جلد ہی نکل آیا۔ مہمان بھی اپنے وقت پہ گھروں کو لوٹ گئے۔ انھیں عالم شاہ عجیب لگا تھا۔ لیکن انھوں نے جتنا اس کہ متعلق سن رکھا تھا، وہ

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

ہڈی تک کو جمادینے والی آواز کو وہ پہچان گئی تھی۔ وہ شمشیر تھا۔ یوں رات کہ اس پہر، اس کہ کمرہ میں اس طرح داخل ہو کر وہ زرشہ کو جو سمجھانا چاہ رہا تھا، زرشہ اسکو اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ ”عالم سے طلاق لو، اور نکلوا سکی زندگی سے۔ یہ آخری وارنگ ہے جو تمہیں دے رہا ہوں۔“ شمشیر کا سایہ زرشہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کہ لہجہ میں کپکپاہٹ اور منہ سے آنے والی بوا سے نشہ کہ زیر اثر ڈکلیئر کرنے کہ لیے کافی تھی۔ زرشہ پیچھے ہٹتے ہٹتے بستر سے ٹکرائی تھی۔ فقط ٹکرائی نہیں بلکہ، اس پہ گرتی چلی گئی۔ اس نے بستر پہ پڑا دوپٹہ اٹھایا، اسے اچھے سے لپیٹا۔ ”دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ ابھی اور اسی وقت۔ شرم نہیں آتی یوں کسی عورت کہ کمرہ میں داخل ہوتے ہو۔۔۔۔۔ زرشہ اب قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اس کہ لہجہ میں چھپا خوف مد مقابل کو مزید شیر بنارہا تھا۔ وہ بھی دھیرے دھیرے آگے بڑھتا گیا۔

شمشیر کہ زرشہ کہ کمرہ میں جانے سے کچھ وقت قبل ہی اسے پیغام موصول ہوا: ”عالم شاہ! گریبوی کی پاکدامنی دیکھنا چاہتے ہو تو حویلی آ جاؤ۔۔۔ عالم کو انجانے نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔ پیغام بھی ایسا تھا کہ اس نے گاڑی فوراً حویلی کی جانب موڑی۔ وہ اس وقت دلہار بیگم سے ملنے جا رہا تھا۔ گیارہ تاریخ آ کر گزر گئی لیکن وہ ماں سے نہیں مل پایا۔ ابھی کچھ وقت ملا تھا کہ اب یہ نئی افتادہ سر پہ آن پڑی تھی۔ کچھ ہی وقت بعد وہ حویلی تھا۔ ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔“ زرشہ کی گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی۔ ”ادھر آمیری پری۔۔۔“ پھر سے شمشیر بولا تھا۔ اس کہ لہجہ میں بلا کی حلاوت اور مٹھاس تھی۔ ”کینے۔۔ گھٹیا۔۔“ الفاظ زرشہ کہ منہ میں ہی تھے کہ دوسرا دروازہ جو پاکیزہ کی بیٹھک میں کھلتا تھا وہاں سے دلاور شاہ اپنے ساتھ محافظ لیکر برآمد ہوئے۔ ادھر سے عالم نے دھاوا بولا تھا۔

Posted On Kitab Nagri

دلاور کہ آتے ہی کمرہ میں روشنی کر دی گئی۔ اندر کا منظر عالم کہ لیے ناقابل برداشت تھا۔ زرشہ بستر کہ کونے میں سمٹی سی بیٹھی تھی۔ دوپٹہ آڑھتاڑچھا تھا۔ بمشکل چہرہ اور جسم کہ گرد لپٹا ہوا تھا۔ شمشیر بستر پہ نیم دراز تھا۔ وہ نشہ میں دھت لگتا تھا۔ اس کہ آتے ہی زرشہ بھاگ کر اس کہ سینے سے ٹکرائی تھی۔ “آپ نے کہا تھا آپ کی کچھ نہیں لگتی، آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے، تو کیوں آئے ہیں مجھے بچانے؟ کیوں خود کو خطرے میں ڈال کر میری ڈھال بن رہے ہیں؟ زرشہ کا اشارہ دلاور کی جانب تھا۔ “زرشہ اب عالم کہ مضبوط سینے پہ مٹھیوں سے وار کر رہی تھی۔ “میری محبت نہیں عزت ہو تم۔ اور عالم شاہ عزت کی خاطر جان لے بھی سکتا ہے، اور جان دے بھی سکتا ہے۔” عالم نے زرشہ کی برستی مٹھیوں کو ہاتھوں میں قید کرتے ازلی جلال سے کہا تھا۔ اس نے زرشہ کو ایک سائیڈ پہ کیا اور غصہ سے پھرے شیر کی مانند شمشیر پہ وار کیا تھا۔ اس نے اُسے بستر سے اٹھایا اور زمیں پہ کھڑا کرتے ہی پے درپے مکوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ عالم غصہ میں پھرا ہوا شیر بن چکا تھا۔ اس کا تنفس بری طرح بگڑ چکا تھا۔ دلاور اور ان کہ محافظ گو کہ اسے روک رہے تھے لیکن اس کہ سر پہ خون سوار تھا۔ “کم ذات۔۔۔۔ عالم نے پل بھر میں اس کہ منہ اور ناک سے خون نکال دیا تھا۔ وہ پہلے ہی نشہ میں دھت تھا، اچانک حملہ سے اس کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی تھی۔ عالم کہ تھپڑ سے اسے زمیں بوس کیا تھا۔ زمیں بوس ہوتے ہی وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا۔ زرشہ گھڑی بنی بستر پہ بیٹھی تھی۔ کاش اس کا بس چلتا تو وہ اس لمحے دیوار میں چنوا دی جاتی، یا زمیں میں دھنسا دی جاتی۔ مگر اس زمیں پہ یوں سانس لیتی لاش بنی نہ رہتی۔ عالم اب شمشیر کا کام تمام کرنے کہ بعد پھر سے زرشہ کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ شمشیر کو دلاور کہ محافظوں نے ان کہ ایک اشارہ پہ اٹھا کر باہر پھینکا تھا۔ جبکہ اب کمرہ میں دلاور، عالم اور زرشہ تنہا تھے۔ زرشہ نے سر مزید جھکا لیا تھا۔ “دلاور شاہ کی حویلی کہ دروازے کب سے اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ زنان خانے میں یوں کوئی بھی دندنا تا ہوا گھس آئے، وہ بھی عالم شاہ

Posted On Kitab Nagri

کی بیوی کہ کمرہ میں۔۔۔؟؟؟؟ ”عالم زرشہ کو بستر سے اٹھا رہا تھا۔ اس کا رخ دلاور کی جانب تھا۔ اس کا لہجہ بھی آگ اُگل رہا تھا۔“ دلاور شاہ کہ گھر کہ دروازے ہر ایرے غیرے کہ لیے نہیں کھلتے۔۔ ہاں کبھی کبھی کو اڑ باہر کہ بجائے اندر سے بھی کھول دیے جاتے ہیں۔۔۔۔ ”دلاور سائیں کو عالم کا طعنہ تیر کی مانند لگا تھا۔ وہ ان کی کم علمی اور بے احتیاطی پہ سر عالم تنقید کر رہا تھا۔ وہ بھلا تنقید برداشت کرنے والوں میں سے کہاں تھے؟ انھوں نے آخری فقرہ معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ جسے سنتے ہی زرشہ کو تھامے عالم کہ بازو یکدم بے جان ہوئے تھے۔ زرشہ بھی اپنی پاکدامنی اور عفت پہ لگا داغ سنتے ہی لڑکھرائی۔ عالم کہ کمزور پڑتے بازوؤں کہ حصار سے نکلی اور پھر سے زمیں پہ جا لگی۔ اب کی بار نہ زرشہ نے اٹھنے کی ہمت کی تھی اور نہ ہی عالم نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔“ اپنے الفاظ پہ غور کریں سائیں۔ آپ میری بیوی کی بات کر رہے ہیں۔۔۔۔ ”عالم اب دلاور کہ مد مقابل تھا۔“ میں الفاظ پہ غور کروں گا مگر تم امکانات پہ غور کرو۔ پاکیزہ کہ کمرہ کا دروازہ باہر سے کھل ہی نہیں سکتا۔ فقط ایک ہی چابی ہے کمرہ کی جو یہیں پاکیزہ کہ دراز میں رہتی ہے۔ بیٹھک کا دروازہ باہر سے ضرور کھل سکتا ہے۔ مجھے جب موبائل پہ ایک انجانے نمبر سے پیغام موصول ہوا تو میں ڈیرے پہ تھا، وہاں سے سیدھا بیٹھک والے راستہ ادھر آیا۔ دروازہ بند تھا۔ محافظوں سے چابی منگو کہ دروازہ کھولا۔ اور وہ دروازہ اندر سے کھولا گیا تھا۔ کیونکہ۔۔۔ (دلاور اب پاکیزہ کہ بیڈ کہ ساتھ لگے دراز کو کھول رہے تھے) واحد چابی یہ رہی۔۔۔ ”دلاور اب عالم کہ علاوہ زرشہ کی جانب بھی چابی لہرا رہے تھے۔ زرشہ مرے مرے قدموں سے اٹھ کر ان دونوں کہ قریب آئی تھی۔ عالم نے دلاور کہ ہاتھ سے چابی جھپٹتے ہوئے پکڑی اور زرشہ کہ ہاتھ پہ پٹنی۔۔۔“ کیا کہنا چاہوں گی تم۔۔ اس بارے میں۔۔۔؟؟ ”عالم کا لہجہ نیا تھا۔ اس کا انداز انوکھا تھا۔ زرشہ کو شمشیر کا کمرہ میں گھس آنا اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا عالم شاہ کا مشکوک لہجہ۔ اسے لگا تھا پل بھر میں نجانے کتنی سلاخیاں اس کہ بدن میں اتار دی گئی تھیں۔ اس کی رہی سہی

Posted On Kitab Nagri

ہمت جواب دے رہی تھی۔“ہاں۔ بلایا تھا میں نے اسے۔ میں نے بلایا تھا۔۔۔۔۔“اس کا سر بری طرح گھوم رہا تھا۔ گھومتے سر کو ہاتھوں سے تھامے وہ پتھرائی آنکھوں سے عالم کی آنکھوں میں جھانکتی پھری ہوئی شیرنی کی طرح غرائی تھی۔ ہاتھوں کی گرفت دوپٹے پہ کمزور ہوئی تھی۔ وہ لڑکھڑائی اور جھولتے ہوئے بستر پہ جا گری۔ دلاور اسی لمحہ کمرہ سے باہر نکل گئے۔ عالم زرشہ کی جانب دوڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر بستر پہ درست کر کے لٹایا۔ اسے چادر اوڑھائی۔ نجانے کتنی ہی دیر اس کہ قریب بیٹھا اس کہ بالوں کو سہلاتا رہا۔ وہ جانتا تھا زرشہ بے ہوش ہوئی ہے۔ اس نے اسے ہوش میں لانے کا تردد نہیں کیا تھا۔ وہ کرنا چاہتا ہی نہیں تھا۔ یہی لمحہ تو اسے چاہیے تھا۔ وہ یک ٹک اس کہ معصوم چہرہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ خاموشی میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ اور اسے وہ موقع میسر آ گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر دونوں دروازے بند کیے تھے۔ اس کہ پاس فرصت تھی۔ موقع تھا۔ اپنی بیوی سے ڈھیروں باتیں کرنے کا۔ اسے بہت کچھ بتانے کا۔ اس کا ساتھ مانگنے کا۔ گو کہ زرشہ کہ تاثرات تلخ تھے۔ بلکہ بے یقینی سے اس کہ حسین چہرے کا طواف کر رہی تھی۔ عالم بے یقینی سے واقف تھا۔ یہ کسی بہت اپنے کی وجہ سے تھی۔ عالم اسے بتا رہا تھا کہ وہ تنہا ایک بڑے سسٹم سے، اپنوں سے، لڑتے لڑتے تھک گیا ہے۔ وہ اماں اور پاکیزہ کو کھونے کہ بعد ٹوٹ گیا ہے۔ ان کہ جانے کہ بعد اس کی واحد متاع زرشہ اور اس کی ماں ہے۔ وہ ان دونوں پہ آنچ آنے نہیں دے گا۔ بس زرشہ کو اس پر بھروسہ کرنا ہے۔ زرشہ کا مان نہیں ٹوٹنے دینا۔ زرشہ کو قائم رہنا ہے۔ اسے مضبوط رہنا ہے۔ کسی دیوار کی مانند۔۔۔ کسی مضبوط شجر کی مانند گھنسا یہ فراہم کرنا تھا۔ عالم بہت دیر زرشہ کہ پہلو بیٹھا رہا۔ اب اس نے اس کا سر دپڑتا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اسے یہاں بیٹھے آدھے گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا۔ زرشہ کسمارہی تھی۔ شاید ہوش میں آنے والی تھی۔ عالم فوراً سے پیشتر اٹھا تھا۔ اور اٹھتے ہی باہر کی جانب نکل گیا۔ اس کا رخ دلاور کی جانب تھا۔ اس کہ جاتے ہی زرشہ بدک کہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کہ ہاتھوں پہ کسی کا لمس تھا۔ وہ دہشت زدہ لگتی

Posted On Kitab Nagri

تھی۔ اسنے اٹھتے ہی خود کو ڈھانپا تھا۔ اس کہ قریب والی جگہ گرم تھی۔ بستر پہ سلوٹیں کسی کہ ہونے کا پتہ دے رہی تھیں۔ زرشہ خوف سے کپکپارہی تھی۔ اسے بار بار شمشیر کا ڈرستارہا تھا۔ ”عالم! عالم! کہاں ہو تم؟“

”کون ہے میرا تمہارے سوا؟“ کیوں مجھے اس حد تک آزارہے ہو، جس کہ بعد میرے لیے سوائے موت کہ کچھ بھی نہیں۔۔۔ ”زرشہ پھوٹ پھوٹ کہ رودی تھی۔۔۔ اس نے واپس اپنی ماں کہ پاس جانے کی ٹھان لی تھی۔ یہ جگہ اس کہ لیے نہیں تھی۔ وہ یہاں کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی!

----- “سائیں!” “طلاق کہ پیپر زیار کروائیں، میں کل ہی اس مصیبت اور بدنامی کہ داغ سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔ اور میرے لندن کی فلائیٹ کروائیں، میں نکاح کہ دن ہی مارح کہ ساتھ باہر جانا چاہتا ہوں۔” عالم دلاور کہ پاس موجود تھا۔ جو اسٹڈی میں آرام دہ کرسی پہ جھولتے، سگار کہ کش لگانے میں مصروف تھے۔ “ہوں۔۔۔” بڑی دیر کردی مہرباں آتے آتے۔۔۔ دلاور کا موڈ خوشگوار تھا۔ “چلو۔۔۔ میرا خون ہونے کا ثبوت دیا تم نے۔۔۔” مرد کو کمزور نہیں ہونا چاہیے۔ اور عورت ذات کہ پیار میں تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔۔۔ دلاور معنی خیز انداز میں کہتے زیر لب مسکرا رہے تھے۔ عالم کہ چہرے پہ مثبت تکلیف کہ آثار انھیں عالم کہ دل میں ٹھاٹھیں مارتے زرشہ کہ محبت کہ سمندر کی بابت اطلاع دے رہے تھے۔

عالم جانے کہ لیے مڑنے ہی لگا تھا کہ انھوں نے فون پہ دو کافی کہ آرڈر دیے۔ “آبیٹھ ادھر۔۔۔ میرے شیر۔۔۔ دلاور سائیں کی خوشی عروج پر تھی۔ عالم کو سوچ میں گم چھوڑ کر وہ اٹھے، انھوں نے اپنے پیچھے موجود کتابوں کہ بڑی الماری کو مخصوص انداز میں حرکت دی تو وہ کای دروازے کی مانند کھلتی چلی گئی۔ اس کہ کھلتے ہی ایک سیف سامنے تھی۔ جس پہ کوڈ تھا۔ دلاور خوشی میں اس قدر غرق تھے کہ انھوں نے عالم کی نگاہوں کی پرواہ کیے بغیر کوڈ ڈالا اور اسے وا کیا۔ اس کہ اندر مختلف رنگوں کی فالٹین تھیں۔ ایک فائل کہ اندر سے انھوں نے چند کاغذات

Posted On Kitab Nagri

نکالے۔ سیف کھلا چھوڑ کر عالم کی جانب بڑھے۔ جس نے دانستہ سرزمین میں گھاڑ لیا۔ ”یہ لے۔۔ تیرا بھائی وقت سے پہلے کام کرنے کا عادی ہے۔ انھیں سائین کر اس کہ منہ پہ مار اور اسے یہاں سے چلتا کر۔۔ ان دو ٹکے کی لڑکیوں کی یہی اوقات ہوتی ہے۔ اور ہاں، اپنا صدقہ اتار کہ کچھ رقم دے دینا۔۔ دلاور سائین نے طلاق کہ کاغذات عالم کو تھمائے تھے۔ وہ اس قصہ کو ابھی کہ ابھی تمام کرنا چاہتے تھے۔ عالم انھیں تھام کر اندر تک لڑ گیا تھا۔ گراس کی سانسیں بھی ضبط کر لی جاتیں، یا اس کہ وجود میں گرما گرم سلاخیاں داغیں جاتیں، یا اسے سولی پہ چڑھا دیا جاتا اور افیت سے نوازا جاتا تب بھی وہ یہ کام نہ کرتا، جس کام کی توقع اس کا بھائی اس سے کر رہا تھا۔۔۔۔۔“ میں فقط اسے طلاق نہیں دوں گا بلکہ اس کی گلی میں اسے پھینک کہ آؤں گا، اس کہ لوگوں کا بتاؤں گا کہ عالم شاہ کہ نکاح میں ہوتے ہوئے، اس کہ ساتھ غداری کرنے والی عورت کا انجام کیا ہوتا ہے۔۔۔۔۔!!! ”عالم کی نسیں مارے غصے کہ پھٹ جانا چاہتی تھیں۔“ پر سائین! آپکو میرا ایک کام کرنا ہو گا۔ ”عالم نے جاتے جاتے یکدم مڑ کر کچھ سوچتے ہوئے دلاور سے کہا تھا۔“ بول بچے۔۔ تیرے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔ ”دلاور سائین نے تڑپ کر کہا تھا۔“ میں اپنا یہاں کا کاروبار آپ کہ نام کر رہا ہوں۔ میں ایک لمبا عرصہ باہر گزارنا چاہتا ہوں۔ میرے پار ٹنر ز اور دیگر شئیر ہولڈرز پہ یقین نہیں کر سکتا۔ آپکو پاور آف اٹارنی دیکر جاؤں گا۔ سب سنبھال لینا۔۔ ”عالم کہ لہجہ میں جہاں بھر کی عقیدت رقم تھی۔“ تو چاہتا ہے تو یہ بھی۔۔ لیکن تو جانتا ہے مجھے تیرے کاروبار یا روپے میں قطعاً دلچسپی نہیں ہے۔ ”دلاور سائین نے سگار کو پھر سے سلگاتے کہا تھا۔“ جلدی آنا۔ تیرے بنا کافی حلق سے نہیں اترے گی۔ ”دلاور نے عالم کو تنبیہ کی تھی۔ عالم سر ہلاتا وہاں سے نکلا اور زرشہ کہ کمرہ کی جانب بڑھا۔“ رضیہ! کام پہ لگ جاؤ۔ ”عالم کہ نکلتے ہی دلاور نے پھر کال گھمائی تھی۔“ اٹھو! بہت کر لیا عیش تم نے۔۔ شمشیر جیسے آدمی کہ تعلق بناتے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی۔ اپنا حلیہ، اپنا پردہ دیکھو اور کر توت دیکھو۔۔

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

[illegible]

Posted On Kitab Nagri

سب کی شروعات تب ہوئی جب زرشہ کو اغواہ کروایا گیا۔ وہ زرشہ کو اغواہ کروانے کے بعد اچھی جگہ، اچھے کمرہ میں رکھنا چاہتے تھے اسی کانھوں نے حکم بھی دیا تھا۔ لیکن شمشیر نے جان بوجھ کر اپنی مرضی چلانا چاہی۔ (ادھر عالم شاہ بھی گارڈز کو چکمہ دیکر کوٹھی سے نکل چکا تھا۔ دونوں کی منزل ایک ہی تھی۔ عالم کہ دل و دماغ میں بھی پچھلے حالات گردش کر رہے تھے۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ سکوں سے براجمان تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا وہی میں جو نہی وہ کام سے فراغت پا کر فلیٹ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے نیٹ آن کیا۔ آن کرتے ہی دھڑا دھڑاٹس ایپ پہ میسیجز موصول ہوئے۔ میسیجز پڑھنے کے بعد عالم نے جوش کہ بجائے ہوش سے کام لیتے ہوئے لائحہ عمل ترتیب دیا۔) دلاور شاہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ سگارا انگلیوں میں دبائے براجمان ہنوز ماضی کے درپچوں میں ہی جھانک رہے تھے۔ انھیں اب یاد آیا تھا پاکیزہ کی اچانک بیماری اور ہسپتال منتقل ہونا یاد آیا تھا۔ اس سب میں بھی انھوں نے حواس بحال رکھے۔ کیونکہ ان کے بقول مرنے والا تو مر جاتا ہے لیکن جینے والے نے تو بہر کیف زندہ رہنے کا انتظام کرنا ہے نا۔ اور بحیثیت کامیاب سیاستدان انھوں نے اس واقعہ کو بھی اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنا تھا۔ انھوں نے کیا بھی۔۔۔ کیسے؟ وہ سوچ کر ہی مسکرا رہے تھے۔ انکی خوش قسمتی کہ شیر و زرشہ کو ڈھونڈتے ہسپتال پہنچ گیا۔ انھوں نے زرشہ کو حویلی منتقل کروایا۔ زرشہ کو یہی باور کروایا گیا کہ دلاور سائیں اس کی عزت کرتے ہیں۔ شیر و کو بھی مطمئن کر دیا گیا۔ اور حویلی کے ملازمین نے بھی دیکھ لیا کہ زرشہ عزت و احترام کے ساتھ حویلی رہ رہی ہے۔ جو اسکی جگہ تھی۔ کیونکہ دلاور کے کام کرنے کا اصول ہی یہی تھا، وہ سب کو اعتماد میں رکھتے تھے۔ یہی تو کھیل کا اصل ہنر تھا۔ (عالم نے پاکستان پہنچتے ہی شیر و سے رابطہ کیا تھا۔ یہاں لینڈ کرتے ہی عالم نے جو نہی موبائل آن کیا، اسے پھر سے میسیجز ملے۔ مگر اس بار زرشہ کہ نہیں پاکیزہ کہ تھے۔ پاکیزہ کی حالت بگڑ رہی تھی۔ انھوں نے چیدہ چیدہ صورتحال سے عالم کا آگاہ کیا تھا۔ انھوں نے عالم کو بتا دیا تھا کہ دلاور، اماں کا قاتل ہے۔

Posted On Kitab Nagri

دلاور زرشہ کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ زرشہ سے عالم کو ہر حال میں شادی کرنی چاہیے۔ انھوں نے زرشہ کو عالم کہ سپرد کر دیا تھا۔ عالم اب بھی وہ سب مسیجز پڑھ رہا تھا۔ جنہیں پڑھتے ہی تکلیف کی ایک لہر اس کہ سینے سے برآمد ہوتی تھی۔ (دلاور سائیں سوچ رہے تھے کہ کیسے انھوں نے جان بوجھ کر زرشہ کو پاکیزہ کی جگہ دی۔ تاکہ اسے اور عالم کو یہی لگے کہ دلاور نے اسے نہ صرف بھابھی بلکہ بہن کہ روپ میں قبول کیا ہے۔) پاکیزہ کہ بارہا باور کروانے کہ بعد عالم سیدھا ہسپتال پہنچا تھا۔ جہاں اس کی توقعات کہ عین مطابق دلاور نے اپنا پہلا حربہ آزمایا۔ اسے زرشہ سے بدظن کیا۔ یہ بتا کر کہ وہ پاکیزہ کی حالت کی ذمہ دار ہے۔ عالم چاہتا تو اسی وقت دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتا۔ لیکن اس نے حالات کا جائزہ لینے کہ بعد ایکشن لینے کی ٹھانی۔ اور وقت کا تقاضا تھا کہ وہ دلاور سائیں کی ہاں میں ہاں اور نہ میں نہ ملاتا جائے۔ لہذا وہ یہی کیے گیا۔ وہ جانتا تھا کہ دلاور کہ سارے ملازمین اس کہ ساتھ ملے ہیں لہذا اسے احتیاط سے کام لینا ہے۔ اس نے بھی وہی کیا۔ گو کہ زرشہ کا دل بار بار توڑا، لیکن وہ مجبور تھا۔ اسے ابھی بھی زرشہ کا ڈرا سہا چہرہ یاد آ رہا تھا جب اس نے زرشہ پہ فائلز چوری کا الزام لگایا۔ کیسے زرشہ ٹوٹی تھی۔۔۔ کیسے اس کا دل بکھرا تھا۔۔۔ عالم ابھی بھی تڑپ اٹھا تھا۔۔۔ (دلاور شاہ سوچ رہے تھے کہ عالم کی منگنی والے دن انھوں نے اپنے تئیں تو زرشہ کو بلوایا تھا۔ وہ زرشہ کو دکھانا چاہتے تھے کہ منگنی عالم اپنی مرضی سے کر رہا ہے، وہ تو ابھی بھی زرشہ کو بھابھی مانتے ہیں۔ وہی گڈ کاپ بیڈ کاپ! لیکن منگنی میں ہوئی بدمزگی اور زرشہ کی ہمت ان کہ پلان کا حصہ بالکل نہیں تھی۔) عالم کو اپنی منگنی یاد آئی تھی۔ کیسے زرشہ سب کی آنکھوں میں آنکھوں ڈال کہ اونچے قد سے کھڑی تھی۔۔۔ اسے تب وہ پرانی زرشہ احسان علی لگی تھی۔ اپنا حق چھین کہ لینے والی۔۔۔ بلکہ دوسروں کہ حقوق میں سے بھی کچھ لے اڑنے والی۔ عالم ابھی بھی سر پیچھے پھینک کہ

Posted On Kitab Nagri

ہنسا تھا۔۔ ہنستے ہوئے اس کہ دانت نمایاں ہوتے تھے۔ اب بھی ہو رہے تھے۔۔ گزر رشہ یہاں ہوتی تو اپنے عالم کی اس ہنسی پہ ضرور فدا ہو جاتی۔)

دلاور سائیں سوچتے سوچتے اس نہج پہ پہنچے تھے کہ کیسے وہ عالم کو زرشہ سے بد ظن کرتے رہے۔ سب سے پہلے پاکیزہ کی موت کا الزام زرشہ پہ لگوا کر۔ پھر انھوں نے زرشہ کو پاکیزہ کہ کمرہ میں منتقل کروا کہ عالم کو یقین دلایا کہ زرشہ نے پاکیزہ کو مارا ہی اس لیے کہ اسکی جگہ لے سکے۔ اب دیکھو وہ لے چکی اس کی جگہ! انھوں نے پاکیزہ کی اہم فائلز زرشہ کہ کمرہ سے برآمد کروائیں۔ عالم کو مزید یقین ہو گیا۔ اب وقت قریب تھا کہ وہ آخری کھیل کھیلیں اور زرشہ کو مات دیں۔ شاید عالم کو بھی۔ ان کہ نزدیک عالم کہ لیے سب سے بہتر وہی سوچ سکتے تھے۔ عالم ان کا شیر جو تھا! انھیں معلوم تھا کہ پاکیزہ کہ کمرہ کا مرکزی دروازہ باہر سے واحد چابی سے کھلتا ہے۔ انھوں نے وہ چابی پہلے ہی شمشیر کہ حوالہ کر دی۔ ظاہر ہے چابی رضیہ کہ ذریعہ نکلائی گئی۔ مقررہ وقت پر عالم کو انجان نمبر سے میسج بھیجا گیا۔ ادھر بھی سب تیار تھا۔ شمشیر نے مقررہ وقت پر دھاوا بولا۔ اور تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چابی واپس دراز میں رکھی۔ بیٹھک کی جانب کھلنے والا دروازہ باہر سے کھل سکتا تھا۔ جسکی ایک چابی رضیہ کہ پاس رہتی تھی۔ دلاور سائیں نے وہاں سے انٹری ماری۔ عالم کی گاڑی کی آمد پہ شمشیر بستر پہ دراز ہو گیا۔ سب ٹھیک چل رہا تھا۔ عالم کو جو دیکھنا چاہیے تھا اس نے وہی دیکھا۔ سائیں نے عالم کہ سامنے اچھا بننے کہ لیے شمشیر کو جیل میں بند کروایا۔ عالم سب برداشت کر سکتا تھا لیکن بیوی کی بیوفائی نہیں۔ پہلے پاکیزہ کی موت میں زرشہ کا ہاتھ، پھر شمشیر کہ ساتھ ایک کمرہ میں۔۔۔ عالم کہ لیے یہ سب ضرورت سے زیادہ ہی ہو گیا۔ دلاور سائیں کی منزل قریب تھی، وہ آج ضرورت سے زیادہ مطمئن اور خوش تھے۔ ان کا کھیل بلا آخر پایہ تکمیل تک پہنچا تھا۔ ان کا عالم پورے کا پورا

Posted On Kitab Nagri

انہیں واپس ملا تھا۔ عالم کی زندگی پہ انہیں مکمل اختیار مل گیا تھا۔ ویسے ہی جیسا پاکیزہ کی زندگی پہ تھا، اپنی بیوی کی زندگی پہ تھا۔ اب عالم کی زندگی، اور اسکا ہر فیصلہ یہاں تک اس کی شریک حیات میں بھی ان کی منشا شامل تھی۔ (عالم کہ لیے تکلیف دہ وقت وہ تھا جب اسے مسیح موصول ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ دلاور گر سکتا ہے مگر اتنا گرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا، عالم کس طرح اڑتا ہوا اس وقت حویلی پہنچا تھا، فقط وہی جانتا تھا۔ شمشیر کو زرشہ اور پاکیزہ کہ بستر پہ دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا اسے گولی سے اڑا ڈالے۔ لیکن ابھی اسکا وقت دور تھا۔ اسے تحمل کا مظاہرہ کرنا تھا سو اس نے کیا۔ اس نے منگنی بھی تو کر لی نا۔ ادا کو یقین دلانے کہ لیے کہ وہ پورے کا پورا اُن کا ہے۔ اب یہ بھی اسے کرنا تھا۔ دلاور کی ساری کہانی کمال تھی۔ ہاں ایک جھول ضرور تھا۔ جس دراز سے انہوں نے چابی برآمد کی تھی، پاکیزہ نے کبھی وہ چابی اس جانب رکھی ہی نہیں۔ وہ چابی ہمیشہ دوسری طرف والے دراز میں ہو کرتی تھی۔ عالم کو یقین تو زرشہ پہ ویسے بھی تھا، دلاور کا جھول پکڑنے کہ بعد اسے مزید تقویت ملی تھی۔ اب اسے وہ سب کرنا تھا جسکا مطالبہ دلاور نے اس سے کیا۔ اس نے طلاق نامہ بھی لیا۔ وہ جانتا تھا رضیہ آئے گی۔ اس نے دروازہ قصد اگھلا چھوڑا۔ اس نے زرشہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی پوری حویلی میں گھسیٹا، تاکہ سب گواہ رہیں کہ عالم نے زرشہ کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا ہے۔ زرشہ اس کھیل کا حصہ تب بنی جب عالم طلاق نامہ لیکر اس کہ کمرہ میں گیا۔ عالم نے ایک چٹ اسکی جانب اچھالی۔ جسے پڑھ کر وہ سب سمجھ گئی۔) دلاور سائیں کی منزل آچکی تھی۔ یہ الیکشن کمیشن کا دفتر تھا۔ یہاں آج ضرورت سے زیادہ رش تھا۔ ظاہر ہے آج آخری تاریخ تھی۔ ایسا انہوں نے سوچا تھا۔ آج میڈیا والے کثیر تعداد میں موجود تھے۔ انہیں اس سب کی عادت تھی، لیکن آج شاید سب ضرورت سے زیادہ ہو رہا تھا۔ دلاور سائیں کی گاڑی رکی ہی تھی کہ میڈیا والے فوج در فوج ان کی جانب دوڑے تھے۔ وہ بھی منجھے ہوئے تھے۔ گاڑی سے اترنے سے پہلے انہوں نے کالا شیشہ نیچے اتارا۔ اور انہیں جو

Posted On Kitab Nagri

دکھائی دیا، وہ انھیں سب سمجھانے کے لیے کافی تھا۔ ان کے عین سامنے عالم کی سفید لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ ان کے گارڈز کے بقول عالم کو ٹھی میں تھا۔ لیکن عالم یہاں تھا۔ مطلب انھیں دھوکہ دیا گیا۔ میڈیا کے علاوہ دیگر عوام بھی وہاں تھی۔ میڈیا والے جس طرح ان کی گاڑی کی جانب چڑھ دوڑے تھے، وہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ ہلکا سا شیشہ نیچے کرنے پہ انھیں صحافیوں کی جانب سے مختلف سوالات سنائی دیے۔ درجنوں مائیکس کا رخ ان کی جانب تھا۔

“دلاور شاہ! آپ کہ قریبی ساتھی پہ قتل کا الزام ہے۔ انھوں نے ایک بڑھیا کو ہسپتال کی سیڑھیوں پہ گولی ماری۔ ہسپتال کے سامنے موجود مارکیٹ میں لگے سی سی ٹی وی کیمرہ میں سب ریکارڈنگ موجود ہے۔ گاڑی کا نمبر تک واضح ہے۔ یہ وہی گاڑی ہے جو ابھی بھی آپ کہ ذاتی گارڈز استعمال کرتے ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا کہنا ہے؟”

سر! آپ کی آف شور کمپنیاں جو ابھی نکلے ہیں ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟”

سر آپ دہری سٹی زن شپ کے مالک ہیں، آپ نے یہ بات اب تک کیوں چھپائی؟”

سر عوامی نمائندہ ہونے کے باوجود آپ نے معصوم عورت کا قتل کروایا، ذرائع کے مطابق آپ کی مرحوم بہن بھی آپ کی وجہ سے ہسپتال پہنچیں، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟”

سر آپ نے آخری وقت پہ الیکشن لڑنا ملتوی کیوں کیا؟ آپ نے اپنی کرسی ایک عورت کے لیے کیوں خالی کی؟”

ایسے بہت سے سوالات دلاور سائیں کی دنیا پل بھر میں تہہ وبالا کر رہے تھے۔

ان کا دل ڈوب رہا تھا۔ اسی اثناء میں عالم شان سے گاڑی سے اتر اٹھا۔ اس کی نگاہیں دلاور سائیں کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ اس کی نگاہوں اور انداز میں بساط الٹ دینے اور مات کو لوٹا کر جیت جانے والے کھلاڑی کے جیسی چمک تھی۔ اس نے دلاور شاہ کی بساط کو الٹا تھا۔ دلاور شاہ کو اوندھے منہ گرایا تھا۔ دلاور شاہ کا دھیان اب موبائل کی جانب گیا تھا۔ انھوں نے خود اسے سائلنٹ پہ لگایا تھا۔ وہ دنیا سے کچھ وقت کے لیے دور رہ کر، اپنی جیت کا مزہ لینا چاہتے تھے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ چند پل ان کی زندگی، اس کا سیاسی کیرئیر سب کچھ داؤ پہ لگانے کے لیے

Posted On Kitab Nagri

کافی ہوں گے۔ پہلی دفعہ کی غلطی انھیں مہنگی پڑ گئی تھی۔ لیکن وقت ابھی گزرا نہیں تھا۔ رپورٹرز دھڑادھڑ گاڑی کاشیشہ بجا رہے تھے۔ اُدھر عالم بھی ان کہ عین سامنے کھڑا دعوت دے رہا تھا۔ انھیں ابھار رہا تھا۔ سائیں نے فیصلہ لینا تھا۔ انھوں نے لیا۔ وہ کامیاب سیاستدان تھے۔ بساط بچھانا اور الٹان کا خاصہ تھا۔ انھیں جیسے یاد آیا تھا۔ انھیں حکومتی عہدہ داروں کی کالز آرہی تھیں۔ پارٹی کہ کارکنان، حتیٰ کہ پارٹی کا صدر تک کال کر رہا تھا۔ ظاہر ہے جواب طلب کرنا تھا۔ وہ جان چکے تھے کہ سب کچھ اس وقت تمام نیوز چینلز پہ گرد کر چکا ہے۔ وہ اب گاڑی سے اتر رہے تھے۔ سنہری کھسہ پہنے، مخصوص لاٹھی سے قدم قدم اٹھاتے، سامنے آرہے تھے۔ دماغ میں عجیب جنگ جاری تھی۔ جلد ہی ان کہ لیے اونچے ڈیسک کا انتظام کیا گیا۔ تمام رپورٹرز نے اپنے اپنے مائیک وہاں لگا دیے۔ انھوں نے ڈیسک کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ عالم شاہ سفید لباس اور سیاہ چادر پہنے شان سے قدم قدم چلتا ڈیسک تک آیا تھا۔ وہ دلاور شاہ کاشیر تھا، بازو تھا۔ وہ بھلا ان کہ کڑے وقت میں ان سے دور کیونکر رہتا؟ چھوٹا سا فاصلہ طے کرنے میں دلاور سائیں کی زندگی کس طرح اندھیر ہوئی تھی فقط وہی جانتے تھے۔ وہ بھی کس کہ ہاتھوں۔۔۔۔۔؟؟؟؟ ان کہ بیٹے، ان کہ بھائی، ان کہ بہنوئی، ان کہ مان ان کہ عالم کہ ہاتھوں۔۔۔۔۔“ سر آپ کی آف شور کمپنیاں ہیں؟ ان کی تمام تر تفصیل ہمارے پاس موجود ہے۔ آپ کیا کہیں گے؟“ ایک صحافی نے کاغذات کا پلندہ ان کہ سامنے لہراتے سوال کیا تھا۔ (یہ کاغذات ان کی سیف میں تھے۔ جہاں تک ان کہ علاوہ کسی کی رسائی ممکن نہیں تھی۔ یہ باہر کیسے آئے؟ انھوں نے عالم کو دیکھا تھا۔ ہاں انھوں نے عالم کہ سامنے اسے کھولا تھا۔ لیکن عالم تو پھر حویلی آیا ہی نہیں۔۔۔۔۔“ سائیں! لوگوں کو خریدنے کہ دو طریقے ہیں۔۔۔ دولت اور خوف۔ آپ نے دولت کا استعمال کیا، میں نے خوف کا۔۔۔!!!“ عالم نے ان کہ کان کہ قریب جھکتے ہوئے رازداری سے کہا تھا۔“ رضیہ!“ ایک ہی نام دلاور سائیں کہ کانوں میں گونجا تھا۔“ آپ کی دوہری سٹی زن شپ کہ بارے

Posted On Kitab Nagri

میں کیا کہنا ہے؟ سر بوڑھی عورت کہ قتل میں آپ کا ذاتی بندہ ملوث ہے، کیا کہیں گے؟ ”شمشیر میرا ذاتی محافظ تھا، جو نہیں مجھے اس کہ بارے میں خبر ملی، میں نے اسے بند کر دیا۔ آپ جیل جا کر پتہ کر سکتے ہیں۔ دلاور سائیں انصاف کا علمبردار ہے، اور انصاف کہ حصول کہ لیے، اسے اپنوں کو بھی جیل بھجوانا پڑے تو وہ دریغ نہیں کرتا۔“ دلاور کا لہجہ مستحکم اور انداز دو ٹوک تھا۔ ”تم تو خواتین کی عزت کرتے تھے، ماہ رخ بیچاری کا کیا، جس کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنائی تم نے؟“ دلاور نے سرگوشی کہ سے انداز میں عالم کہ قریب جھکتے کہا تھا۔ ”ہاں وہی ماہ رخ جو میرے نام کی انگوٹھی پہننے کہ باوجود اپنے دوست کہ ساتھ شہر بھر میں پھرتی نظر آتی ہے۔۔۔“ عالم نے جواباً ماہ رخ کی تصویر دلاور کہ سامنے لہرائی تھی، جس میں وہ ایک انجان لڑکے کا ہاتھ تھامے ہوٹل سے برآمد ہو رہی تھی۔ ”سر آپ نے آخری وقت میں الیکشن لڑنے سے دستبرداری اختیار کی؟ وہ بھی ایک عورت کہ لیے سیٹ چھوڑ دی؟ کیوں؟“ ایک اور سوال آیا تھا۔ ”عورت کہ لیے۔۔۔؟؟؟“ دلاور سائیں کو اچھنبا ہوا تھا۔ انھوں نے زیر لب بڑبڑایا۔ تبھی انھیں یاد آیا تھا کہ عالم نے ان سے چند پیپر زپہ دستخط کروائے تھے۔ اوہ تو وہ اس کہ پیپر ز تھے۔ انھوں نے عالم کی جانب دیکھ کر ویل ڈن کا اشارہ کیا تھا۔ عالم نے چھاتی پہ ہاتھ رکھ کر سر جھکا کہ ”مائی پلیس“ کہا تھا۔ تبھی سامنے سے سفید عبا یا اور سفید ہی اسکارف لپیٹے ایک لڑکی الیکشن کمیشن کہ دفتر سے برآمد ہوئی تھی۔ اس کہ ساتھ شیر و تھا۔ اس نے سفید بیگ اٹھا رکھا تھا۔ ہاتھوں میں کاغذات کا پلندہ سا تھا۔ عالم نے جوش سے ہاتھ بڑھا کر اس کی جانب اشارہ کیا تھا۔ ”اُن کہ لیے۔۔۔!!“ رپورٹرز نے ادھر اشارہ کیا تھا۔ عالم نے بازو پھیلا کہ والہانہ استقبال کیا تھا۔ ”زرشہ“ دلاور سائیں کی نگاہیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ ان کہ پاؤں تلے سے زمیں کھینچی گئی تھی۔ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ میں زرشہ عالم شاہ، ان شاء اللہ اس بار الیکشن لڑوں گی۔“ زرشہ نے مائیک سنبھالا تھا۔ رپورٹرز کا رخ اب دلاور کی جانب تھا۔ دلاور کا بے اختیار عالم کی بات یاد آئی تھی: ”سائیں

Posted On Kitab Nagri

وقت وقت کی بات ہے۔ ابھی میرا وقت نہیں ہے۔ اور میں مات پہ نہیں، ”شہ مات“ ”پہ یقین رکھتا ہوں۔“ انھوں نے پھر بھی خود کو سنبھالا اور گلا کھنکھار کہ بات کا آغاز کیا: ”میں خواتین کے حقوق کا علمبردار ہوں۔ ہمیشہ سے معاشرہ میں خواتین کے مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کے لیے کام کیا۔ آپ سب جانتے ہیں۔ اسی لیے اس بار میں نے اپنی بھابھی کو اپنی سیٹ عنایت کی۔“ دلاور سائیں نے موقع پہ چوکا مارا تھا۔ رپورٹرز اب دیگر سوالات کر رہے تھے کہ، دلاور سائیں چھاتی کہ بائیں جانب ہاتھ رکھتے لڑکھڑائے طاورد لخر اش چیخ بلند کرتے زمیں بوس ہوئے۔ وہاں کھلبلی مچ گئی۔ ملک گیر خبر دوڑ گئی، کہ معروف سیاستدان کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ انھیں جلد از جلد ہسپتال پہنچایا گیا۔ عالم جانتا تھا یہ کوئی چال ہو سکتی ہے۔ اس نے ہسپتال میں اپنے بندے تعینات کیے۔ سب سے پہلے اس نے دلاور کا نام ای سی ایل میں ڈالنے کی کوششیں کی۔ ادھر دلاور کا علاج جاری تھا۔ وہ آئی سی یو میں تھے۔ پوری رات سب کی جاگتے سوتے گزری۔ تمام نیوز چینلز اس خبر کو جی بھر کر کوریج دے رہے تھے۔ اگلے دن صبح، دس بجے ڈاکٹر نے عالم کو دلاور سے ملنے کی اجازت دی۔ عالم یہی تو چاہتا تھا۔ اس نے شکر ادا کیا کہ دلاور نے کوئی ہیرا پھیری نہیں کی۔ ورنہ تو اس سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی تھی۔ دلاور کے لیے ہسپتال میں سیکورٹی کے خاطر خواہ انتظامات کیے گئے تھے۔ جس فلور پہ دلاور کور کھا گیا تھا وہ باقی کوئی مریض نہیں تھا۔ عالم جب کمرہ میں پہنچا تو باہر درجنوں کی تعداد میں پولیس و دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے کارکنوں کو دیکھ کر اسے تسلی ہوئی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو بستر خالی تھا۔ وہ ٹھٹھکا۔ ”شاید باتھ روم میں ہوں۔“ عالم نے سوچا تھا۔ لیکن اس کا لا شعور اسے کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ ”اس نے باتھ روم چیک کیا۔ خالی تھا۔ عالم نے سر تھام لیا۔ اس نے بستر کھنگالا، وہاں ایک کاغذ نفاست سے طے شدہ پڑا تھا۔ عالم نے کھولا: ”میرے شیر! تم نے آج میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا۔ دلاور شاہ کا بھائی، ایسا ہی ہونا چاہیے۔ لیکن کہانی ابھی ختم نہیں شروع ہوئی ہے۔ میں جارہا

Posted On Kitab Nagri

ہوں۔ واپس آنے کے لیے۔۔۔۔ پھر زندگی کہ کسی دور ہے پہ ملاقات ہوگی۔۔ اللہ کی امان میں!“ پڑھتے ہوئے عالم کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ نہ کچھ گڑ بڑ تھی۔ لیکن اتنی سیکیورٹی میں۔۔۔؟؟؟ عالم نے دو تین نمبر گھمائے تھے۔ دلاور سائیں کو جس ایمبولینس میں لیجا یا گیا وہ راستے میں ہی بدل گئی۔ ان کی ایمبولینس ہسپتال کے بجائے ایئر پورٹ گئی۔ وہ ہنگامی بنیادوں پہ انگلینڈ اپنے ڈاکٹر ز سے ملنے جا پہنچے۔ ان کے ساتھ حکومت کی اسپورٹ تھی۔ حکومتی عہدہ داروں اور مشیروں کے راز دلاور سائیں کے پاس محفوظ تھے۔ اب وہ بھلا کہاں چاہتے تھے کہ ان کے راز باہر آئیں۔۔ سیاست ایک دلدل کی مانند ہے۔ دلاور سائیں جیسے انسان اسی دن کے لیے تیاری مکمل رکھتے ہیں۔ ان کی بھی تیاری مکمل تھی۔ ملک سے باہر جانا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ہاں عالم کی نگاہوں میں گر جانا، اور اسے ہمیشہ کے لیے کھود دینا ان کے لیے دل کا درد ضرور تھا۔

-----“دلاور سائیں کی سارے بینک اکاؤنٹ فریز کر دیے گئے ہیں۔“ ان کی تمام پراپرٹی ضبط کر دی گئی ہے۔ ان کی مزید تفتیش جاری ہیں۔ وہ علاج کے لیے باہر کیسے چلے گئے، اپوزیشن والے سراپہ احتجاج و سراپہ سوال ہیں۔ ان کا دھرنہ جاری ہے۔ وہ دلاور سائیں جیسے انسان کی ملک واپسی اور کڑی سزا کا مطالبہ کر رہے ہیں۔““دلاور سائیں کو واپس لاؤ“ ملک گیر ہونے والے احتجاج میں لوگوں کا ایک ہی مطالبہ ہے۔ ان کے خلاف مزید ثبوت مل چکے ہیں۔ کئی روز تک یہی خبریں ملک بھر میں سنائی دیتی رہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک ماہ بعد: الیکشن سر پر تھے۔ زرشہ اور عالم الیکشن کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ ایک ماہ بعد تاریخ ساز معرکہ لگنے والا تھا۔ آج عالم نے شیر و کہ ولیمے کی تقریب رکھی تھی۔ تقریب بہت بڑی تھی۔ ملک بھر سے نامور شخصیات نے شرکت کی تھی۔ شیر و اور مینا ساتھ ساتھ بہت خوش تھے۔ خوش بخت بیگم نے دلہنار بیگم سے بھی ملاقات کی تھی۔ عالم نے اپنی بھابھی کو بھی مدعو کیا تھا۔ حالات معمول کے مطابق لوٹ رہے تھے۔ زرشہ اس وقت تیار ہو

Posted On Kitab Nagri

رہی تھی جب عالم اسے بلانے کے لیے کمرہ میں داخل ہوا۔ ”دلہن اسٹیج پہ بیٹھی ہے محترمہ اور آپ ابھی تک کمرہ میں ہی موجود ہیں۔“ ”عالم زرشہ کہ چہرہ پہ نگاہیں جماتا، پیار سے بولا تھا۔“ مجھے آپ کا آنے والا یادالی ولی عہد موقع دیں تو میں باہر نکلوں نا۔۔۔“ ”زرشہ کا اشارہ بار بار آنے والی متلی کی جانب تھا۔“ ہائے۔۔۔ پھر تو ساری زندگی انتظار کرنے کے لیے تیار ہیں ہم۔۔۔۔“ ”عالم نے دل پہ ہاتھ رکھتے کہا تھا۔ اس نے آج کے لیے زرشہ کے لیے بہت نفیس ڈریس تیار کروایا تھا۔ یہ سفید پاؤں کو چھوتی میکسی تھی۔ جس پہ سفید موتیوں اور دھاگے کا کام تھا۔ اس نے ہیرے کا نازک سے سیٹ ساتھ پہنا تھا۔ وہ اس وقت آسمان سے اتری کوئی اسپر الگ رہی تھی۔ عالم اسے دیکھ دیکھ جیتا تھا۔“ ”برائے کرم! آپ اب باہر مردوں میں جائیں، لوگ انتظار کر رہے ہیں۔“ ”زرشہ نے عالم کو کندھوں سے تھام کر باہر کی راہ دکھائی تھی۔“ ”بیگم صاحبہ! ایسا ظلم نہ کریں۔ آپ کو دیکھنے سے خود کو ہم جیسے پاگل بھلا کیسے باز رکھیں۔۔۔“ ”عالم کا موڈ کچھ اور ہی کہانی سنارہا تھا۔“ ”فی الحال تو باہر جائیں نا۔ تقریب ختم ہو جائے گی۔ میں بھی نقاب درست کر کے آتی ہوں۔“ ”زرشہ نے بمشکل عالم کو باہر نکالا تھا۔ آج کا دن اس کے لیے یادگار ترین تھا۔ اس کی مینا کو اس کا پیار ملا تھا۔ اسے بھی تو عالم پورے کا پورا واپس مل چکا تھا۔ اور پھر اللہ نے اسے اولاد جیسی خوشخبری سے بھی تو نوازا تھا نا۔۔۔ خوش بخت بیگم کہ علاوہ دلہن بیگم کہ روپ میں ایک اور ماں بھی ملی تھی۔ سب کچھ مکمل تھا۔ وہ اللہ سے اور کیا چاہتی تھی۔۔۔؟؟؟ اللہ نے اس ساتھ دیا تھا۔ آج اسکی تکالیف و مصیبتوں کا اختتام ہوا تھا۔ جو جو اس نے برداشت کیا تھا، آج اس سب کا صلہ اسے اسطور ملا تھا۔ کیونکہ وقت سب کا آتا ہے، مگر وقت لگتا ہے۔ اللہ نے سب کو نوازا ہوتا ہے، لیکن سب کچھ نوازنے سے پہلے وہ آپ کو کندن بنانا چاہتا ہے۔ زرشہ سب سہ سہ کر کندن بن چکی تھی۔ اسے بے اختیار پاکیزہ یاد آئی تھی۔ اسے پاکیزہ کبھی بھولی ہی نہیں تھی۔ بھول سکتی ہی نہیں تھی۔ اس کا ہر لمحہ، ہر دن پاکیزہ کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہ پاکیزہ سے مشورے لیتی تھی، اپنی

Posted On Kitab Nagri

خوشیاں اس کہ ساتھ بانٹتی تھی۔ پاکیزہ ہی تو اس کو بدلنے کا وسیلہ بنی تھی۔ وہ اسے کیسے یاد نہ رکھتی۔۔۔؟؟؟

----- ایک ماہ بعد الیکشنز میں زرشہ عالم شاہ نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی تھی۔ اس نے نیشنل اسمبلی کی سیٹ جیتی تھی۔ اس کا خواب اپنے علاقہ اور خاصکر خواتین کی بہتری و بحالی کہ لیے کام کرنا تھا۔ اور وہ اس حالت میں بھی وہی کر رہی تھی۔ اس کو دیکھا دیکھی نجانے کتنی لڑکیوں نے اس جیسا حلیہ اپنایا تھا۔ اس نے پردہ کو عام کیا تھا۔ لڑکیوں کی پڑھائی و ہنر سکھانے میں وہ پیش پیش تھی۔ علاقہ بدل رہا تھا۔ لوگ بدل رہے تھے۔ وقت بدل رہا تھا۔ زرشہ اپنے ساتھ خوش بخت بیگم کو بھی حویلی لے گئی تھی۔ دلہنار بیگم نے اپنا ٹھکانہ چھوڑنے سے منع کیا تھا۔ انھیں ان کہ شوہر نے وہاں چھوڑا تھا، وہ اس جگہ کو کسی صورت چھوڑنے کہ لیے تیار نہیں تھیں۔ زرشہ نے ان کی خواہش کا احترام کیا تھا۔ ہاں اس نے ان کہ علاقہ کو، ”عزت دار“ ضرور بنایا تھا۔ شمشیر پہ قتل کہ علاوہ دیگر چار جز لگے تھے۔ لیکن اس نے دلاور شاہ کہ بارے میں زباں نہیں کھولی تھی۔ وہ حقیقی وفادار ثابت ہوا تھا۔ زرشہ، عالم، مسنر دلاور اور دلاور سائیں کا معذور بیٹا و نیل چئیر پہ صحافیوں کو انٹرویو دے رہے تھے۔ صحافی خوشگوار ماحول میں مختلف سوالات کر رہے تھے۔ ”میڈم! دلاور شاہ ابھی تک ملک واپس نہیں آئے۔ آپ ان کو واپس لانے کہ لیے کیا اقدامات کرنے جا رہی ہیں؟“ ایک صحافی نے سوال کیا تھا۔

”ہماری پوری کوشش ہے کہ دلاور شاہ سمیت دیگر فرار مجرموں کو وطن واپس لائیں۔ لیکن بد قسمتی سے چند حکومتی عہدہ داروں کی وجہ سے ہم کامیاب نہیں ہو پا رہے۔ لیکن ان شاء اللہ ہم جلد از جلد انھیں یہاں آنے پہ مجبور کریں گے۔۔۔۔۔“ ایسے میں انگلینڈ میں موجود ایک پاکستانی ہوٹل پہ نگاہ ڈالی جائے تو وہاں کا مالک ایک ویٹر کو کام پہ دھیان نہ دینے کہ سبب ڈانٹ رہا تھا جسکی نگاہیں، ٹیلی ویژن پہ جمی تھیں۔ جہاں وطن پاکستان کی نامور سیاسی شخصیت زرشہ عالم شاہ اپنے خاندان کہ ساتھ کھڑی انٹرویو دے رہی تھیں۔ کون جانتا تھا کہ وہ ویٹر، جسکی

Posted On Kitab Nagri

تمام دولت پاکستان میں ضبط ہو جانے کے بعد آج یہاں کوڑی کوڑی کا محتاج بنا ہوٹل میں بیرے کی نوکری کرنے پہ مجبور تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا تھا۔ عالم شاید اسے دکھا رہا تھا کہ اس میں اور دلاور میں کیا فرق ہے؟ اس نے سب کے باوجود دلاور کی فیملی کو سہارا دیا تھا۔ انھیں اپنا یا تھا۔۔۔ وقت گزرتا رہا، دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے، عالم کا پیٹا دنیا میں آگیا۔ عالم نے اسکا نام حسین عالم شاہ رکھا تھا۔ دن بدن عالم اور زرشہ کے پیار میں اضافہ ہوا تھا۔ عالم نے فقط پیار نہیں عشق کیا تھا۔ اور عشق کو ثابت بھی کیا تھا۔ آصف کہ مسیجز اور تصاویر دکھانے کے باوجود عالم نے زرشہ سے روگردانی نہیں کی تھی۔ وہ حقیقی ”مرد“ تھا۔ اس نے ثابت کیا تھا۔ ہاں اتنے سالوں بعد، لندن کے ہوٹل میں کام کرنے والے بیرے نے دن رات کام کر کر کہ اتنا! پیسہ اکٹھا کر لیا تھا کہ وطن واپس جاسکے، ایک نئی شناخت کے ساتھ!

ختم شد

Kitab Nagri

www.kitabnagri.com

Posted On Kitab Nagri

اسلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

www.kitabnagri.com آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، اسٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو
ابھی ای میل کریں۔

samiyach02@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

samiyach02@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595